شان رسالت واہل بیت میں

ابن تیمیہ کی گستاخیاں

تالیف

ڈاکٹر سید محمود سید صبیح

ترجمہ، تعلیق وتحقیق

علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی

مرکز أهل السنّة برکات رضا

MARKAZ-E-AHLE-SUNNAT BARKAT-E-RAZA

امام احمد رضا روڈ، میمن واڑ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

شان رسالت واہل بیت اطہار میں

ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ترجمہ:

أخطاء ابن تيمية في حق رسول الله ﷺ و أهل بيته

تالیف

ڈاکٹر محمود سید صبیح

پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

ترجمہ، تحقیق، تعلیق

علامہ ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، (یوپی، انڈیا)

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پوربندر، گجرات (انڈیا)

نام کتاب	شان رسالت واہل بیت اطہار میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں
	ترجمہ: اخطاء ابن تیمیہ فی حق رسول اللہ ﷺ واہل بیتہ۔
مصنف	ڈاکٹر محمود سید صبیح
	(پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)
مترجم و محقق	علامہ محمد ناظم علی مصباحی
	(استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)
باہتمام	مناظر اہل سنت، علامہ عبد الستار ہمدانی، مصروف
سال اشاعت	ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ ـــــ نومبر ۲۰۱۱ء
ناشر	مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پور بندر، گجرات
	فون: 220886 286 91 موبائیل: 9824277786
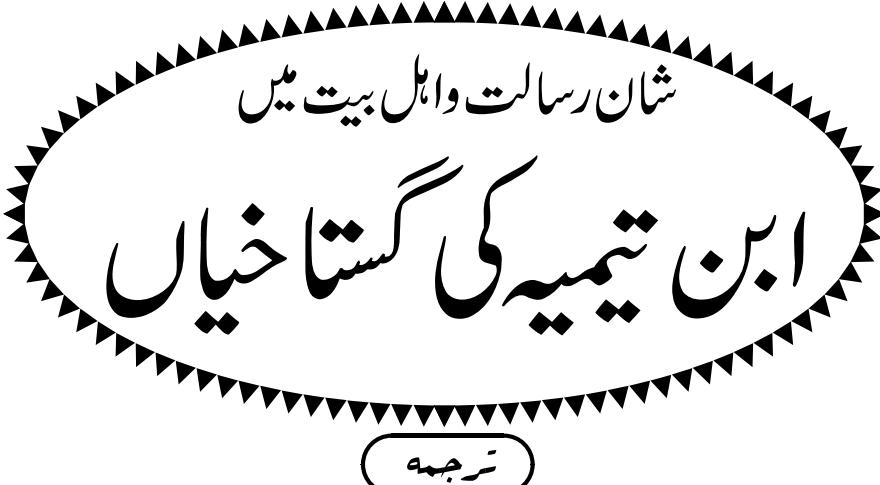
شان رسالت واہل بیت میں

ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ترجمہ

أخطاء ابن تیمیة

فی حق رسول الله ﷺ و أهل بیته

تالیف

ڈاکٹر سید محمود سید صبیح

(پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)

ترجمہ، تعلیق وتحقیق

علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، (یوپی، انڈیا)

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڑ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

نام کتاب : شانِ رسالت واہل بیت میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ترجمہ: أخطاء ابن تيمية في حق رسول الله ﷺ و أهل بيته)

مصنف : ڈاکٹر سید محمود سید صبیح (پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)

مترجم ومحقق : علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا)

پروف ریڈنگ : مولانا محمد جاوید احمد مصباحی

نظرِ ثانی : ارشد علی جیلانی مالکی (مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

باہتمام : علامہ عبدالستار ہمدانی، مصروفؔ، برکاتی، نوری

سن اشاعت : ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۱ء

ناشر: مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

Published by :

Markaz-e- Ahle Sunnat

BARKAT -E- RAZA

Imam Ahmed Raza Road, Memon wad,
PORBANDAR Gujarat (India)
Phone : +91- 286- 2220886
Fax : +91 - 286- 2222039
Cell : +91- 9879377786
E-mail : hamdani78692@Gmail.com

عرض ناشر

(از: مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری)

فرقۂ وہابیہ جو کہ بزعم خویش توحید خالص کا دعویدار اور شرک و بدعت کا منکر ہے، اپنے تمام مکر وفریب سے بھر پور دعووں کے برخلاف ایک شرط اور آئین کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ایک قسم کا شخصیت پرست، بدعات ومنکرات کا مؤید، مضحکہ خیز اعتقادات کا حامل، اور امت مسلمہ کی وحدت کو تتر بتر کرنے کا ایک سوچا سمجھا مشن ہے۔ جو براہ راست حکومت برطانیہ کے حکم کے مطابق محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ذریعہ ظاہر ہوا ہے۔

آج عالمی استعمار کا مسلمانوں کے خلاف کامیاب ترین حربہ بن چکا ہے اور عملی طور پر اس فرقے کی ظاہر پرست تعلیم، اتحاد امت میں مانع ہے، اس فرقہ کے وجود میں آنے سے اس قدر عظیم نقصان کا سامنا ہوا کہ ایک ادنیٰ فہم رکھنے والا شخص بھی جس کا ادراک کرسکتا ہے جس وقت تمام عالم اسلام اپنے اتحاد کی شدید ضرورت کو محسوس کر رہا ہے، اس فرقہ کے ذریعہ اس میں نفرت وعداوت کا بیج بویا گیا، شرک و بدعت کے جھوٹے دعوے کے ذریعہ ایک دوسرے کو جدا کر دگیا۔

آج مسلمان ایسی گمراہ جماعت کے ہاتھوں مبتلائے امتحان ہیں جو کتاب وسنت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اور انھیں دونوں سے استنباط کا دعویٰ بھی، اور چاہے جو شخص بھی اس کی مخالفت کرے اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں، وہ اپنے مخالفین کو کافر جانتی ہے جب کہ اس کے اندر اجتہاد کی کسی علامت کا وجود نہیں۔ یہ لوگ صرف اپنی جماعت کو موحد جانتے ہیں، مقلدین کے سخت دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں۔ آغاز میں تو یہ لوگ اپنے آپ کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے جیسا کہ ان کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ مگر اب وہابی نام سے چڑھتے ہیں، ان کے عقائد واعمال نہایت گندے، اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان کا یہ نام بھی صحیح نہیں دنیا کا کوئی شخص بھی اہل حدیث یا عامل بالحدیث صحیح معنی میں ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ کیوں کہ حدیث کے دو معنی ہیں لغوی اور اصطلاحی۔ لغوی معنٰی میں حدیث کا مطلب بات چیت، کلام یا گفتگو ہے۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ [الاعراف :۱۸۵] (تو اس کے بعد اور کونسی بات پر یقین لائیں گے۔)[کنز الایمان] اور ارشاد باری ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [لقمان :٦] (اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں)[کنز الایمان] نیز قرآن کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ.﴾ [الزمر :۲۳](اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب)[کنز الایمان]

ان تینوں آیتوں میں حدیث کا معنی بات، کلام، گفتگو وغیرہ کے ہیں۔ مگر اصطلاحی معنی میں حدیث نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریر کو کہتے ہیں۔ اب میں عامل بالحدیث کے دعویداروں سے پوچھتا ہوں کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر؟ اگر لغوی حدیث ہو، پھر تو ہر ناول وقصہ گو، اور بات کرنے والا اہل حدیث ہوا۔ اور اگر اصطلاحی حدیث پر عمل کرتے ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ بعض حدیث پر عامل ہو یا کل پر۔ اگر بعض پر عمل کرتے ہو تو پھر اس میں تمھاری ہی کیا تخصیص؟ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ کے کسی نہ کسی قول وفعل پر ہر شخص عمل پیرا ہے، پھر تو سب کے سب اہل حدیث ہو گئے تو اب حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کو بھی اہل حدیث کیوں نہیں مانتے۔ اور اگر کل حدیث پر عمل کے مدعی ہو تو نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث پر عمل ناممکن ہے کیوں کہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ، بعض احادیث صرف نبی کریم ﷺ کے لیے خاص اور بعض حدیثوں میں نبی اکرم ﷺ کے وہ خصوصی اعمال شریفہ مذکور ہیں جو آپ ﷺ کے لیے تو مباح، واجب اور فرض تھے مگر ہمارے لیے حرام۔ بلکہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کلمہ اس طرح پڑھتے تھے لا إلـه إلا اللّٰـه و إنی رسول اللّٰه (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں)[مسلم شریف] اب یہ حدیث کے دعویدار اس حدیث پر عمل کر کے دکھا دیں باجماع امت دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ غرضیکہ حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے بعض ایسے اقوال و

اعمال اور افعال ہیں جو آپ ﷺ کے لیے کمال ہیں اور ہمارے لیے کفر۔ بہر حال جو اس معنی سے اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے وہ غلطی پر ہے، جب نام ہی باطل ہوا تو کام بھی سارے باطل ٹھہرے۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين.** (میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔)[المستدرک للحاکم، ۱/ ۱۷۷، حدیث نمبر ۳۳۳] آپ ﷺ نے یہ نہ فرمایا: **علیکم بحدیثی** کہ میری حدیث کو لازم پکڑو کیوں کہ ہر حدیث لائق عمل نہیں، ہر سنت لائق عمل ہے۔ حضور کے وہ اعمال طیبہ مقدسہ جو منسوخ نہ ہوں، حضور اقدس ﷺ کے لیے خاص بھی نہ ہوں بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہو، انھیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہذا ہم اہل سنت و جماعت بالکل حق و درست ہیں۔ کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ حضور اقدس کی ہر سنت پر عمل پیرا ہیں۔

اہل حدیث اور وہابیت کی اصل و بنیاد محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جو نجد کے علاقہ درعیہ سے تعلق رکھتا تھا، اپنے ہم عصر میں ذہانت و فطانت سے مشہور تھا اور چالاکی و فریب کاری اس کی فطرت تھی، اس میں سخاوت و فیاضی بھی خوب تھی۔ اپنے تابعین اور مددگاروں میں خوب خرچ کرتا تھا۔ اپنے ہی وطن میں تھوڑی عربی زبان وادب اور فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی، اس شخص کو اگر چہ اجتہاد سے کہیں دور کا واسطہ بھی نہیں تھا، پھر بھی وہ ہر مسئلہ میں ایک مسلم الثبوت مجتہد کی طرح دخل اندازی کرتا رہتا تھا اور اسے اسلاف یا اپنے ہم عصر مجتہدین کے اقوال اور نظریات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

۱۱۳۴ھ میں محمد بن عبدالوہاب نے اپنے نئے مذہب کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا شروع کیا، تو سب سے پہلے اس کے والد، بھائی اور دیگر اساتذہ ومشائخ ہی اس کے گمراہ کن افکار، اور بدعات ومنکرات پر مشتمل نظریات کے مقابلہ کھڑے ہوئے اور اس کی تمام باتوں کا رد بلیغ فرماتے رہے۔ اسی وجہ سے اسے اس وقت کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ یہاں تک کہ جب اس کے والد کا انتقال ہوا، تو دوبارہ سادہ لوح عوام کے درمیان اپنے باطل افکار وخیالات کی ترویج واشاعت کرنے لگا۔ (تلخیص: الصواعق الالٰہیہ فی الرد علی الوہابیہ، ص ۷)

اپنی ذاتی رائے کے مطابق جو بھی اس کو اچھا لگتا تھا وہی کہتا تھا اور اس پر لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کی اپنی ذاتی رائے تھی کہ اس کے متبعین کے علاوہ تمام حضرات یہودیوں وعیسائیوں کی طرح مشرک اور کافر ہیں اور سب ہی کو بت پرستوں کے زمرے میں شمار کرتا تھا اور اپنی اس باطل رائے پر یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ مسلمان حضرت رسول اکرم ﷺ، بزرگان دین اور اولیائے کرام کی مقدس بارگاہوں سے توسل کرتے ہیں، اور یہ قبر میں سونے والے مردوں سے توسل ہے، مسلمانوں کی اس نیازمندی کے بارے میں کہتا کہ یہ لوگ ان کی قبروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، ان کے آستانوں پر جبین نیاز خم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ بت پرستی اور بتوں کی عبادت ہے کہ اگر بتوں کی تصویر یا خود بت یا اس کی مخصوص شکل کو خدا نہ سمجھیں بلکہ یہ کہیں کہ یہ ہمارا قبلہ ہے اور فقط، اس کے واسطے سے اپنی حاجتوں کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، جیسا کہ یہودی اور عیسائی کلیساؤں اور اپنی عبادت گاہوں میں حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی تصویر نصب کر کے خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع قرار دیتے ہیں۔ جب کہ خدا کی عبادت یہ ہے کہ ذات اقدس کے لئے عبادت کریں اور سجدہ ریز ہوں اور کسی کو خداوند عالم کا شریک قرار نہ دیں۔ (تلخیص: وہابیت، تجزیہ و تحلیل، ص:۸۰۱)

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعض متبعین نے اس کی پیروی کی اور اس طرح نجد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا۔ وہ ہمیشہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے روضہ کے گنبد کو منہدم کرنے سے متعلق موضوع کو ورد زبان رکھتا تھا اور اس کو اپنا نصب العین اور اپنے منحوس مقاصد کی کامیابی میں رکاوٹ سمجھتا تھا، وہ ہمیشہ اسی کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اگر قدرت وطاقت حاصل ہو جائے تو سب روضوں کو تباہ و برباد کر کے، ان مقدس آستانوں کا نام ونشان تک مٹا دے لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی اور وہ مر گیا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی ساتویں صدی ہجری کا ایک حنبلی عالم ابن تیمیہ کے عقائد وافکار سے متأثر تھا اور زیادہ تر نظریات میں اس کی پیروی کرتا تھا۔ اس کے تمام افکار وخیالات ابن تیمیہ کے عقائد کے عین مطابق تھے۔

ابن تیمیہ ۶۶۱ ھ میں دمشق کے قریب ''حران'' گاؤں میں پیدا ہوا، جب چھ سال کی عمر ہوئی تو اپنے والد

کے ساتھ دمشق منتقل ہوگیا، پھر وہیں اس کی تعلیم وتربیت ہوئی، عربی زبان وادب، فقہ واصول فقہ، اور حدیث پر ایک حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو مجتہد مطلق سمجھ بیٹھا۔

اس شخص نے اصول وعقائد میں اجتہاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے تجسیم اور حرکات وسکنات، جہت وسمت اور اعضا وجوارح کا قائل ہوگیا، قرآن وحدیث کے غلط معنی سمجھ کر خود گمراہ ہوا اور بہتوں کو گمراہ کیا، قبر انور سید عالم ﷺ کی زیارت، توسل، نیاز، فاتحہ، قیام ومیلاد، کو بدعت وشرک کہا، انبیاء کرام کی شان میں توہین آمیز کلمات بکے، اور اہل بیت اطہار کی مقدس بارگاہوں میں اول فول بکتا رہا۔ اس وقت کے علماء ومفتیان کرام نے اسے گمراہ اور گمراہ گر قرار دیا۔

اس لیے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ ابن تیمیہ کے اقوال عوام الناس کے سامنے پیش کیے جائیں تا کہ سادہ لوح عوام ان نام نہاد اہل حدیث کے دام فریب میں مبتلا نہ ہوں، سلف وخلف میں بے شمار علماء نے ابن تیمیہ کے رد میں کتابیں لکھیں، انھیں میں یہ کتاب ''**اخطاء ابن تیمیہ**'' ہے۔ جسے الازہر یونیورسٹی کے ایک فاضل جلیل، عالم نبیل **ڈاکٹر محمود سید الصبیح** نے تالیف فرمایا۔ مؤلف نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے اور غیر مقلدین کے زیغ وضلال کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی تلبیس وتزویر کا پردہ چاک کیا۔ مولف موصوف نے کتاب میں ابن تیمیہ کی ان باتوں کو بطور خاص جمع کیا ہے، جو اس نے نبی اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار، نیز صحابہ کرام کی شان میں گستاخانہ، اور تمسخر آمیز انداز بیان میں اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں کیں ہے۔ انھیں درج کرنے کے بعد آپ نے تمام اتہامات واکاذیب کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں عقلی ونقلی اعتبار سے مدلل اور بہت سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی جس سے صرف علماء اور طالبان علوم نبویہ ہی استفادہ کر سکتے تھے، اردو داں طبقہ میں ہمارے اس پیغام کو پہنچانے کے لیئے جامعہ اشرفیہ کے ایک فاضل استاذ **حضرت علامہ ناظم علی مصباحی** صاحب نے اردو میں ترجمہ فرما کر اس کا نام ''**ابن تیمیہ کی گستاخیاں**'' رکھا۔ مترجم کا سیال قلم، خوب

صورت انداز تحریر اور بہترین انداز ترتیب اس میں مزید جاذبیت اور کشش پیدا کر رہا ہے۔امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کی کتب میں مذکور مستند حوالہ جات اور مثالوں کا اقتباس اس کی اثر افرینی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، جس سے بات کو سمجھنا انتہائی آسان ہوگیا ہے۔علمی اور دقیق مسائل سے پر اس کتاب کو ایسی دل کش اور جاذب نظر تحریر میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر مترجم موصوف نے بڑی عرق ریزی اور جاں سوزی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، جو ایک علمی، تحقیقی اور بنیادی نوعیت کا کارنامہ ہے جس کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

حضرت علامہ ناظم علی مصباحی کی اس مخلصانہ کاوش بنام ''ابن تیمیہ کی گستاخیاں'' ہم قارئین کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے نہایت سرور وانبساط محسوس کر رہے ہیں۔اور **مرکز اہل سنت برکات رضا** کی جانب سے انھیں صدہا مبارک باد پیش کرتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرما کر کتاب کو مقبول عام بنائے۔آمین۔

بتاریخ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
مطابق: ۱۲۹کتوبر ۲۰۱۱ء
بروز: شنبہ

خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف
اور خانقاہ قادریہ بریلی شریف کا
ادنیٰ سوالی
عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری
پور بندر، گجرات

کلمات عالیہ

از: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، تاج الشریعہ، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری، دام ظلہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم وآله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

فاضل گرامی حضرت مولانا ناظم علی صاحب قادری رضوی زید مجدہ کی تازہ تصنیف ''أخطاء ابن تیمیہ'' کے ترجمہ کے چند ابتدائی صفحات پڑھوا کر میں نے عزیز سعید عاشق حسین قادری رضوی سے سنے۔ ترجمے کا انداز بہت دلنشیں ہے، ترجمہ بہت با محاورہ ہے، طرز نگارش سے صاف ظاہر ہے کہ فاضل گرامی نے ترجمے میں دقت نظر اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، کسی کتاب کا ترجمہ کردینا آسان کام نہیں ہے اس کی صعوبتوں سے وہی واقف ہے جس کو اس سے کام پڑتا ہے، بفضلہ تعالی فقیر نے بھی اعلی حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالی عنہ کی بعض کتابوں کا ترجمہ اردو میں کیا اور بعض دیگر کی تعریب کی۔

اس سلسلے میں جو دشواریاں پیش آئیں اس کا اندازہ مجھی کو ہے، توفیق خداوندی اور اعانت سرکار اور فیوض بزرگان دین میرے اس کام میں اگر مساعد نہ ہوتے تو مجھ سے یہ کام نہ بن پڑتا، اس سلسلے میں جن احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی ان میں فاضل موصوف سرفہرست ہیں، میری فرمائش کے بغیر انھوں نے میرے تراجم پر با وقعت تقدیم وتقریظ لکھی، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو اور فاضل گرامی کو جزائے خیر دے اور ان کی اس تصنیف کو قبول نظر اور اصابت فکر بیش از بیش عطا فرمائے۔

وصلى اللّٰه تعالىٰ على سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

قال بفضلہ وأمر برقمہ

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

مترجم ایک نظر میں

نام : محمد ناظم علی مصباحی

والد گرامی : جناب محمد حلیم صاحب

پتہ : ڈڑوا، پوسٹ، جنگا بازار، تھانہ منکاپور، ضلع گونڈہ۔

ولادت : ۹؍جنوری ۱۹۶۹ء

تحصیل علم :

- ابتدائی تعلیم: جب ذرا شعور بیدار ہوا تو رسم بسم اللہ خوانی شریف والد ماجد نے گھر پر ہی کرائی، پھر مکتب کی تعلیم کے لیے گھر کے قریب ہی مدرسہ میں منشی عبد الرحمٰن صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے مندرجہ ذیل درس گاہوں سے استفادہ کیا۔
- مدرسہ اشرفیہ مظہر العلوم، متصل مسجد چوک، و مدرستہ یتیم خانہ صفویہ، کرنیل گنج، گونڈہ: حفظ قرآن مجید اور تجوید و قرأت۔
- دار العلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف: ابتدائی درس نظامی۔
- مدرسہ معراج العلوم، بھدوکرا بازار، بستی: عربی، فارسی، منطق، فلسفہ اور دیگر اصولیات کی تعلیم۔
- دار العلوم اہل سنت انوار الرضا، گوراچوکی، گونڈہ، حدیث، اصول حدیث فقہ، اصول فقہ، اور تفسیر، منطق و فلسفہ زبان و ادب کی تکمیل۔
- دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، سے ۱؍جمادی الآخری ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں عرس حافظ ملت کے حسین موقع پر اساطین ملت کے مقدس ہاتھوں سر پر دستار فضیلت سجائی گئی۔

تدریس :

- مدرسہ الجامعۃ الاحمدیہ، جمالی پورہ، قنوج، تقریباً ایک سال۔
- مدرسہ صدر العلوم، متصل ریلوے مسجد، بڑگاؤں، گونڈہ، تقریباً تین سال
- دار العوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، ۱۹۹۶ء سے تا حال

بیعت و ارادت :

- شہزادۂ شعیب الاولیا، حضرت مولانا صوفی محمد صدیق شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔

اجازت و خلافت :

- صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ محدث بریلوی۔
- تاج الشریعہ، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری، ازہری دام ظلہ العالی
- محدث کبیر، حضرت علامہ ضیا المصطفیٰ صاحب قبلہ دام فضلہ الکریم
- فاتح بلگرام، سید محمد صاحب

<u>اجازت قرآن کریم:</u> شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ

<u>اجازت حدیث وفقہ:</u>

- محدث بریلوی حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ قادری مدظلہ
- محدث کبیر، حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی صاحب قبلہ مدظلہ

تصنیفات و مقالات :

آپ کی قلمی خدمات حسب ذیل ہیں:

- أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم حدیث مقبول لا موضوع (عربی)، غیر مطبوع۔
- الإمام حمد رضا و نبوغه فی العلوم الجدیدة (عربی)، غیر مطبوع۔

- حافظ الملة ونبوغه فی العلوم والفنون (عربی)، غیر مطبوع۔
- الإمام احمد رضا و نبوغه فی العلوم الحدیث (عربی)، یہ رسالہ الهاد الكاف فی حكم الضعاف از: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔
- الاستمداد بالأنبياء والأولياء (عربی)، (مطبوع)
- سیدنا المفتی الأعظم فی ضوء فتاواہ (عربی)، غیر مطبوع۔
- اسلام کا نظریہ تعدد ازدواج (اردو)، غیر مطبوع۔
- اسلام اور تعلیم نسواں (اردو)، ماہنامہ جامعہ، رونا ہی سے شائع ہوا۔
- فن اسماء رجال میں مفتی اعظم کی مہارت (اردو)، یہ مقالہ جہان مفتی اعظم ہند میں شائع ہو چکا ہے۔
- مسلک حنفی کا اثبات (اردو)، یہ مقالہ شارح بخاری نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

تراجم و تقدیمات، حواشی و دیگر متعلقات :

- شان رسالت واہل بیت میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں۔ (ترجمہ أخطا ابن تیمیه فی حق رسول الله ﷺ و أهل بيته)
- تدوين الفقه و كتب الفقه الحنفی (یہ مختصر القدوری کے ساتھ منسلک ہے اور یہ کتاب مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکی ہے)۔
- ترجمة المحقق العلامة السيد الشريف الجرجانی صاحب حاشية القطبی (میر قطبی کے ساتھ منسلک ہے اور یہ کتاب بھی مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکی ہے)۔
- امام احمد رضا اور علم کلام میں مہارت۔ یہ المعتقد المنتقد پر مقدمہ ہے (یہ کتاب جامعۃ الرضا بریلی سے شائع ہو چکی ہے)۔
- مآثر الکرام اور علامہ آزاد بلگرامی، مقدمہ مآثر الكرام فی تاريخ بلگرام (یہ کتاب

بھی جامعۃ الرضا بریلی سے شائع ہوچکی ہے)۔

- امام اعظم اور علم حدیث، مقدمہ مقامات امام اعظم۔(مطبوع)
- حاشية على أصول الشاشي (عربی) زیر تحریر۔
- تقديم نور الإيضاح، (یہ نور الایضاح کے ساتھ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے شائع ہوچکی ہے)۔
- ضوء المصباح علی نور الایضاح، (عربی) یہ نور الایضاح کا بڑا تحقیقی حاشیہ ہے، جو ارباب فقہ و تدریس سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

(بارک الله فيه و أحسن الله إليه)

انتساب

اقلیم روحانیت کے ان خلد آشیاں تاجداروں کے نام جن کے فیوض و برکات سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے

- خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمد برکاتی مارہروی
- سراج السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
- مجدد اعظم شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی
- تاج دار اہل سنت مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی
- فقیہ اعظم صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی
- جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز محدث بریلوی
- شعیب الاولیاء حضرت مولانا صوفی شاہ محمد یار علی
- مظہر شعیب الاولیاء حضرت مولانا صوفی شاہ صدیق

عليهم الرحمة و الرضوان

لا خيــــل عـــــنــــدی أهـــديهــــا و لا مــــال

فــليســعــد الــنــطــق إن لــم تســعــد الــحــال

گدائے بے نوا

محمد ناظم علی رضوی مصباحی

مُقَـدِّمَہ

نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إن بـنـي إسـرائيـل تفرقت على اثنين وسبعين ملة وتفترق أمتي على ثلاث وسبعيـن مـلة كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا: من هي يارسول الله؟ قال: ماأنا عليه وأصحابي" (رواه الترمذي)

ترجمہ:۔"بنی اسرائیل بہتر ۷۲ مذہب میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر ۷۳ مذہبوں میں بٹ جائے گی، جن میں ایک مذہب والوں کو چھوڑ کر تمام مذاہب کے لوگ جہنمی ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا وہ ایک مذہب کے لوگ کون ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: میں اور میرے صحابہ جس مذہب پر قائم ہیں اس پر قائم رہنے والے لوگ نجات یافتہ ہیں"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جس طریقہ پر قائم ہیں اسی پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حکم دیتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اتبعـوا السـواد الأعـظـم فإنه من شذشُذَّ في النار" (مشکاۃ المصابیح ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔"سواد اعظم کی اتباع کرو کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا"۔

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

" يـدالـلـه على الجماعة " (مشکاۃ المصابیح، ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔"اللہ کا دست کرم جماعت پر ہے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جس طریقہ پر قائم ہیں اس پر قائم رہنے والے سواد اعظم ''جماعت کثیرہ'' ہیں حدیث پاک میں جن کی اتباع کا حکم دیا گیا، دور حاضر میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم المتعال کے متبع ومقلد ہی سواد اعظم اہل سنت کہلانے کے مستحق ہیں۔ مجدد اعظم، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

شافعی، مالک ،احمد امام حنیف — چارباغ امامت پہ لاکھوں سلام
کاملان طریقت پہ کامل درود — حاملان شریعت پہ لاکھوں سلام
بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب — تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

نیز فرماتے ہیں:

''مذاہب اربعہ اہل سنت سب رشد وہدایت ہیں جوان میں سے جس کی پیروی کرے عمر بھر اسی کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلے میں اس کے خلاف نہ چلے وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے اس پر شرعا کوئی الزام نہیں، ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کو کافی ہے، تقلید شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے گمراہ ،ضالین متبع غیر سبیل المومنین ہیں''۔(فتاوی رضویہ ۱۱/۳۱۱ أطائب الصیّب علی أرض الطّیب رضا اکیڈمی ممبئ)

نیز فرماتے ہیں:

''آخر اتنا تو اجلی بدیہیات سے ہے جس کا انکار آفتاب کا انکار کہ صدہا برس سے لاکھوں اولیا، علما، محدثین، فقہا، عامۃ اہل سنت واصحاب ہدی غاشیۂ تقلید ائمہ اربعہ اپنے دوش ہمت پر اٹھائے ہوئے ہیں جسے دیکھو کوئی حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی، کوئی حنبلی یہاں تک کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت ان چار مذاہب میں منحصر ہوگیا جیسا کہ اس کی نقل سید علامہ احمد مصری رحمہ اللہ تعالی سے شروع دلیل اول میں گزری''۔(فتاوی رضویہ مترجم ۶/۷۰۵

رضا اکیڈمی ممبئی)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

فعليكم يامعشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة، فإن نصرة الله تعالى وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذ لانه وسخطه ومقته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجا عن هذه المذاهب الأربعة فهو من أهل النار"

(طحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح ۴/۱۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ:۔"اے مومنو! تم پر فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کی اتباع لازم ہے اس لیے کہ اللہ تعالی کی نصرت وحفاظت اوراس کی توفیق ان کی حمایت وموافقت میں ہے اوراس کی ناراضی اورعذاب ان کی مخالفت میں ہے اورفرقۂ ناجیہ آج صرف مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، اورحنبلی ہیں اور جوان چاروں سے خارج ہوگا وہ بدعتی جہنمی ہے"۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "**عقد الجيد**" میں لکھتے ہیں:

اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة، وفي الإعراض عنها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه: أحدها أن الأمة قد اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة، فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة، وتبع التابعين اعتمدوا على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لأن الشريعة لايعرف إلا بالنقل والاستنباط، والنقل لايستقيم إلا بأن ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولابد في الاستنباط من أن يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من أقوالهم فينخرق الإجماع ويبنى

عليها ويستعين في ذلک بمن سبق لأن جميع الصناعات كالصرف والطب والشعر والحدادة والتجارة والصياغة لم يتيسر لأحد إلا بملازمة أهلها، وغير ذلک نادر بعيدلم يقع وإن كان جائزا في العقل وإذا تعين الاعتماد على أقاويل السلف فلابد من أن يكون أقوالهم التي يعتمدعليهامروية بالإسناد الصحيح أو مدونة في كتب مشهورة وأن يكون مخدومة يتبيّنُ الراجح من المرجوح من محتملاتها وتخصيص عمومها في بعض المواضع وبجمع المختلف منها وتبيين علل أحكامها وإلا لم يصح الاعتماد عليها وليس مذهب في هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلاهذه المذاهب الأربعة ''.

ترجمہ:''یہ بات واضح رہے کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اوران سے اعراض کرنے میں بڑافساد ہے ہم انھیں چندطریقوں سے بیان کرتے ہیں:اول: یہ کہ ساری امت کااس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیااور تبع تابعین نے تابعین پر، اسی طرح ہر طبقہ میں علما نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اور عقلاً یہ ایک اچھی چیز ہے،اس لیے کہ نقل واستنباط کے بغیر شریعت کی معرفت ناممکن ہے،اورنقل کی درستگی اسی طرح سے ہوگی کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنے پہلے والوں سے متصلا حاصل کریں اوراستنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تا کہ ان کے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ خرق اجماع ہوجائے،اورتا کہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایاجائے اوراگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لیے کہ تمام صنعتیں مثلا سُنَاری،طب،شعرگوئی،لوہاری،تجارت اوررنگ ریزی کسی کوبھی صرف ان کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے میسر ہوتی ہے اوراس کے بغیر بہت نادر اورغیرواقع ہے اگر چہ عقلا

جائزوممکن ہے۔اور جب یہ متعین ہوگیا کہ (شریعت کی معرفت) میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو، اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہوں، یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح سے ظاہر وواضح ہواور عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں اور اس پچھلے زمانہ میں ان چار مذاہب کے سوا کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں''۔

یہی شاہ صاحب رسالۂ انصاف میں لکھتے ہیں:

"**بعدالمائتين ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب في ذلک الزمان". رساله انصاف شاه ولی الله باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة** "(مکتبۃ دارالشفقت استنبول ترکی،ص ۱۹)

ترجمہ:۔'' دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بننا اہل اسلام میں ظاہر ہوا کم کوئی شخص تھا جو ایک امام معین پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہی واجب تھا اس زمانہ میں''۔

علامہ زین بن نجیم حنفی مصری متوفی (۹۷۰ھ) نے الاشباہ والنظائر میں ارشاد فرمایا کہ: امام ابن ہمام نے تحریر میں یہ تصریح فرمائی کہ:

"**إن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب يخالف الأربعة لانضباط مذاهبهم واشتهارها وكثرة أتباعها**". (خلاصۃ التحقیق ص ۳-۴)

ترجمہ:۔''اس بات پر اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف کسی مذہب پر عمل نہ کیا جائے اس لیے کہ چاروں مذاہب محفوظ ومنضبط اور مشہور ہیں اور ان کے ماننے والے کثیر ہیں''۔

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی صاحب حدیقہ ندیہ فرماتے ہیں:

" اعلم أن المذاهب الأن التي يجوز تقليدها هي المذاهب الأربعة لاغير فقد انحصر الأن العمل بشريعة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في العمل بما ذهب إليه أحد الأربعة فقط على العموم ". (خلاصۃ التحقیق ص ۴)

ترجمہ: ''یہ امر واضح رہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں اس لیے کہ اس وقت بالعموم شریعت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر عمل مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے عمل پر منحصر ہے''۔

نیز علامہ نابلسی رحمہ اللہ تعالی حدیقۂ ندیہ ص ۳۱۸ پر رقمطراز ہیں:

" فعلى كل مسلم من أهل السنة أن يقلد إحدى المذاهب الأربعة المعروفة" إلى أن قال " ولن يكون من أهل السنة من لم يقلد إحدى المذاهب الأربعة ويقال له لامذهبي".

ترجمہ: ''تمام مسلمانان اہل سنت پر یہ لازم ہے کہ مذاہب اربعہ معروفہ میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع کرے'' آپ نے یہاں تک فرمایا: ''جو شخص ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کرے وہ ہرگز اہل سنت سے نہیں وہ لا مذہب کہلائے گا''۔

بحر العلوم رحمہ اللہ تعالی فواتح الرحموت ۲/۴۰۷ میں فرماتے ہیں:

" إنما منع من تقليد غيرهم لأنه لم تبق رواية مذهبهم محفوظة".

ترجمہ: ''چاروں مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید واتباع سے اس لیے روکا گیا کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب کی روایت محفوظ نہیں''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

" أهل السنة قد افترق بعدالقرون الثلاثة أوالأربعة على أربعة مذاهب ولم يبق مذهب في فروع المسائل سوى هذه الأربعة".

ترجمہ:۔’’اہل سنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہو گئے اور فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا‘‘۔

(تفسیر مظہری مسئلہ إذا صح الحدیث علی خلاف مذہبہ الخ ادارہ اشاعت العلوم دہلی ۲/۶۴)

(بحوالہ فتاوی رضویہ مترجم ۶/۷۰۵ رضا اکیڈمی ممبئی)

عقود الجواہر المنیفہ میں جو حدیث شریف میں مستند کتاب اور مقبول علمائے اولی الالباب ہے محدث مصری سیدنا المرتضی الحسینی تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’ اطبق الناس الأن على أن أهل السنة هم أهل المذاهب الأربعة‘‘.

ترجمہ:۔’’تمام علما اس بات پر متفق ہیں کہ سنی وہی لوگ ہیں جو ان چاروں مذہبوں میں سے کسی خاص مذہب کے پابند ہیں‘‘۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہے ان کے علاوہ دوسرے فرقے خواہ وہ اپنا کچھ نام رکھیں بدعتی اور جہنمی ہیں اس زمانہ میں ائمہ اربعہ ہی کے مذاہب باقی و محفوظ، لائق اعتماد اور قابل عمل ہیں ان کی تقلید و اتباع لازم ہے، جو ان چاروں سے خارج ہے وہ اہل سنت و جماعت نہیں بلکہ بدعتی اور جہنمی ہے، نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد پاک:’’ تفترق أمتي على ثلاث و سبعين‘‘ کے مطابق آج بہت سارے فرقے رونما ہیں ان فرقوں میں آج وہی فرقہ ناجی، جنتی، سواد اعظم پر قائم کہلائے گا جو ان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب پر مضبوطی سے قائم ہو نہ یہ کہ بعض احکام میں ایک مذہب اور بعض دوسرے احکام میں دوسرے مذہب کی اتباع کرے کہ یہ تلفیق ہے جو جائز نہیں اور اب نہ یہ جائز ہے کہ ان مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر ان کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی الگ تھلگ بنیاد ڈالی جائے جیسا کہ بعض فرقوں نے ایسے مذاہب اختراع کیے جو ان مذاہب اربعہ سے بالکل دور رفتہ اور جداگانہ ہیں، انھیں میں سے منکرین تقلید کا ایک گروہ ہے جس نے مذاہب اربعہ سے ہٹ کر ایک الگ اختراعی مشرب کی بنیاد ڈالی اور ان مذاہب اربعہ کے ائمہ کرام کی شان میں نہ صرف دشنام طرازیاں کیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، دیگر انبیائے کرام

علیہم الصلاۃ والسلام اورآپ کے اصحاب وآل پاک کی شان میں سخت گستاخیاں کیں اوراللہ عزوجل کی شان اقدس میں خبیث عقائد سے باز نہ آئے ،انھوں نے اللہ عزوجل کے لیے مکان وجہت وجسمیت کا قول کیا،اسے محل حوادث بتایااس کے علم کواختیاری مانا،اوراسے جھوٹ بولنے اوراولاد اختیار کرنے اورایسے محالات وممتنعات پر قادر مانا جن سے ایمان واسلام کی ساری بنیادیں منہدم ہوجاتی ہیں،انبیائے کرام کی عصمت کاانکارکیااور یہ کہا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بعثت سے پہلے ایمان واسلام سے غافل تھے، نبوت کسبی شئی ہے اللہ کی عطا نہیں ۔شہزادیِ رسول سیدہ فاطمہ زہرا،محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ صدیقہ،باب مدینۃ العلم مولائے کائنات سیدناعلی کرم اللہ وجہہ الکریم ،سیدالشہدا،امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہم کی شان میں کھلم کھلا جرأت وجسارت کی، نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذات پاک سے توسل کوناجائز وحرام کہا،آپ کے روضۂ اقدس کے سفر زیارت کوسفر معصیت قرار دیااوراس سفر زیارت میں نماز کا قصرنا جائز کہا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالی ابن تیمیہ کی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وإن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لاجاه له ولايتوسل به وإن إنشاء السفر إليه بسبب الزيارة معصية لاتقصر الصلاة فيه". (فتاوی حدیثیہ ص۱۱۶)

ترجمہ:۔"ابن تیمیہ کی گمراہیوں میں سے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جاہ ومرتبہ اورآپ کے وسیلہ کا انکارکرتاہے اور یہ کہتاہے کہ آپ کی زیارت کے ارادے سے سفرکرنا گناہ ہےاس سفر زیارت میں نماز کے اندرقصرنہ کی جائے"۔

اورتقی حصنی نے اپنی کتاب کے صفحہ۲۲ پرفرمایا:

"وكان ابن تيمية ممن يعتقد و يفتي بأن شد الرحال إلى قبور الأنبياء حرام ،لا تقصر فيه الصلاة، ويصرح بقبر الخليل وقبر النبي صلى الله عليهما وسلم، وكان على هذا الاعتقاد تلميذه ابن قيم الجوزية الزرعي وإسمعيل بن كثير الشركويني".

ترجمہ:۔''ابن تیمیہ کا یہ اعتقاد اور یہ فتوی تھا کہ انبیا کی قبروں کی طرف شدرحال کرنا حرام ہے، اس سفر میں قصر نہ کرے حضرت خلیل اور نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہما وسلم کی قبر کے متعلق صراحۃ ذکر کیا، ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن قیم اور اسماعیل بن کثیر شرکوینی بھی ابن تیمیہ کے اس اعتقاد پر قائم تھے''۔

اس طرح کے ایسے گھناؤنے خیالات وعقائد پیش کیے جن سے اسلامی عقائد واعمال کی بنیادیں منہدم ہوجاتی ہیں، اس ناپاک گروہ کے راہ نما اور قائدین درج ذیل لوگ ہیں:

ابن حزم ظاہری(متوفی ۴۵۶ھ)، ابن تیمیہ (متوفی: ۷۲۸ھ) اس کے شاگرد ابن القیم (متوفی: ۷۵۱ھ) اور ابن عبدالہادی (متوفی: ۷۴۴ھ) محمد ابن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ) اسماعیل دہلوی نام نہاد شہید (متوفی ۱۲۴۷ھ) اور محمد بن علی شوکانی (متوفی ۱۳۵۰ھ) وغیرہ

مجھے سر دست یہاں ابن تیمیہ کے بعض ناپاک افکار وعقائد کے متعلق گفتگو کرنی ہے کیوں کہ اس وقت میرا موضوع بحث وہی ہے اس لیے کہ غیر تقلیدی فتنوں کی اشاعت میں اس کا اہم کردار ہے، تیمی مشرب کے لوگ اسی کے خطوط ونقوش پر قائم ہیں کیوں کہ وہ ان کا نام نہاد پیشوا ہے۔

۱۰؍ربیع الاول بروز دوشنبہ اور بقول بعض ۱۲؍ربیع الاول ۶۶۱ھ میں ملک شام کے شہر حران میں ابن تیمیہ نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے خود کو مجتہد اعظم سمجھ کر تفردات وضلالات کی ایسی تخم ریزی کی جس کا اثر بد آج بھی موجود ہے، اس نے اپنے قلم کی زبان درازی اور صفات وذات کے مسائل میں کلام کیا، غیر مشروع امور کو عام کیا، اپنے ہم عصر علما وفقہا کی تردید اور ان کی سخت مخالفت کی، اس نے فروع کے علاوہ اصول دین میں بھی زبان درازی کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے لیے جہت وجسمیت، صعود ونزول اور حرکت وانتقال کا قول کیا اس نے برسر عام کہا کہ: اللہ عزوجل کا نزول میرے اسی نزول (زینہ سے اترنے) کی طرح ہے، اس شخص نے اپنی کتاب منہاج السنۃ النبویہ کے حاشیہ ۲؍۲۶ پر لکھا:

''لأن الحي القيوم يفعل مايشاء ويتحرك إذا شاء ويقبض ويبسط ويقوم

ویجلس إذا شاء''.

ترجمہ:''اس لیے کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب چاہتا ہے حرکت کرتا ہے، سمیٹتا اور کشائش فرماتا ہے، اور اٹھتا بیٹھتا ہے''۔

اس نے حدیث نزول:

'' ینزل ربنا تبارک و تعالی کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول: من ید عونی فأستجیب له و من یسألنی فأعطیه و من یستغفرنی فأغفر له''.

(رواه البخاري في صحيحه كتاب الصلاة باب الدعاء والصلاة من آخر الليل و رواه مسلم في صحيحه: كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل و الإ جابة فيه)

یعنی سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ: ہے کوئی جو مجھے پکارے میں اس کی دعا کو قبول کروں، اور ہے کوئی سائل جسے میں عطا کروں، اور ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشش کا پروانہ عطا فرماؤں۔

ذکر کیا اور اس کی شرح کے تحت یہ لکھا:

''أن الله ینزل إلی السماء الدنیا ولا یخلو منه العرش''. (الأجوبة المرضية، ص۹۲/۹۳)

یعنی اللہ تعالی آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا ہے۔

شرح حدیث نزول (صفحہ ۳۸) میں ذکر کیا: ''لکن هذا النور و البرکة و الرحمة التي في القلوب الخ '' لیکن دلوں کے اندر جو نور رحمت و برکت ہے وہ اللہ سبحانہ کی ذات کے نزول کا اثر ہے جس (نزول بذاتہ) سے اس نے اپنی ذات کو موصوف فرمایا اور اپنی صفت قرار دی جیسا کہ متعدد احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ اس نے اپنی یہ صفت ذکر فرمائی کہ عرفہ کی شام کو نزول فرماتا ہے۔

اور اپنی کتاب منہاج (۱/۲۶۲) میں کہا:''ثم ان جمهور أهل السنة یقولون إنه ینزل

الخ''. جمہور اہل سنت نے کہا کہ اللہ نزول فرماتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا جیسا کہ اسحٰق بن راہویہ اور حماد بن زید وغیرہما سے ایسا ہی منقول ہے اور انھوں نے امام احمد بن حنبل کے رسالہ میں ان سے اسے نقل کیا اور اپنی کتاب شرح حدیث نزول (صفحہ ٦٦) اور مجموعۂ فتاوی (۱۳۱/۵ و ۴۱۵) میں کہا کہ:

''والقول الثالث هو الثواب وهو الماثور عن سلف الأمة و أئمتها'' اور تیسرا قول ہی درست وصواب ہے اور وہی امت کے سلف وائمہ سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ سے عرش پر ہے اور اللہ آسمان دنیا کہ طرف نزول کرتا ہے اور اس سے قریب ہے اس کے باوجود عرش اس سے خالی نہیں رہتا اور عرش اس سے بلند اور اس کے اوپر نہیں رہتا۔

الموافقۃ (۴/۲ و ۵) میں کہا: و أئمة السنة و الحديث على إثبات النوعين وهو الذي الخ.

ائمۂ سنت وحدیث اس پر ہیں کہ یہ دونوں نوعیں ثابت ہیں اور حرب کرمانی اور عثمان بن مجید دارمی وغیرہما جیسے حضرات سے ان کا یہ مذہب منقول ہے بلکہ ان حضرات نے کھلےلفظوں میں حرکت کی تصریح کی اور متقدمین و متأخرین ائمہ سنت وحدیث کا یہ مذہب ہے، اور حرب کرمانی نے ذکر کیا کہ یہ ائمہ سنت جن سے میری ملاقات ہوئی ان سب نے یہی کہا مثلا احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور عبداللہ بن زبیر حمیدی اور مجید بن منثور اور عثمان بن سعید وغیرہم نے کہا کہ حرکت حیات کے لیے لازم ہے اس لیے کہ ہر حی (زندہ) متحرک ہے اس کا انکار جہمیہ کرتے ہیں جو صفات باری تعالی کا انکار کرتے ہیں۔

اور اپنی کتاب شرح حدیث نزول (صفحہ ۹۹) میں یہ بھی کہا ''وحينئذ فإذا قال السلف و الأمة كحماد بن زيد و إسحاق بن راهويه وغيرهما الخ''. کہ جب حماد بن زید اور اسحاق بن راہویہ وغیرہما جیسے سلف اور ائمہ اہلسنت اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نزول فرماتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا تو یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ (نزول) ممتنع ومحال ہے پھر اسی شرح حدیث نزول (صفحہ ۹۹) میں کہا: ''و أصل هذا أن قربه سبحانه و دنوه من بعض مخلوقاته لا يستلزم أن تخلو ذاته من فوق العرش الخ'' اور اس کی اصل یہ ہے کہ اللہ کا اپنی بعض مخلوقات سے قرب اور نزدیکی اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی ذات بالائے عرش پر نہ

رہے بلکہ وہ بالائے عرش رہ کر اپنی مخلوق سے جیسا چاہے قرب رکھتا ہے جیسا کہ سلف نے یہی کہا: ناظرین کرام پر یہ امر واضح رہے کہ علمائے اہل سنت اشاعرہ و ماتریدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حرکت وسکون سے منزہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ امام ابوجعفر طحاوی نے اپنے عقیدہ میں فرمایا: ''**ومن وصف الله بمعنى من معاني البشر فقد كفر**''. جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو انسان کے کسی وصف سے موصوف کرے وہ کافر ہے۔ کیا حرکت وسکون وجلوس انسان کے اوصاف و معانی سے نہیں؟ ضرور ہیں امام احمد بن حنبل نے آیت کریمہ: ''**وجاء ربک**'' کی تاویل میں فرمایا: ''**جاء ت قدرته**'' اللہ کی قدرت آئی کیا آپ کی یہ تاویل اس بات کی روشن دلیل نہیں کہ اللہ عزوجل حرکت وسکون اور تحیز فی العرش سے منزہ ہے اگر امام احمد بن حنبل کا یہ اعتقاد ہوتا کہ آیت کریمۃ میں مجی (آنا) اپنے ظاہر پر ہے اور رب کا آنا مراد ہے تو یہ تاویل نہ فرماتے کہ رب کی قدرت آئی بلکہ لفظ کو اس کے ظاہر پر باقی رکھتے جیسا کہ مشبہہ کا عقیدہ ہے کہ اگر حرکت وسکون انسان کے اوصاف معانی سے نہیں تو پھر انسان کے اوصاف ومعانی کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے بعض عالم مثلاً ہفت افلاک اور عرش کو ساکن رکھا اور بعض عالم مثلاً ستاروں کو دائمی حرکت میں رکھا اور بعض عالم مثلاً ملائکہ وانس وجن اور جانوروں اور چوپایوں کو کبھی حرکت اور کبھی سکون میں رکھا تو خالق عزوجل حرکت سکون میں سے کسی سے کیسے موصوف ہوسکتا ہے؟ اگر وہ ان سے موصوف ہے تو اس کے لیے امثال واشباہ ہوں گے اور یہ اللہ سبحانہ کے اس ارشاد پاک: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱] کے منافی ہے۔

احادیث شریفہ میں وارد صفات باری تعالیٰ کے متعلق ہمارے اسلاف کرام نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بلا کیف اسی طرح ہیں جیسا کہ وارد ہیں اس کا صاف اور واضح معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی یہ صفتیں مخلوق کی صفات کی طرح نہیں اور حرکت وسکون وغیرہ مخلوق کی صفات ہیں ان حضرات سلف کے قول: ''بلا کیف'' کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ سکون اور نقل وحرکت اللہ عزوجل کی صفتیں ہیں جیسا کہ بعض آیات اور احادیث کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے۔

امام بیہقی نے ''**الاسماء و الصفات**'' (ص / ۴۵۴-۴۵۵) میں حافظ ابوسفیان خطابی سے نقل

فرما کر ذکر فرمایا کہ:''حدیث نزول کی روایت کے وقت بعض حدیث ورجال کی معرفت رکھنے والے شیوخ محدثین سے ایسی لغزش ہوئی کہ وہ جادہ راہ سے منحرف ہو گئے، انھوں نے از خود یہ سوال قائم کر کے کہا کہ: اگر کوئی شخص یہ پوچھے ہمارا رب آسمان پر نزول فرماتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: وہ جیسا چاہے نزول فرماتا ہے، پھر اگر کوئی یہ کہے کہ کیا وہ نزول کے وقت حرکت فرماتا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا: اگر چاہے حرکت کرے اور اگر چاہے حرکت نہ کرے، یہ ان شیوخ محدثین کی انتہائی فحش لغزش ہے۔ اللہ عزوجل کی ذات حرکت سے بلند و بالا ہے اس لیے کہ حرکت وسکون کا وقوع ایک محل میں یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اور حرکت سے وہی موصوف ہوسکتا ہے جو سکون سے موصوف ہوسکتا ہے اور یہ دونوں چیزیں حوادث کے اعراض اور مخلوقین کے اوصاف سے ہیں اور اللہ تعالی ان دونوں سے برتر وبالا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱]''اس کی طرح کوئی چیز نہیں''۔ اگر یہ شیخ سلف صالح کے نقوش راہ کو مشعل راہ بناتے اور ان کی مراد ومنشا کے خلاف کسی گرداب میں نہ پھنستے تو ایسی فحش لغزش سرزد نہ ہوتی''۔

آپ نے (الاسماء والصفات ص۴۴۹) اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ [النحل-۱۶:۲۶] کے بارے میں فرمایا:''لم يرد به إتيان من حيث النقلة'' یعنی اس آیت پاک میں نقل و حرکت کے ذریعہ آنا مراد نہیں۔ اور حدیث نزول کے بارے میں فرمایا:''إنه ليس حركة ولا نقلة ، تعالى الله عن صفات المخلوقين''(الأسماء و الصفات ص ۴۴۹) کہ اس حدیث پاک میں نزول سے نقل وحرکت مراد نہیں کہ نقل وحرکت مخلوق کی صفت ہے، اللہ سبحانہ تعالی کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

آپ (امام بیہقی) نے اللہ عزوجل کے ارشاد پاک: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر-۸۹:۲۲) کے بارے میں فرمایا:

''والمجيئ و النزول صفتان منفيتان عن الله تعالى من طريق الحركة و الانتقال من حال الى حال، بل هما صفتان من صفات الله تعالى بل تشبيه، جل الله تعالى عما يقول المعطلة لصفاته و المشبهة بها علوا كبيرا'' (الأسماء

والصفات ص ۴۵٦)

ترجمہ:۔''مجی اور نزول (آنا اور اترنا) اللہ تعالی کی صفت ہیں مگر ایسی نہیں کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نقل وحرکت کرے بلکہ اللہ تعالی کی یہ دونوں صفتیں تشبیہ وتمثیل سے پاک ہیں معطلہ اور مشبہہ کی باتوں سے اللہ تعالی کی شان بہت ہی برتر وبالا ہے''۔

علامہ قرطبی نے (تفسیر قرطبی ص۴/۳۹۱) حدیث نزول اور اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا اسے ذکر کرنے کے بعد سورہ آل عمران کی آیت کریمہ:''**والمستغفرين با لأسحار**'' کے تحت فرمایا کہ:''اس سلسلہ میں بہتر بات وہ ہے جو کتاب نسائی میں بطریق تفسیر وارد ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ :رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''**إن الله عزوجل يمهل حتى يمضي شطر الليل الأول ثم يأمر مناديا فيقول هل من داع يستجاب له؟ هل من مستغفر يغفر له، هل من سائل يعطى**''. ترجمہ:۔''بے شک اللہ عزوجل رات کا پہلا حصہ گزرنے تک مہلت دیتا ہے پھر ایک منادی کو حکم فرماتا ہے، تو وہ کہتا ہے، ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشا جائے، ہے کوئی مانگنے والا جسے عطا کیا جائے''۔

اس حدیث کو ابو محمد عبد الحق نے صحیح کہا، اس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور احتمال واضح ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث نزل میں مضاف محذوف ہے یعنی''**ينزل ملك ربنا**'' یا کے ضمہ کے ساتھ وارد ہے جس سے مذکورہ کلام خوب واضح وروشن ہو جاتا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری (۳/۳۰) میں فرمایا کہ:''جو لوگ اللہ عزوجل کے لیے جہت بالا ثابت کرتے ہیں وہ اس سے دلیل لاتے ہیں اور جمہور جہت کے قائل نہیں اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ عزوجل حیز میں ہے، اللہ کی شان اس سے بلند وبالا ہے، اور نزول کے معنی میں مختلف اقوال وارد ہیں''۔

آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر بن فورک نے بیان فرمایا کہ بعض مشائخ نے مفعول (**ملكا**) محذوف مانا اور کہا کہ''یا'' کے ضمہ کے ساتھ''**ينزل ملكا**'' ہے یعنی رب تعالی فرشتہ کو نازل فرماتا ہے اور اس کی تائید اس روایت

سے ہوتی ہے جسے نسائی نے ابو ہریرہ وابوسعید رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا کہ: ''**إن اللــه يمهل شـطر الليل ثم يأمر مناديا يقول هل من داع فيستجاب له**'' (**الحديث**) بے شک اللہ عزوجل رات کا حصہ گزرنے تک مہلت دیتا ہے پھر ایک منادی کو حکم فرماتا ہے وہ کہتا ہے: ''ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو''۔

اور عثمان بن ابوالعاص کی حدیث میں ہے: ''**ينادي مناد هل من داع يستجاب له**''(**الحديث**) ایک منادی ندا کرتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ: ''اس سے اشکال رفع ہوجاتا ہے''۔

عثمان بن ابوالعاص کی حدیث امام احمد نے اپنی مسند (۲۲/۴) میں اس لفظ سے ذکر کیا: ''**ينـادي مـناد كـل ليـلة: هـل مـن داع فيسـتجـاب لـه، هـل من سائل فيعطى، هل من مستغفر فيغفرله حتى ينـفـجـر الفجر**'' ہر رات ایک منادی طلوع فجر تک یہ ندا کرتا ہے: ''ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو، ہے کوئی مانگنے والا جسے عطا کیا جائے، ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشا جائے۔ اور طبرانی نے بایں لفظ تخریج کی: ''**تـفتـح أبـواب السـمـاء نـصف الليل فينادي مناد: هل من داع فيستجاب له ، هل من سائل فيعطى، هل من مكروب فيفرج عنه**'' **الحديث** (**المعجم الكبير ۹/ ۵۱**)

نصف شب آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو ایک منادی ندا کرتا ہے: ''کیا کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول ہو، کیا کوئی مانگنے والا ہے جسے عطا کیا جائے، کیا کوئی غمزدہ ہے جس کا غم دور کیا جائے۔

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۵۳/۱۰) میں اس کے بعد کہا: ''**رواه الـطبـرانـي و رجـالـه رجـال الصحيح**'' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ بیضاوی کا یہ قول نقل فرمایا:

''**وقـال البيضاوي لما ثبت با لقواطع أنه سبحانه منزه عن الجسمية و التحيز امتـنع عليه النزول على معنى الانتقال من موضع إلى موضع أخفض منه**''(فتح

الباری ۳/۳۱)

علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ: جب قطعی دلیلوں سے یہ بات ثابت ہے کہ: ''اللہ سبحانہ جسم ہونے اور حیز میں ہونے سے منزہ ہے تو اس کے حق میں نزول کا یہ معنی محال ہے کہ ایک جگہ سے اس سے پست جگہ کی طرف منتقل ہو''۔

اور امام بیہقی نے مناقب احمد میں فرمایا کہ: ''حاکم نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا ہم سے ابو عمرو بن سماک نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ: حنبل بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ: میں نے اپنے چچا ابو عبداللہ احمد سے یہ فرماتے سنا کہ: امیر المومنین کے در دولت پر جس دن مناظرہ ہوا اس روز ان لوگوں نے میرے خلاف دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ: قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورہ تبارک آئیں گے تو میں نے انھیں جواب دیا کہ :إنما هو الثواب ، قال الله تعالى : ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ﴾ (الفجر-۸۹:۲۲) إنما يأتي قدرته وإنما القرآن أمثال و مواعظ''. (ابن کثیر نے اپنی تاریخ (۱۰/۳۲۷) میں اسے نقل کیا) ان سے ان کا ثواب آنا مراد ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور تمہارا رب آئے گا'' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی قدرت آئے گی اور قرآن صرف مثلوں اور نصیحتوں کا مجموعہ ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ: کتاب اللہ میں جہاں رب تعالی کے آنے اور حدیث پاک میں جہاں رب تعالی کے نازل ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ عزوجل اجسام کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کیوں کہ جب لوگوں نے یہ خیال کیا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام اور اس کی ذاتی صفت ہوتو اس پر مجي واتیان (آنا) کا اطلاق جائز نہ ہوگا تو ابو عبداللہ احمد نے انھیں یہ جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس روز انھیں قرآن کی تلاوت کا ثواب حاصل ہوگا اور قیامت کے دن اسی کا اظہار ہوگا تو ثواب تلاوت کے اظہار کی تعبیر اس کے آنے سے کی گئی۔

اور حافظ ابن جوزی حنبلی نے اپنی تفسیر زاد المسیر میں امام احمد سے یہ نقل کیا کہ آپ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ﴾ [النحل-۱۶:۳۳] کی یہ تفسیر فرمائی

کہ رب تعالی کا حکم آئے گا اور قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوا کرتی ہیں۔(زادالمسیر (۲۲۵/۱)اور اللہ تعالی کا ارشاد: ﴿وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَآ أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ أَقُلْ لَّكُمَآ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَآ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [الاعراف-۷:۲۲]

امام نسائی کی اس روایت کی صحت کی دلیل ہے:''إن الله عزوجل يمهل حتى يمضي شطر الليل الأول ثم يأمر مناديا''(أخرجه النسائي في سنن الكبرى: عمل اليوم و الليلة: باب الوقت الذي يستحب فيه الاستغفار)

اسی ابن تیمیہ نے اپنی بعض تصانیف میں یہ لکھا کہ:

''أن الله تعالى بقدر العرش لا أكبر منه ولا أصغر ''.

''اللہ تعالی بقدر عرش کے ہے نہ اس سے بڑا اور نہ چھوٹا'' ۔

علامہ تقی الدین سبکی ''الدرة المضیئة'' میں اس کے تفردات وضلالات کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ابن تیمیہ نے اصول عقائد میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں، اسلام کے ستونوں میں سے ارکان ومعاقد توڑ ڈالے پہلے وہ کتاب وسنت کی آڑ میں چھپ کر خود کو حق کا داعی اور جنت کی طرف ہادی ظاہر کرتا تھا، پھر اتباع سے ابتداع (نئی چیز پیدا کرنا) کی طرف نکلا اور اجماع مسلمین کی مخالفت کر کے جماعت مسلمین سے نکل گیا اور اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں ایسے امر کا قول کیا جو اس کی جسمیت وترکیب کا مقتضی ہے اور صاف تصریح کی کہ اللہ عزوجل کا حیز کا محتاج ہونا محال نہیں، حوادث اللہ تعالی کی ذات میں حلول کرتے ہیں، قرآن محدث ہے جس کا اللہ نے تکلم کیا، اس کے بعد کہ اس نے اس کا تکلم نہ کیا تھا، وہ کلام کرتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے، ارادے اس کی ذات میں بحسب مخلوقات حادث ہیں، اس نے قدم عالم کا قول کرتے ہوئے یہ کہا کہ: مخلوقات وحوادث کی ابتدا نہیں، اس طرح اس نے صفات قدیمہ کو

حادث اور مخلوق حادث کو قدیم ثابت کیا، کسی دین اور مذہب نے ان دونوں قولوں کو جمع نہ کیا جس کے سبب وہ امت کے تہتر فرقوں میں سے کسی میں داخل نہ رہا''۔

علامہ تقی الدین سبکی نے حرف بحرف سچ فرمایا اس لیے کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب شرح حدیث نزول میں کہا:

''و أما الشرع فمعلوم أنه لم ينقل عن أحد من الأنبياء و لا الصحابة ولا التابعين ولا سلف الأمة أن الله جسم أو أن الله ليس بجسم ، بل النفي والإثبات بدعة في الشرع ''. (شرح حدیث النزول ص/۸۰)۔

اور اپنی کتاب الموافقہ میں کہا:

''وكذالك قوله: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الشوریٰ-۴۲: ۱۱] و قوله: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ [مريم-۱۹:۶۵] ونحو ذلك فإنه لا يدل على نفي الصفات بوجه من الوجوه بل ولا على نفي ما يسميه أهل الاصطلاح جسما بوجه من الوجوه .''الموافقة (۱/۶۲).

اور اسی طرح اللہ کا ارشاد: ''اس کی طرح کوئی چیز نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے'' اور اس کا ارشاد: ''کیا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو'' اور اس طرح کی آیتیں کسی طرح صفات کی نفی کی دلیل نہیں اور لوگ اپنی اصطلاح میں جسے جسم کہتے ہیں کسی طرح اس کی بھی نفی ان آیتوں سے معلوم نہیں ہوتی۔

نیز اسی الموافقہ میں کہا:

''و أما ذكر التجسيم و ذم المجسمة فهذا لا يعرف في كلام أحد من السلف و الأئمة كما لا يعرف في كلامهم أيضاً القول بأن الله جسم أو ليس بجسم، بل ذكروا في كلامهم الذي أنكروه على الجهمية نفي الجسم كما ذكره أحمد في كتاب الرد على الجهمية''.الموافقة (۱/۱۴۸).

تجسیم کا ذکر اور مجسمہ کی مذمت سلف اور ائمہ کے کلام سے معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ ان کے کلام سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ انھوں نے یہ کہا ہو کہ اللہ جسم ہے یا جسم نہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے کلام میں وہی ذکر کیا جسے مجسمہ کے رد میں ذکر کیا جیسا کہ احمد نے اپنی کتاب " **الرد علی الجهمیه**" میں ذکر کیا۔

اور اپنی کتاب منہاج میں کہا:

"وقد یراد بالجسم ما یشار إلیه،أو ما یری أو ما تقوم به الصفات، والله تعالی یری فی الآخرة و تقوم به الصفات ویشیر إلیه الناس عند الدعاء بأیدیهم وقلوبهم ووجوههم و أعینهم، فإن أراد بقوله: لیس بجسم هذا المعنی و قیل له : هذا المعنی الذي قصدت نفیه بهذا اللفظ معنی ثابت بصحیح المنقول و صریح المعقول، وأنت لم تقم دلیله علی نفیه". المنهاج(۱/۱۸۰)

اور کبھی جسم سے ایسا معنی مراد ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جائے یا جسے دیکھا جائے یا جس کے ساتھ صفات قائم ہوں، اور آخرت میں اللہ تعالی کا دیدار ہوگا لوگ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں اور دلوں اور چہروں اور آنکھوں سے اس کی طرف اشارہ کریں گے، تو اگر قائل اللہ عزوجل سے جسم کے اس معنی کی نفی کرے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ: نقل صحیح اور عقل صریح سے جسم کا وہ معنی ثابت ہے جس کی تم نفی کر رہے ہو اور تمہارے پاس نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

اور مجموعۂ فتاوی میں کہا:

" ثم لفظ التجسیم لایوجد في کلام أحد من السلف لا نفیا ولا إثباتافکیف یحل أن یقال : مذهب السلف نفي التجسیم أو إثباته". مجموعۂ فتاوی (۱۵۲/۴)

کہ سلف کے کلام میں کہیں بھی تجسیم کا لفظ بطور نفی یا اثبات موجود نہیں، تو کیوں کر یہ کہنا روا ہوگا کہ سلف کا

مذہب تجسیم کی نفی یا اس کا اثبات ہے۔

اور اپنی کتاب "بیان تلبیس الجهمية" میں کہا:

" وليس في كتاب الله ولا سنة رسوله ولا قول أحد من سلف الأمة وأئمتها أنه ليس بجسم، وأن صفاته ليست أجساما وأعراضا، فنفي المعاني الثابتة بالشرع والعقل بنفي ألفاظ لم ينف معناها شرع ولا عقل جهل وضلال". (۱/۱۵۲)

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور امت کے سلف اور اس کے ائمہ کے کلام میں کہیں یہ نہیں کہ اللہ جسم نہیں، اور اس کی صفتیں اجسام و اعراض نہیں، تو شرع اور عقل نے جن الفاظ کے معنی کی نفی نہ کی ان الفاظ کی نفی کرنا عقل و شرع سے ثابت شدہ معانی کی نفی کرنا ہے جو جہالت اور گمرہی ہے۔

اور "شرح حديث النزول" میں کہا:

" وأما الشرع فمعلوم أنه لم ينقل عن أحد من الأنبياء ولا الصحابة ولا التابعين ولاسلف الأمة أن الله جسم أو أن الله ليس بجسم، بل النفي و الإثبات بدعة في الشرع"(ص/۸۰)

اور رہا شرع تو یہ معلوم ہے کہ انبیا اور صحابہ اور تابعین اور سلف امت میں کسی سے کہیں یہ منقول نہیں کہ اللہ جسم ہے یا یہ کہ اللہ جسم نہیں، بلکہ نفی اور اثبات شرع میں بدعت ہے۔

ابن تیمیہ نے امام فخر الدین رازی کی کتاب "**أساس التقديس**" کے رد میں " **التاسيس في رد أساس التقديس**"، تحریر کی جو غیر مطبوع ہے اور ظاہر یہ دمشق میں "**الكوكب الدراري لابن زكنون الحنبلي** کی مجلد رقم ۲۵ کے ضمن میں محفوظ ہے۔ علامہ کوثری نے " **تكملة الرد**" میں ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

"فمن المعلوم أن الكتاب والسنة والإجماع لم ينطق بأن الأجسام كلها

محدثة وأن الله ليس بجسم ولاقال ذلک إمام من أئمة المسلمين فليس في تركي لهذا القول خروج عن الفطرة ولاعن الشريعة" (تکملۃ الرد ص۴۰)

ترجمہ:۔"یہ معلوم ہے کہ کتاب وسنت واجماع نے یہ نہ کہا کہ تمام اجسام حادث ہیں اوراللہ جسم نہیں اورائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے بھی یہ نہ کہا، اس لیے میرا اس قول کو ترک کرنا شریعت وفطرت سے خروج نہیں"۔

اسی تکملۃ الرد میں علامہ کوثری نے ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے یہ عبارت بھی تحریر کی:

"قلتم ليس هو بجسم ولاجوهر ولامتحيز ولافي جهة ولايشار إليه بحس ولايتميز منه شيء من شيء وعبرتم عن ذلک بأنه تعالى ليس بمنقسم ولامركب وإنه لاحد له ولاغاية تريدون بذلک أنه يمتنع عليه أن يكون له حدوقدر أويكون له قدر لا يتناهى، فكيف ساغ لكم هذا النفي بلا كتاب ولاسنة" (تكملة الرد ص ۴۰)

یعنی تم نے یہ کہا کہ خدا جسم نہیں اور نہ وہ جوہر ہے اور نہ متحیز ہے، اور نہ کسی جہت میں ہے اور اس کی طرف اشارۂ حسیہ نہیں کیا جاسکتا اور اس سے ایک شي دوسری شي سے متمیز نہیں ہوسکتی، تم نے اس کی یہ تعبیر کی کہ وہ نہ مرکب ہے اور نہ منقسم اور اس کی کوئی حد وغایت نہیں، تم لوگ اس سے یہ مراد لیتے ہو کہ حد ومقدار غیر متناہی اس کے حق میں محال ہے، کتاب وسنت کے بغیر ان چیزوں کی نفی تمہارے لیے کیوں کر جائز ہوگی۔

اسی تکملۃ الرد میں ابن تیمیہ کی کتاب مذکور کی یہ عبارت بھی مذکور ہے:

" إن العرش في اللغة السرير،وذلک بالنسبة إلى ما فوقه كالسقف بالنسبة إلى ماتحته فإذا كان القرآن جعل لله عرشا، وهو بالنسبة إليه كالسقف علم أنه بالنسبة إليه كالسرير بالنسبة إلى غيره وذلک يقتضي أنه فوق

العرش."(تکملۃ الردص۷۹)

ترجمہ:۔"لغت میں عرش کا معنی تخت ہے اور عرش اپنے مافوق کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسا کہ چھت اپنے ماتحت کے اعتبار سے ہے۔پھر جب قرآن سے اللہ کے لیے ایک عرش ثابت ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف چھت کی طرح ہے تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ عرش کی نسبت اللہ کی طرف ایسے ہی ہے جیسا کہ چھت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہے اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ عرش کے اوپر ہے"۔

نیز اسی تکملہ الردص۱۱۵پر ابن تیمیہ کی اسی کتاب مذکور کی یہ عبارت تحریر ہے:

" لوشاء لاستقر على ظهر بعوضَة فاستقلت به بقدرته فكيف على عرش عظيم"

ترجمہ:۔"اگر خدا چاہے تو ایک مچھر کی پیٹھ پر بیٹھ جائے اور وہ مچھر اللہ کو اپنی قدرت سے اٹھائے تو عرش عظیم پر اس کا استقرار کیوں نہ ہوگا اور وہ اللہ کو کیوں نہ اٹھا سکے گا"۔

اسی تکملۃ الردص:۸۷و۸۸پر ابن تیمیہ کی کتاب "التاسيس في رد أساس التقديس" کی یہ عبارت بھی تحریر ہے:

" والباري سبحانه وتعالى فوق العالم فوقية حقيقية ليست فوقية الرتبة كماأن التقدم على الشيء قد يقال إنه بمجرد الرتبة كمايكون بالمكان مثل تقدم العالم على الجاهل وتقدم الإمام على الماموم فتقدم الله على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو قبلية حقيقية وكذلک العلو على العالم قديقال إنه يكون بمجرد الرتبة كمايقال العالم فوق الجاهل، علوا لله تعالى على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو عال عليه علوا حقيقيا وهو العلو المعروف والتقدم المعروف".

ترجمہ:۔''اور باری سبحانہ وتعالی عالم کے اوپر ہے اس کی یہ فوقیت حقیقی ہے رتبی نہیں، جیسا کہ کسی چیز پر مقدم ہونے کو کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محض رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے جیسا کہ تقدم مکان کے لحاظ سے بھی ہوا کرتا ہے مثلا عالم کا تقدم جاہل پر اور امام کا تقدم مقتدی پر تو اللہ عالم پر محض رتبہ کے لحاظ سے مقدم نہیں بلکہ یہ تقدم اور قبلیت حقیقیہ ہے اور اسی طرح عالم پر علو کبھی محض رتبہ کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:''**العالم فوق الجاهل**'' اور عالم پر اللہ کا علو محض رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ علو حقیقی کے لحاظ سے عالم پر بلند اور عالی ہے اور یہی علو اور تقدم مشہور ومتعارف ہے''۔

علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ حافظ ابوحیان اندلسی نے اللہ تعالی کے ارشاد:﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضَ﴾ [البقرہ-۲: ۲۵۵] کی تفسیر میں کہا: میں نے اپنے ہم عصر ابن تیمیہ کی خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب پڑھی جس کا نام ''کتاب العرش'' ہے اس کتاب میں اس نے یہ لکھا:

''**إن الله يجلس على الكرسي وقد أخلى منه مكانا يقعد معه فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم**''. تکملۃ الرد(ص/۸۵)

ترجمہ:۔''تحقیق اللہ کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس نے کچھ جگہ خالی رکھی ہے وہاں وہ رسول اللہ کو اپنے ساتھ بیٹھائے گا''۔

نیز لکھا:

''**فقد حدث العلماء المرضيون و أوليائه المقربون أن محمدا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يجلسه ربه على العرش معه**''. انظر فتاواہ(۴/۳۷۴)

مقربان بارگاہ اولیا وعلما نے یہ بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ان کا رب اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

ملا کاتب چلپی استنبولی (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''کشف الظنون'' میں ''کتاب

العرش وصفته" کے تحت لکھا کہ: احمد ابن تیمیہ نے اس نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ کرسی پر بیٹھتا ہے اس نے کچھ جگہ خالی چھوڑ رکھی ہے جہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھائے گا" ابوحیان نے **النہر الماد من البحر** میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد: "**وسع کرسیه السمٰوٰت**" کے تحت ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: میں نے احمد بن تیمیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب "کتاب العرش" میں اس کا یہ کلام پڑھا ہے۔

ان شہادتوں کے پیش کرنے سے میرا مقصود یہ واشگاف کرنا ہے کہ ابن تیمیہ کا دامن تجسیم کے ناپاک عقیدہ سے پاک نہیں، ابن تیمیہ کے انھیں باطل عقائد وافکار کے سبب اس کے مداح علما اس کے مخالف بن گئے، شیخ ابوحیان پہلے ابن تیمیہ کی بے پناہ تعظیم کرتے مگر جب اس کی "کتاب العرش" کا پتہ لگا تو تادم وصال اس پر لعنت کرتے رہے۔ خاتم الفقہا والمحدثین علامہ احمد شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی نے **فتاوی حدیثیہ** ص ۸۶ پر تحریر فرمایا:

"ابن تیمیہ وہ بندہ ہے جسے اللہ نے ذلیل وخوار، گمراہ، اندھا اور بہرا کر دیا۔ اس کے احوال کا فساد بیان کرنے والے اور اس کے اقوال کی تکذیب کرنے والے ائمہ نے اس بات کی صاف تصریح فرمائی"

ابن تیمیہ کا یہ عقیدہ اہل حق کے عقیدہ کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل جسم وجہت، مکان وکیفیت اور تحیز وتمکن وحلول وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے۔ جیسا کہ امام علی بن حسین زین العابدین فرماتے ہیں:

"**سبحانک لا تحس ولا تمس ولا تجس**"۔ (اتحاف السادۃ المتقین لمرتضی الزبیدی، ۳۸۰/۴)

تیری ارفع واعلیٰ ذات احساس اور چھونے اور ٹٹولے جانے سے پاک ومنزہ ہے۔

بدرالدین بن جماعہ نے اپنی کتاب "**إيضاح الدليل في قطع حجج أهل التعطيل**" میں فرمایا:

"اعلم أن النزول الذي هو الانتقال من علو إلى سفل لايجوز حمل الحديث عليه لوجوه"(ص/۱۶۴)

یہ حقیقت واضح رہے کہ حدیث پاک میں جونزول کا لفظ آیا ہے اسے بلندی سے پستی کی طرف انتقال کے معنی پر محمول کرنا چندوجہوں سے ناجائز ہے۔

اورحافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں علامہ بیضاوی کا قول نقل فرماتے ہوئے فرمایا کہ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

" ولما ثبت بالقواطع أنه سبحانه منزه عن الجسمية و التحيز امتنع عليه النزول على معنى الانتقال من موضع إلى موضع أخفض منه."(۳۱/۳)

جب قطعی دلیلوں سے یہ حقیقت ثابت ہوچکی ہے کہ اللہ سبحانہ جسم اور حیز میں ہونے سے پاک ہے تو اس کی ذات پرنزول کا ایسا معنی محال ہے جس میں کسی جگہ سے اس سے پست مقام کی طرف انتقال ہو۔

امام اجل، حجۃ الاسلام ابوجعفر احمد طحاوی حنفی (متوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

" تعالى عن الحدود والغايات والأركان والأعضاء والأدوات ولا تحويه الجهات الست". (عقیدۂ طحاویہ ص۴ مطبوعہ قاسمیہ دیوبند)

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ حدودوغایات ،ارکان واعضااورادوات سے پاک برتر وبالا ہے جہات ستہ کے احاطہ سے پاک ومنزہ ہے"۔

امام ابوالقاسم قشیری شافعی (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے مشہور رسالہ (مطبوعہ مصر ص ۷) میں فرماتے ہیں:

" ولا يتقدرفي العقول ولاله جهة ولامكان ولايجري عليه وقت وزمان".

ترجمہ:۔"عقلوں میں اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کے لیے جہت ہے نہ مکان اور نہ اس پر وقت جاری ہوتا ہے اور نہ زمان"۔

امام حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالی شافعی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

" نـدعي أنه ليس في جهة مخصوصة من الجهات الست" (الاقتصاد في الاعتقاد، مطبوعہ مصر (ص۲۲)

ترجمہ:۔"ہم اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل شش جہات میں سے کسی خاص طرف وجہت میں نہیں"۔

سلطان الاسلام شیخ عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) حنابلہ کے استفتا کے جواب میں امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ کا عقیدہ نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" ليـس بـجسم مصور ولا جوهر محدود مقدر ولا يشبه شيئا، ولا يشبهه شيء ولا تحيط به الجهات". (طبقات الشافعیۃ الکبری للتاج السبکي جزء خامس ص ۶۶)

ترجمہ:۔"اللہ تعالی جسم مصور نہیں اور نہ جوہر محدود ومقدر ہے وہ کسی شي کی مثل نہیں اور نہ کوئی شي اس کی مثل ہے وہ جہات کے احاطہ سے برتر وبالا ہے"۔

علامہ قاضی عضدالدین عبدالرحمٰن (متوفی ۷۵۶ھ) مواقف میں لکھتے ہیں:

" الـمقصد الأول أنه تعالى ليس في جهة ولا في مكان وخالف فيه المشبهة وخصصوه بجهة الفوق".

ترجمہ:۔"پہلا مقصد: اللہ تعالی کسی جہت اور مکان میں نہیں، مشبہہ نے اس بارے میں مخالفت کی ہے اور اللہ عزوجل کو جہت فوق کے ساتھ خاص کیا ہے"۔

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی شافعی (۷۹۲ھ) نے اپنی مشہور ومتداول کتاب شرح عقائد نسفی میں فرمایا:

" وإذا لـم يـكـن فـي مكان لم يكن في جهة لا علو وسفل ولا غيرهما لأنها إما حـدود وأطـراف لـلأمـكـنة أو نـفــس الأمـكنة باعتبار عروض الإضافة إلى شيء". (شرح عقائد ص ۶۰ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔''اور جب باری تعالیٰ کسی مکان،فوق وتحت اوران کے علاوہ کسی جہت میں نہیں اس لیے کہ یہ جہتیں یا تو مکان کے حدودواطراف ہیں یاجہات ستہ خود مکانات ہیں کسی شي کی طرف اضافت عارض ہونے کے لحاظ سے''۔(مثلا دومکانوں کے درمیان بناہوا مکان اپنے ماتحت کےاعتبار سےعلواوراپنے مافوق کےاعتبار سےتحت ہے)

مواقف وشرح مواقف میں آخر کتاب فذلکۂ عقائداہل سنت میں ہے:

" الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة فقد أجمعوا على حدوث العالم ووجود الباري تعالى وأنه لاخالق سواه، وانه قديم ليس في حيزولاجهة ولايصح عليه الحركة والانتقال ولاالجهل ولاالكذب ولاشيء من صفات النقص".

ترجمہ:۔''فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کااس بات پراجماع ہے کہ عالم حادث ہےاور باری تعالیٰ موجود ہےاوراس کے علاوہ کوئی خالق نہیں،وہ قدیم ہے کسی حیزاور جہت میں نہیں اس پر حرکت وانتقال جہل وکذب اورعیب ونقص کی کوئی صفت صحیح نہیں''۔

علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف قدسی شافعی (متوفی ۹۰۵ھ) کتاب المسامرہ في شرح المسایرۃ (مطبوعہ مصرص۲۹) میں فرماتے ہیں:

''(الأصل السابع أنه تعالى ليس مختصا بجهة) أي ليست ذاته المقدسة في جهة الجهات الست ولافي مكان من الأمكنة (لأن الجهات) الست (التي هي الفوق والتحت واليمين إلى اٰخرها) أي والشمال والأمام والخلف (حادثة بإحداث الإنسان ونحوه مما يمشي على الرجلين)''

ترجمہ:۔''(اصل سابع:اللہ تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مختص نہیں)یعنی اس کی مقدس ذات چھ جہتوں میں سے کسی جہت اورمکان میں نہیں(کیوں کہ جہات)ستہ (فوق تحت یمین

الخ)یعنی دائیں بائیں اورآگے پیچھے''(انسان وغیرہ دوپاؤں پر چلنے والوں کے حادث کرنے سے حادث ہیں)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا:

"فمعتقد سلف الأئمة و علماء السنة من الخلف أن الله منزه عن الحركة و التحول و الحلول، ليس كمثله شيء.(۱۲۴/۷).

ائمہ سلف و علمائے خلف کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ عزوجل حرکت وانتقال اور حلول سے پاک ہے اس کی طرح کوئی شی نہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالی عنہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) اپنے مکتوبات (دفتر دوم مکتوب شست وہفتم) میں فرماتے ہیں:

" او تعالى ازصفات ولوازم جواهرواجسام واعراض منزه است اززمان ومكان وجهت در حضرت او تعالى گنجائش نيست اين همه مخلوق اوند".

ترجمہ:۔''اللہ تعالی جواہرواجسام واعراض کے لوازم وصفات سے پاک ومنزہ ہے اس کی بلند بارگاہ میں زمان ومکان کی گنجائش نہیں کہ یہ سب اس کی مخلوق ہیں''۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی اپنی کتاب تکمیل الایمان (مطبوعہ مطبع محمدی کان پور ص۴) میں لکھتے ہیں:

" ولا محدود ولافي جهة ولافي مكان ولافي زمان ".

یعنی اللہ سبحانہ کسی حد، جہت، مکان اور زمان میں نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی حنفی (متوفی ۱۲۳۹ھ) تحفۂ اثناعشریہ (مطبوعہ نول کشور ص۱۴۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

''عقیدہ سیزدہم آں کہ حق تعالی رامکان نیست و اورا جہتے ازفوق وتحت متصورنیست وہمیں است مذہب اہل سنت و جماعت''، تیر[۱۳]ہواں عقیدہ اللہ تعالی کا کوئی مکان نہیں اور اس کے لیے فوق وتحت میں سے کوئی جہت متصورنہیں، یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے''۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اوراسی طرح جہت اللہ کے حق میں محال ہے اس لیے کہ جہت کے ساتھ مختص ہونے کا معنی ایک معین حیز کے ساتھ خاص ہونا ہے اور یہ بے شک باطل ہے اس لیے کہ جوہریت اور جسمیت اللہ تبارک وتعالی کے حق میں باطل ہے۔اب اگر جہت سے اس معنی کے سوا دوسرا معنی مراد ہے جس میں حیز میں حلول اور جسمیت نہ ہوتو بیان کیا جائے تا کہ اس میں نظر کی جائے آیا وہ معنی اللہ تبارک وتعالی کو ایسی بات سے منزہ ماننے کی طرف رجوع کرتا ہے جو باری تعالی کے شایان شان نہیں، (اگر ایسا ہے) تو قائل کو جہت سے تعبیر میں خطا کار جانیں گے اس لیے کہ وہ (تعبیر) اس بات کا ایہام رکھتی ہے جو اللہ کے لائق نہیں اور اس لیے کہ یہ تعبیر دین میں وارد نہیں، یا جہت کے اطلاق کا مرجع تنزیہ کی طرف نہیں تو اس صورت میں اس کے قائل سے اور دوسروں سے اس قول کا فساد بیان کیا جائے گا گمراہی سے بچانے کے لیے''۔

اور اگر یہ کہا جائے پھر دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں حالاں کہ آسمان بلندی کی سمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: آسمان دعا کا قبلہ ہے جس کی طرف ہاتھوں سے توجہ کی جاتی ہے جس طرح کعبہ نماز کا قبلہ ہے جس کا سینے اور چہرے سے استقبال کیا جاتا ہے اور نماز میں معبود اور دعا میں مقصود خدائے تعالی ہے کعبہ اور آسمان میں حلول سے منزہ ہے۔

رب تبارک وتعالی کے حق میں جہت ماننے والا ایک قول پر کافر ہے۔اور ایک قول پر کافر نہیں۔اور اس

دوسرے قول کونووی نے اس شرط سے مقید کیا کہ اس کا قائل عامی ہو''۔ (المعتقد المنتقد ص ۱۸۷ و ۱۸۸)

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''حاشا اللہ یہ ہرگز عقیدہ اہل سنت کا نہیں وہ مکان و تمکن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ، عرش و فرش سب حادث ہیں اور وہ قدیم ازلی ابدی سرمدی، جب تک یہ کچھ نہ تھے کہاں تھا، جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے، اور جیسا اب ہے ویسا ہی ابد الآباد تک رہے گا، عرش و فرش سب متغیر ہیں، حادث ہیں، فانی ہیں، اور وہ اور اس کی صفات تغیر و حدوث وفنا سب سے پاک، استوا پر اجماع نقل کرنے کی کیا حاجت خود رحمٰن عزوجل فرماتا ہے:

﴿ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ [طہ-۲۰:۵]

ترجمہ:۔''وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استوا فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے''۔

مگر اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ان کے رب عزوجل نے راسخین فی العلم کو تعلیم فرمایا:

﴿ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ ﴾ [آل عمران-۳:۷]

ترجمہ:۔''اور وہ پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے''۔

اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

''والاستواء معلوم، والكيف مجهول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة''

ترجمہ:۔''استوا معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور اس پر ایمان واجب اور اس کی تفتیش گمراہی ہے''۔

(فتح الباری کتاب التوحیدباب قوله :وكان عرشه على الماء مصطفیٰ البابی مصر ۱۷۷/۱۷)

اہل سنت کے دومسلک آیات متشابہات میں ہیں:

(۱) سلف صالح کا مسلک **تفویض** کا: ہم نہ ان کے معنی جانیں نہ ان سے بحث کریں جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے وہ قطعا مراد نہیں اور جو کچھ ان کے رب عزوجل کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے ﴿آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ ہم سب اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

(۲) دوسرا مسلک **متاخرین** کا: کہ حفظ دین عوام کے لیے معنی محال سے پھیر کر کسی قریب معنی صحیح کی طرف لے جاتے مثلا استوا بمعنی استیلا بھی آتا ہے ؎

قد استوی بشر علی العراق　　　من غیر سیف دم مهراق

(یقیناً بشر عراق پر غالب آ گیا تلوار کے ساتھ خون بہائے بغیر)

مگر یہ مسلک باطل کہ آیات معیت تو تاویل پر محمول ہیں اور آیات استوا ظاہر پر مگر یہ ہرگز مسلک اہل سنت نہیں، عرش پر ہے دوسری جگہ نہیں یہ صاف تمکن کو بتا رہا ہے، عرش پر معاذ اللہ اس کے لیے جگہ ثابت کی جب تو اور مکانات کی نفی کی۔ عالمگیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقۂ ندیہ، تاتارخانیہ، خلاصہ، جامع الفصولین، خزانۃ المفتین وغیرہا میں تصریح ہے کہ رب عزوجل کے لیے کسی طرح کسی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے، متاخرین حنابلہ میں بعض خبثا مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ وابن قیم۔ ابن تیمیہ کہتا ہے کہ: میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ اللہ ضرور کسی جگہ ہے اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی۔ جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا۔ وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا، یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہو سکتا تو جگہ کا محتاج ہوا اور جو جگہ کا محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃ ان پر انکار خدا ہی لازم ہے ایسے عقیدے والے کے پیچھے نماز ممنوع

و ناجائز ہے''۔(فتاوی رضویہ ۱۱/۴۹، رضا اکیڈمی ممبئی)

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ''**قوارع القهار علی المجسمة الفجار**'' میں اس مسئلہ کی کامل تحقیق فرمائی اور اللہ عزوجل کی تنزیہ میں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقصان سے پاک ہے۔

(۲) وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آ سکتا ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہو جائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اسے مقدار عارض نہیں کہ اتنا یا اتنا کہہ سکیں لمبا یا چوڑا یا دلدار موٹا یا پتلا یا بہت تھوڑا یا ناپ یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزہ ہے پھیلا، یا سمٹا، گول یا لمبا تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا، یا کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد و طرف و نہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نا محدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے غرض نا محدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس سے اجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یوں جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اٹھنے بیٹھنے، اترنے چڑھنے، چلنے ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم وجسمانیات سے منزہ ہے محل تفصیل میں عقائد تنزیہہ بے شمار ہیں یہ ۱۵/ پندرہ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اور ان کے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدۂ اولی ہے کہ تمام مطالب تنزیہہ کا حاصل وخلاصہ ہے ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی آیات تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں:

وقال تعالی: ﴿ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ﴾ [الحشر-۵۹:۲۳]

ترجمہ:۔ بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔

وقال تعالی: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ [آل عمران-۳:۹۷]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

وقال تعالی: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴾ [لقمان-۳۱:۱۲]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ہی بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا ہوا۔

وقال تعالی: ﴿ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱]

ترجمہ:۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

وقال تعالی: ﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴾ [مریم-۱۹:۶۵]

ترجمہ:۔ کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی۔

وقال تعالی: ﴿ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴾ [اخلاص-۱۱۲:۴]

ترجمہ:۔ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔

ان سب مطالب کی آیات صدہا ہیں یہ آیات محکمات نہیں، یہ ام الکتاب ہیں ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلا دقت واشکال نہیں، جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغییر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریات دین اسلام سے ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۰ تا ۲۲۱ رسالہ قوارع القھار علی المجسمة الفجار رضا اکیڈمی ممبئی)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس غامض مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: قرآن عظیم کی آیتیں دو قسم کی ہیں: (۱) محکمات جن کے معنی صاف بے دقت ہیں جیسے اللہ کی پاکی وبے نیازی وبے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔اور (۲): متشابہات جن کے معنی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا جیسے حروف مقطعات ''الٓـمٓ'' وغیرہ یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے جیسے ''الرحمٰن علی العرش استوی'' یا ''ثم استوی علی العرش'' جن دلوں میں کجی وگمراہی تھی وہ دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا، انھیں کو قرآن مجید نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ [آل عمران-۳:۷] ان کے دل پھرے ہوئے ہیں۔

اور جو لوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے وہ سمجھے کہ آیات محکمات سے قطعا ثابت ہے کہ اللہ تعالی مکان وجہت وجسم واعراض سے پاک ہے، بیٹھنے چڑھنے سے منزہ ہے کہ یہ سب باتیں اس بے عیب کے حق میں عیب ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک ہے، ان میں اللہ عزوجل کے لیے اپنے مخلوق ''عرش'' کی طرف احتیاج نکلے گی اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے، ان میں مخلوق سے مشابہت ثابت ہوگی کہ اٹھنا بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا، ٹھہرنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہت خلق سے پاک ہے تو قطعاً یقیناً ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں ہرگز مراد نہیں پھر آخر معنی کیا لیں اس میں یہ ہدایت والے دو روش ہو گئے:

اکثر نے فرمایا: جب یہ ظاہری معنی قطعا مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعین ومحدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں۔ یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں ہمیں ہمارے رب نے آیات متشابہات کے پیچھے پڑنے سے

منع فرمایا اور ان کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں، اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ ’’امنا بہ کل من عند ربنا‘‘ جو کچھ ہمارے مولیٰ کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے، محکم متشابہ یہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے اور یہی اسلم واولی ہے اسے مسلک تفویض وتسلیم کہتے ہیں، ان ائمہ نے فرمایا کہ: استوا معلوم ہے کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کیف مجہول ہے کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراہیں اور ایمان اس پر واجب ہے کہ نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور سوال اس سے بدعت ہے کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیین مراد کی طرف راہ نہیں۔

اور بعض نے خیال کیا کہ: جب اللہ عز وجل نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو ’’ھن أم الکتاب‘‘ فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیت کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود بتادی اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھادی کہ ان میں وہ درست وپاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں اور فتنہ وضلال و باطل ومحال راہ نہ پائیں یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کر سکتے کہ اللہ عز وجل کی یہی مراد ہے مگر جب معنی صاف وپاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری ومنزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں گی کہ ان کے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی ’’إن ابن اٰدم لحریص علی مامنع‘‘ اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے، گمراہی میں گریں گے تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب وملائم معنی کی طرف کہ ’’محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں‘‘ پھیر دی جائیں کہ فتنہ اور ضلال سے نجات پائیں یہ مسلک بہت سے علمائے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے ہیں یہ علما بوجوہ کثیرہ تاویل آیت فرماتے ہیں ان میں چار[۴] وجہیں نفیس وواضح ہیں‘‘۔(ملخصاً فتاوی رضویہ ۲۲۲/۱۱ و۲۲۳ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس تحقیق وتفصیل کے بعد آپ نے ائمہ دین کے کلمات عالیہ اور ان کی تصریحات جلیلہ کی روشنی میں

تاویل کی چار[۴] واضح اور نفیس وجہیں ذکر کیں اور آیات متشابہات کے متعلق بعض عبارتیں ذکر فرما کر مطلب سابق کی توضیح فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ آیت کریمہ "الرحمن علی العرش استوی" آیات متشابہات سے ہے اور چاروں اماموں کا اس بات پر اجماع ہے کہ "استوا" کے معنی کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام ہے۔ یہی طریقہ جملہ سلف صالحین کا بھی ہے امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں یحیی بن یحیی سے روایت کی:

" کنا عند مالک بن أنس فجاء رجل فقال یاأباعبدالله: " الرحمن علی العرش استوی" فکیف استوی؟ قال: فأطرق مالک رأسه حتی علاه الرحضاء ثم قال: الاستواء غیرمجهول، والکیف غیرمعقول، والإیمان به واجب، والمسؤل عنه بدعة وما أراک إلا مبتدعا فأمربه أن یخرج"

(کتاب الأسماء والصفات للبیهقي باب ما جاء في قول الله تعالی: الرحمن علی العرش استوی. المکتبة الاثریةسانگله هل شیخوپوره ۲/۱۵۰)

ترجمہ:۔"ہم امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہوکر عرض کی اے ابوعبداللہ! رحمٰن نے عرش پر استوا فرمایا یہ استوا کس طرح ہے؟ اس کے سنتے ہی امام نے سر مبارک جھکا لیا یہاں تک کہ بدن مقدس پسینہ پسینہ ہوگیا پھر فرمایا استوا مجہول نہیں، اور کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان فرض اور اس سے استفسار بدعت اور میرے خیال میں تو ضرور بدمذہب ہے پھر حکم دیا اسے نکال دو"۔

اسی میں ہے:

" والآثار عن السلف في مثل هذا کثیرة وعلی هذه الطریقة یدل مذهب الشافعي رضي الله تعالی عنه وإلیها ذهب أحمد بن حنبل والحسین بن الفضل البلخي ومن المتأخرین أبوسلیمان الخطابي".

ترجمہ:۔ ’’یعنی اس باب میں سلف صالح سے روایات بکثرت ہیں اوراس طریقۂ سکوت پرامام شافعی کا مذہب دلالت کرتا ہے اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل وامام حسین بن فضل بلخی اور متاخرین سے امام ابوسلیمان خطابی کا ہے‘‘۔

(کتاب الأسماء والصفات للبیھقي باب قول اللہ: الرحمٰن علی العرش استوی الخ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل شیخورہ پورہ ۱۵۲/۲)

امام ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنہ میں سیدنا امام محمد سردار مذہب حنفی تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ فرماتے:

" اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الإيمان بالقراٰن وبالأحاديث التي جاء ت بها الثقات عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في صفة الرب من غير تشبيه ولاتفسير، فمن فسر شيئا من ذلک فقد خرج عما كان عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفارق الجماعة فإنهم لم يصفوا ولم يفسروا ولكن اٰمنوا بمافي الكتاب والسنة ثم سكتوا''.(كتاب السنة إمام أبو القاسم لالكائى)

ترجمہ:۔ ’’شرق سے غرب تک تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ آیات قرآن عظیم واحادیث صحیحہ میں جوصفات الٰہیہ آئیں ان پر ایمان لائیں بلاتشبیہ وتفسیر،توجوان میں سے کسی کے معنی بیان کرے وہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے طریقے سے خارج اور جماعت علما سے جدا ہوا اس لیے کہ ائمہ نے نہ ان صفات کا کچھ حال بیان فرمایا نہ ان کے معنی کہے بلکہ قرآن وحدیث پر ایمان لاکر چپ رہے‘‘۔

(فتاوی رضویہ ۲۲۶/۱۱ تا ۲۲۸ رضا اکیڈمی ممبئی رسالہ ”قوارع القهار على المجسمة الفجار“)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''طرفہ یہ کہ امام محمد کے اس ارشاد وذکر اجماع ائمہ امجاد کو خود ذہبی نے بھی کتاب العلو میں نقل کیا اور کہا محمد سے یہ اجماع لالکائی اور ابو محمد بن قدامہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا بلکہ خود ابن تیمیہ مخذول بھی اسے نقل کر گیا۔ وللّٰہ الحمد وله الحجة السامية

(فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۸ رضا اکیڈمی ممبئی)

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ آیات متشابہات کے باب میں ارباب ہدایت میں سے ائمہ اربعہ اور جمہور سلف صالحین کا مذہب ومسلک یہی ہے کہ استوا کے معنی کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام اور مخالف سلف صالح وجمہور اہل سنت وجماعت ہے، مدارک میں زیر سورۂ طٰہٰ یہاں تک فرمایا:

''المذهب قول علي رضي الله تعالى الاستواء غير مجهول، والتكيف غير معقول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة لأنه تعالى كان ولامكان فهو على ما كان قبل خلق المكان لم يتغير عما كان'' (مدارک التنزیل۔تفسیر النسفی) آیت ۳/۵ دار الکتاب العربی بیروت ۳/۴۸)

ترجمہ:۔''مذہب وہ ہے جو مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ استوا مجہول نہیں اور اس کی چگونگی عقل میں نہیں آسکتی اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے معنی سے بحث بدعت ہے، اس لیے کہ مکان پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالی موجود تھا پھر وہ اپنی شان سے بدلا نہیں یعنی جیسا جب مکان سے پاک تھا اب بھی پاک ہے''۔

اسی میں زیر سورۂ اعراف یہی قول امام جعفر صادق وامام حسن بصری وامام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک رضی اللہ تعالی عنہم سے نقل فرمایا۔(فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

صرف یہی نہیں بلکہ معالم التنزیل میں ہے:

''ذهب الأكثرون إلى أن الواو في قوله: ''والراسخون'' واو الاستيناف وتم الكلام عند قوله: '' ومايعلم تاويله إلا الله '' وهو قول أبي بن كعب وعائشة

وعـروة بن الزبير رضي الله تعالى عنهم، ورواية طاؤس عن ابن عباس رضي الـلـه تعالى عنهما وبه قال الحسن و أكثر التابعين واختاره الكسائي والفراء والأخـفـش (إلـى أن قـال) ومـمـا يصدق ذلک قراء ة عبدالله إن تاويله إلا عـنـدالـلـه والـراسـخـون فـي الـعـلـم يقولون "اٰمنا" وفي حرف أبي ويقول "الـراسـخـون فـي الـعلم اٰمنا به" وقال عمربن عبدالعزيزفي هذه الاٰية انتهى عـلـم الـراسـخيـن فـي الـعلم بتاويل القراٰن إلى أن قالوا "اٰمنا به كل من عند ربـنـا" وهـذا الـقـول أَقْيَـسُ فـي العربية وأشبَهُ بِظاهر الاٰية". (معالم التنزيل تحت الاٰية ۳/۷ دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۱۴و۲۱۵)

ترجمہ:۔" جمہورائمہ دین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کامذہب یہ ہے کہ: "والراسخون في العلم" سے جدابات شروع ہوئی، پہلاکلام وہیں فوراً ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سواکوئی نہیں جانتا یہی قول حضرت سیدقاریان صحابہ ابی بن کعب، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ،عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کاہےاوریہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیااوریہی مذہب امام حسن بصری واکثر تابعین کا ہے اوراسی کوامام کسائی وفرا واخفش نے اختیارکیااوراس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قراءت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سواکسی کے پاس نہیں اور پکےعلم والے کہتے ہیں: ہم ایمان لائے۔ اورابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت بھی اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔امیرالمومنین عمربن عبدالعزیزرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کامنتہائےعلم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پرایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہےاوریہ قول عربیت کی رو سے زیادہ دلنشیں اورظاہرآیت سےموافق ہے"۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ آیات متشابہات کے بارے میں بنظر حال عوام ارباب ہدایت میں سے متاخرین کا مسلک مسلک تاویل ہے مگر جمہور ائمہ سلف ومتقدمین کا مذہب اسلم واولی مسلک تسلیم وتفویض ہے کہ ان کی مراد اللہ عزوجل جانے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے بلکہ جمہور ائمہ دین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا ہے کہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر اور مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم رضی اللہ تعالی عنہم نے یہی فرمایا اور امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی یہی روایت کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی قراءت سے بھی اسی معنی کی تصدیق ہوتی ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ابن تیمیہ بات بات پر یہ کہتا ہے کہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے، یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے وہ اپنے ناپاک مقصد کے لیے طرح طرح کی بالا خانیاں کرتا ہے، کہیں اپنی تائید میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کو پیش کرتا ہے اور کہیں خود کو حنبلی مذہب ظاہر کرتا ہے اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ سیدنا امام احمد ابن حنبل کا مذہب ہے، آخر اس نے اس مقام پر فاسد معنی کا قول کیا کیا اس قول پر ساری امت کا اجماع ہے، کیا ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے کیا وہ متأخرین ومتقدمین میں سے کسی کا مسلک ہے کیا وہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ومسلک ہے کیا وہ ارباب ہدایت کا مذہب ہے کیا وہ سلف صالح اور جمہور اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ [آل عمران-۳ :۷] یہ حشویہ مجسمہ کا مذہب ہے جنھوں نے صاف صاف مان لیا کہ اللہ تعالی کے لیے مکان ہے، جسم ہے، جہت ہے اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا اترنا بیٹھنا چلنا ٹھہرنا سب خود بخود ثابت ہے۔

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے محکم اور روشن دلیلوں کے ذریعہ اس مذہب نامہذب کی صریح ضلالت کو اس طرح واشگاف فرمایا کہ ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کے لیے مجال دم زدن نہیں، مزید تحقیق وتدقیق کے لیے آپ کا گراں قدر رسالہ **"قوارع القهار على المجسمة الفجار"**

مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ الرحمٰن آپ پرحق واضح ہوجائے گا اورابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں کی صریح ضلالت وگمراہی کا حال آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہوجائے گا میں اس مقام پرآپ کی محکم دلیلوں کا ایک حصہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کررہاہوں تاکہ طالبان تحقیق کوائمہ کرام کے ان روشن ارشادات کے ساتھ ان کے دلائل کا بھی حظ وافر حاصل ہوآپ فرماتے ہیں:

ضرب:۲۷۔(امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں)**باب ماجاء في العرش** میں امام ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں ص ۲۸۴:

" ليس معنى قول المسلمين:"إن الله تعالى على العرش" هو أنّه مماس لهُ أو متمكن فيه، أو متحيز في جهة من جهاته، لكنه بائن من جميع خلقه، وإنما هوخبرجاء به التوقيف فقلنا به، ونفيناعنه التكيف إذليس كمثله شئ وهوالسميع العليم". (کتاب الأسماء والصفات باب ماجاءفي العرش والكرسي ـمکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱۳۹/۲)

ترجمہ:۔"مسلمانوں کے اس قول کے کہ:"اللہ تعالیٰ عرش پرہے" یہ معنیٰ نہیں کہ وہ عرش سے لگا ہواہے یاوہ اس کا مکان ہے یاوہ اس کی کسی جانب میں ٹھہراہواہے بلکہ وہ اپنی تمام مخلوق سے نرالاہے یہ توایک خبرہے کہ شرع میں واردہوئی توہم نے مانی اورچگونگی اس سے دور ومسلوب جانی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے مشابہ کوئی چیزنہیں اوروہی ہے سننے والا دیکھنے والا"۔

(امام بیہقی نے اسی کتاب الاسماء والصفات میں) یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طبقات آسمان پھران کے اوپرعرش پھرطبقات زمین کابیان کرکے فرمایا:

" والذی نفس محمد بيده لوأنكم دَلّيتم أحدكم بحبل إلى السابعة لهبط على الله تبارك وتعالى ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هوالأول والأخر والظاهر والباطن".

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي جماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه الخ المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ۲/۱۴۴)

ترجمہ:۔''قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد(صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم کسی کورسی کے ذریعہ سے ساتویں زمین تک لٹکاؤ تو وہاں بھی وہ اللہ عزوجل ہی تک پہنچے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالی ہی ہے اول وآخر وظاہر وباطن''۔

اس حدیث کے بعد امام فرماتے ہیں ۲۸۷:

" الذی روي في آخر هذاالحديث إشارة إلى نفي المكان عن الله تعالى وأن العبد أينما كان فهوفي القرب والبعد من الله تعالى سواء، وأنه الظاهر،فصح إدراكه بالدلالة الباطن فلا يصح إدراكه بالكون في مكان".

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي جماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه الخ المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ۲/۱۴۴)

ترجمہ:۔''اس حدیث کا پچھلا فقرہ اللہ عزوجل سے نفی مکان پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ بندہ کہیں ہو اللہ عزوجل سے قرب وبعد میں یکساں ہے اور یہ کہ اللہ ہی ظاہر ہے تو دلائل سے اسے پہچان سکتے ہیں اور وہی باطن ہے کسی مکان میں نہیں کہ یوں اسے جان سکیں''۔

أقول: یعنی اگر عرش اس کا مکان ہوتا تو جو ساتویں زمین تک پہنچا وہ اس سے کمال دوری وبعد پر ہو جاتا نہ کہ وہاں بھی اللہ ہی تک پہنچتا اور مکانی چیز کا ایک آن میں دو مختلف مکان میں موجود ہونا محال اور یہ اس سے بھی شنیع تر ہے کہ عرش تا فرش تمام مکانات بالا وزیریں دفعۃً اس سے بھرے ہوئے مانو کہ تجزیہ وغیرہ صدہا استحالے لازم آنے کے علاوہ معاذ اللہ اللہ تعالی کو اسفل وادنی کہنا بھی صحیح ہوگا لاجرم قطعا یقیناً ایمان لانا پڑے گا کہ عرش وفرش کچھ اس کا مکان نہیں، نہ وہ عرش میں ہے نہ ماتحت الثری میں نہ کسی جگہ میں ہاں اس کا علم وسمع وبصر وملک

ہر جگہ ہے جس طرح امام ترمذی نے جامع میں ذکر فرمایا۔

پھر (امام بیہقی نے) فرمایا:

" واستدل بعض أصحابنا في نفي المكان عنه تعالى بقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنت الظاهر فليس فوقک شيء وأنت الباطن فليس دونک شيء" وإذا لم يكن فوقه شيء ولا دونه شيء لم يكن في مكان".

(كتاب الأسماء والصفات باب ماجاء في العرش والكرسي المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ٢/١٤٤)

ترجمہ:۔ "اور بعض ائمہ اہل سنت نے اللہ عزوجل سے نفی مکان پر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا کہ آپ اپنے رب عزوجل سے عرض کرتے ہیں تو ہی ظاہر ہے تو کوئی تجھ سے اوپر نہیں اور تو ہی باطن ہے تو کوئی تیرے نیچے نہیں جب اللہ عزوجل سے نہ کوئی اوپر ہوا نہ کوئی نیچے تو اللہ تعالی کسی مکان میں نہ ہوا یہ حدیث صحیح مسلم شریف وسنن ابوداود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے (مروی) ہے"۔ (رواه البيهقي في الاسم الأول والآخر)

أقول: حاصل دلیل یہ کہ اللہ عزوجل کا تمام امکنۂ زیر و بالا کو بھرے ہوئے ہونا تو بداہۃً محال ہے ورنہ وہی استحالے لازم آئیں گے اگر مکان بالا میں ہوگا تو اشیا اس کے نیچے ہوں گی اور مکان زیریں میں ہوا تو اشیا اس سے اوپر ہوں گی اور وسط میں ہوا تو اوپر نیچے دونوں ہوں گی حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "نہ اس سے اوپر کچھ ہے اور نہ نیچے کچھ تو واجب ہوا کہ مولی تعالی مکان سے پاک ہو"

ضرب ۷۷۔ "عرش فرش جس جگہ کو معاذ اللہ مکان الہی کہو اللہ تعالی ازل سے اس میں متمکن تھا یا اب متمکن ہوا پہلی تقدیر پر وہ مکان بھی ازلی ٹھہرا اور کسی مخلوق کا ازلی ماننا باجماع مسلمین کفر ہے دوسری تقدیر پر اللہ عزوجل میں تغیر آیا اور یہ خلاف شان الوہیت ہے۔"

ضرب ۷۸۔ أقـــول مکان خواہ بعد موہوم ہو یا مجرد، یا سطح حاوی مکین کو اس کا محیط ہونا لازم محیط یا مماس بعض شي مکان بعض یا بعض مکان ہے نہ مکان شي مثلاً ٹوپی کو نہیں کہہ سکتے کہ پہننے والے کا مکان ہے تم جوتا پہنے ہو تو یہ نہ کہیں گے کہ تمہارا مکان جوتے میں ہے تو عرش اگر معاذ اللہ مکان الٰہی ہو لازم کہ اللہ عزوجل کو محیط ہو یہ محال ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا﴾ [النساء-۴:۱۲۶] اللہ تعالیٰ عرش وفرش سب کو محیط ہے وہ احاطہ جو عقل سے ورا ہے اور اس کی شان قدوسی کے لائق ہے اس کا غیر اسے محیط نہیں ہو سکتا۔

ضرب ۷۹۔ نیز لازم کہ اللہ عزوجل عرش سے چھوٹا ہو۔

ضرب ۸۰۔ نیز محدود و محصور ہو۔

ضرب ۸۱۔ ان سب شناعتوں کے بعد جس آیت سے عرش کی مکانیت نکالی تھی وہی باطل ہوگئی۔ آیت میں عرش پر فرمایا ہے اور عرش مکان خدا ہوا تو خدا عرش کے اندر ہوگا نہ کہ عرش پر۔

ضرب ۹۲۔ أقول اگر تیرے معبود کے لیے مکان ہے اور مکان و مکانی کو جہت سے چارہ نہیں کہ جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ تو اب دو[۲] حال سے خالی نہیں یا تو آفتاب کی طرف صرف ایک ہی طرف ہوگا یا آسمان کی مانند ہر جہت سے محیط۔ اولیٰ باطل بوجوہ:

اولا: آیت کریمہ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا﴾ کے خلاف ہے۔ (النساء۱۲۶، پ۵)

ثانیا: آیت کریمہ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرہ-۲:۱۱۵] کے مخالف ہے۔ (البقرہ۱۱۵، پ۱)

ثالثا: زمین کروی یعنی گول ہے اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے اور بحمد اللہ ہر جگہ اسلام پہنچا ہوا ہے، نئی پرانی دنیا میں سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلمہ سے گونج رہی ہیں، شریعت مطہرہ تمام بقاع کو عام ہے " تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا [الفرقان-۲۵:۱] اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إن أحدكم إذا كان في الصلاة فإن الله تعالى قبل وجهه فلا يتنخمن أحد

قِبلَ وجهِه في الصلاة'' (صحیح البخاری کتاب الأذان، باب ہل یلتفت لأمر ینزل بہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۴)

ترجمہ: ''جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے منھ کے سامنے ہے تو ہرگز کوئی شخص نماز میں سامنے کو کھنکھار نہ ڈالے''۔

اگر اللہ تعالی ایک ہی طرف ہے تو ہر پارۂ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیوں کر ہوسکتا ہے۔

رابعا: ان گمراہوں مکان و جہت ماننے والوں کے پیشواؤں ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالی کے جہت بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے کہ تمام جہاں کے مسلمان دعا و مناجات کے وقت ہاتھ اپنے سروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پر ظاہر کہ یہ دلیل علیل کلیل کہ ائمہ کرام جس کے پرخچے اڑا چکے اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزوجل کا سب طرف سے محیط ہونا، کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیوں کر اٹھاتے بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ ان مجسمہ کا معبود ان کے پاؤں کی طرف ہے۔

بالجملہ پہلی شق باطل ہے۔ رہی دوسری اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہرگز نہ ہوگا ورنہ استوا باطل ہوجائے گا ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا نیچے قرار پائے گا لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہوگا تو عرش اس کا مکان کیوں کر ہوسکتا ہے بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہوگیا کہ جو چیز اپنے اندر ہو اس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے، کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو۔ گمراہو! دیکھو حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔'' (ملخصا فتاوی رضویہ ۱۱/۲۳۸ تا ۲۴۲ رضا اکیڈمی ممبئی)

ان محکم روشن دلیلوں کے ذریعہ یہ واضح ہے کہ اللہ عزوجل جسم و جہت و مکان اور تحیز و انتقال وغیرہ سے پاک و منزہ ہے، اس کے حق میں جہت و مکان و تحیز و انتقال و حلول وغیرہ کا عقیدہ عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ایسی صریح ضلالت و گمراہی ہے کہ البحر الرائق اور عالمگیری میں ہے: ''یکفر بإثبات المکان لله تعالی''

(فتاوی ہندیہ کتاب السیر ،الباب التاسع،نوری کتب خانہ پشاور۲/۲۵۹، البحر الرائق باب أحکام المرتدین ،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۱۲۰)''یعنی اللہ تعالی کے لیے مکان ماننے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ اورفتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے:''رجل قال خدائے برآسمان می داند کہ من چیزے ندارم یکون کفرا لأن اللہ تعالی منزہ عن المکان''(فتاوی قاضی خاں،کتاب السیر باب مایکون کفرا من المسلم، نول کشور لکھنؤ ۴/۸۸۴)''یعنی کسی نے کہا خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں کافر ہوگیا اس لیے کہ اللہ تعالی مکان سے پاک ہے''۔اورفتاوی خلاصہ میں ہے:'' نروبان بنہ وبآسمان برآے وبا خدا جنگ کن یکفر لأنہ أثبت المکان للہ تعالی (خلاصۃ الفتاوی کتاب ألفاظ الکفر فصل۲جنس۲،مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۸۴)یعنی اگر کوئی یہ کہے نیزہ لے اورآسمان پر جا اورخدا سے جنگ کر،تو کافر ہوجائے گا کیوں کہ اس نے اللہ تعالی کے لیے مکان مانا۔سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''رب تبارک وتعالی کے حق میں جہت ماننے والا ایک قول پر کافر ہے۔اورایک قول پر کافرنہیں۔ اوراس دوسرے قول کونووی نے اس شرط سے مقید کیا کہ اس کا قائل عامی ہو''
(المعتقد المنتقد ص۱۸۸ مترجم)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ ابن حجر نے اسے اللہ کے لیے جسمیت ماننے سے کافر کہا اور کافر پر کفر سے کم گناہوں کے سبب بھی مواخذہ ہوگا،قرآن میں ہے:﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ [المدثر-۷۴: ۴۳]''کافر کہیں گے ہم جہنم میں یوں گئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے''اور یہ معلوم ہے کہ کافر کی لغزش کبھی معاف نہ ہوگی فافہم اورصحیح یہ ہے کہ ابن تیمیہ ضال مضل ہے کافر نہیں''(المستند المعتمد مترجم ص۱۸۸)

مزید فرماتے ہیں:

''اور ہمارے زمانہ میں سخت اور بڑی لغزش ایک ایسے شخص سے ہوئی جو کاملین کے مرتبوں تک

پہنچنے کا مدعی ہے اور عوام میں اہل کمال میں سے شمار کیا جاتا ہے تو اس نے یہ دعوی کیا کہ متشابہات کو ظاہر پر رکھنا پہلے معنی (گوشت اور ہڈی کا ہاتھ اور انگلی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی، ترکیب وتجزی، بذریعہ حرکت اوپر سے نیچے اترنا اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جس کی نفی پر اجماع ہے) کے اعتبار سے ہے اور مقالات میں یہی حق ہے اور ائمہ سلف اسی کے قائل ہیں اور اللہ ذوالجلال کی پناہ تو خدا کی قسم وہ قول نہیں مگر گمراہی اور کیسی گمراہی''۔(المستندالمعتمد مترجم ص۱۹۲)

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ کا عقیدۂ تجسیم مجسمہ کا عقیدہ ہے جو اہل حق کے مذہب کے خلاف ہے یہ قول صریح ضلالت وگمراہی ہے جس کے سبب وہ ضال مضل ہے۔

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی قدیم ہے اور اس کی صفتیں قدیم ہیں، اس کی قدرت، اس کا علم اس کا ارادہ قدیم ہے، اس کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہے۔ وہ فاعل بالاختیار ہے کہ جب چاہے جو چاہے فرمائے موجب بالذات نہیں۔

اس کے برخلاف ابن تیمیہ مخذول کا عقیدہ یہ ہے کہ حوادث اللہ عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، قرآن اللہ تعالی کی ذات میں محدث ہے، اس نے موسی علیہ السلام سے صوت وآواز کے ذریعہ کلام کیا، عالم قدیم بالنوع ہے، اللہ کے ساتھ ہمیشہ مخلوق ہی رہا۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الموافقہ میں کہا کہ:

" فمن أين فى القرآن مايدل دلا لة ظاهرة على أن كل متحرك محدث أو ممكن، وأن الحركة لا تقوم إلا بحادث أو ممكن، وأن ما قامت به الحوادث لم يخل منها، وأن مالا يخلو من الحوادث فهو حادث" الخ (۶۴/۱)

قرآن میں کہاں یہ آیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہر متحرک حادث یا ممکن ہے، اور حرکت حادث یا ممکن ہی کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اور حوادث جس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں وہ ان حوادث سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور جو

حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے۔

اوراسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر لکھا کہ:

"أماالشرع فليس فيه ذكر هذه الأسماء في حق الله لا بنفي ولا إثبات، ولم ينطق أحد من سلف الأمة و أئمتها في حق الله تعالى بذلک لا نفياً ولا إثباتاً، بل قول القائل: إن الله جسم أو ليس بجسم ،أوجوهرأو ليس بجوهر ، أو متحيز أو ليس بمتحيز ، أو في جهة أو ليس في جهة، أو تقوم به الأعراض و الحوادث أو لاتقوم به ونحو ذلک كل هذا الأقوال محدَثة بين أهل الكلام المحدَث لم يتكلم السلف والأئمة فيها لا بإطلاق النفي ولا بإطلاق الإثبات". الخ (۱/۱۴۲)

اللہ کے حق میں ان اسما کا ذکر شرع میں نفی واثبات کسی طرح وارد نہیں امت کے سلف اور ائمہ نے اللہ تعالی کے حق میں نفی یا اثبات کسی طرح بھی اس کا قول نہیں کیا، بلکہ خود قائل کا قول کہ: اللہ جسم ہے یا نہیں ، یا جوہر ہے یا جوہر نہیں، یا حیز میں ہے یا حیز نہیں، یا جہت میں ہے یا جہت میں نہیں، یا اس کے ساتھ اعراض وحوادث قائم ہوتے ہیں یا نہیں وغیرہ اس طرح کے جدید اقوال جدید متکلمین کی پیدا کردہ ہیں امت کے سلف اور ائمہ نے نہ مطلقا ان کی نفی کی اور نہ ہی مطلقا ثابت مانا۔

اورالمنہاج میں کہا:

" فإنا نقول إنه يتحرک و تقوم به الحوادث و الأعراض فما الدليل على بطلان قولنا؟" الخ (۱/۲۱۰)

ترجمہ:۔"ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ حرکت کرتا ہے اوراس کے ساتھ حوادث اوراعراض قائم ہیں، ہمارے اس قول کے بطلان کی دلیل کیا ہے؟"

اسی المنہاج میں ہے:

"فإن قلتم لنا : فقد قلتم بقيام الحوادث بالرب، قلنا لكم : نعم، وهذا قولنا الذي دل عليه الشرع و العقل الخ. (۲۲۴/۱)

ترجمہ:۔"اگر تم ہم سے یہ کہو کہ تم نے تو رب کے ساتھ حوادث کے قیام کا قول کیا، تو ہم کہیں گے: ہاں، ہمارے اس قول کی دلیل عقل وشرع ہے"۔

اس نے اپنی کتاب المنہاج میں کہا:

" وسابعها قول من يقول إنه لم يزل متكلما إذا شاء بكلام يقوم به وهو متكلم وبصوت يسمع و إن نوع الكلام قديم و إن لم يجعل نفس الصوت المعين قديما وهذا هو المأثور عن أئمة الحديث و السنة و بالجملة أهل السنة و الجماعة أهل الحديث"۔الخ (۱۲۱/۱)

ترجمہ:۔"ساتواں اس کا قول ہے جو یہ کہے کہ اللہ ہمیشہ سے متکلم ہے جب وہ کلام کرنا چاہے تو وہ اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اس کا کلام ایسی آواز سے متصف ہوتا ہے جو آواز مسموع ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام قدیم بالنوع ہے اگرچہ نفس صوت معین قدیم نہیں ،ائمہ حدیث وسنت سے یہی منقول ہے، اور حاصل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اہل حدیث ہیں"۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ "المعتقد المنتقد " میں فرماتے ہیں:

وكذلك نقطع على كفر من قال بقدم العالم،أو بقاء ه أو شك في ذلك. (المعتقد المنتقد ص۱۹)

اور ایسے ہی ہم اس کے کفر پر یقین رکھتے ہیں جو عالم کو قدیم یا باقی مانے یا جوان مذکورات میں شک کرے۔

ابن تیمیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اہل دوزخ پر دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ منقطع ہوجائے گا، جب کہ اہل

سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ مسلمان جنت میں داخل ہونے کے بعد اور کافر دوزخ میں جانے کے بعد کبھی باہر نہ آئیں گے جیسا کہ سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور مسلمان جنت میں داخل ہونے کے بعد اور کافر دوزخ میں جانے کے بعد اس سے بہ اتفاق مسلمین کبھی باہر نہ آئیں گے۔ دوزخ میں ابن تیمیہ کو اختلاف ہے اور ابن تیمیہ ہی نے دوزخ کے فنا ہونے کا قول عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابوسعید اور ابن عباس وغیرہم سے نقل کیا اور اس قول کی تائید ابن قیم نے اپنے استاذ ابن تیمیہ کی طرح کی، حالاں کہ یہ مذہب متروک اور قول مہجور ہے جس کی طرف نہ چلا جائے اور نہ اس پر اعتماد کیا جائے اور جمہور نے ان تمام دلیلوں کو ان کے ظاہر پر نہ رکھا اور ان آیات کا جن کو ابن تیمیہ نے ذکر کیا تقریباً بیس وجوہ سے جواب دیا اور ان صحابہ سے جو نقل کیا اس کا یہ جواب دیا کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ میں گناہ گار مسلمانوں میں سے کوئی نہ رہے گا۔ رہے کفار کے مقامات تو وہ ان سے بھرے ہوں گے دوزخ میں اپنی جگہوں سے کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ اللہ تعالی نے کثیر آیات میں ذکر فرمایا'' (**المعتقد المنتقد مترجم ص۳۵۲و۳۵۳**)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے تحت ''**المعتمد المستند**'' میں فرمایا:

اس میں جو لطیف ایہام ہے وہ پوشیدہ نہیں (یعنی یہ جو ارشاد ہوا کہ: ابن تیمیہ کو دوزخ میں اختلاف ہے) اور تمہیں اس کے رد کے لیے اللہ تعالی کا ارشاد کافی ہے کہ فرمایا:

''**وماهم بخارجين من النار**'' کافر دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے''۔ (**المستند المعتمد مترجم ص۳۵۲**)

مزید آگے ارشاد فرمایا:

''یہی معنی اس حدیث کا ہے جو ذکر کی جاتی ہے جس میں فرمایا: ''جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا

کہ ہوا اس کے دروازوں کو ہلا دے گی جہنم میں کوئی نہ ہوگا'' یعنی گناہ گار مسلمان اس میں نہ رہیں گے''۔(المستند المعتمد مترجم ص ۳۵۳)

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

''وذهب الجهمية إلى أنهما يفنيان و يفني أهلهما،وهو قول باطل مخالف للكتاب و السنة و الإجماع، ليس عليه شبهة فضلا عن حجة'۔(ص ۱۴۰)

اور جہمیہ اس طرف گیے کہ جنت و دوزخ اور ان میں رہنے والے سب کے سب فنا ہو جائیں گے جہمیہ کا یہ باطل قول کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے اس پر کوئی شبہ قائم نہیں چہ جائے کہ حجت قائم ہو۔

بخاری کی صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ:

''عن أبي هريرة قال : قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : يقال لأهل الجنة : يا أهل الجنة خلود لا موت، ولأهل النار، يا أهل النار خلود لاموت''۔(بخاری کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفا بغیر حساب)

ترجمہ:۔''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت سے فرمایا جائے گا: اے اہل جنت! تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے تمہیں موت نہیں آے گی اور اہل جہنم سے فرمایا جاے گا: اے جہنم والو! تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے تمہیں موت نہ آے گی''۔

اور سیدنا عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

''إذا صار أهل الجنة إلى الجنة و أهل النار إلى النار جيءَ بالموت حتى يجعل بين الجنة والنار، ثم يذبح ، ثم ينادي مناد: يا أهل الجنة لاموت، ياأهل النار لاموت، فيزداد أهل الجنة فرحا إلى فرحهم، ويز داد أهل النار حزنا إلى حزنهم''.

(أخرجه البخاري في صحيحه ،كتاب الرقاق ، باب صفة الجنة و النار ، ومسلم في صحيحه، كتاب الجنة وصفة نعيمها و أهلها،باب النار يدخلها الجبارون، و الجنة يدخلها الضعفاء)

ترجمہ:۔''جب جنتی جنت اور جہنمی جہنم کی طرف جائیں گے تو موت کو لاکر جنت وجہنم کے درمیان رکھا جائے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا پھر ایک منادی ندا کرے گا،اے اہل جنت اب مرنا نہیں ،اے اہل جہنم فنا ہونا نہیں ہے تو اہل جنت کو خوشی بالائے خوشی ہوگی،اور اہل جہنم کو غم بالائے غم ہوگا''۔

" قال القرطبي: و في هذه الأحاديث التصريح بأن خلود أهل النار فيها لا إلى غاية أمد، وإقامتهم فيها على الدوام بلا موت، ولا حياة نافعة ولا راحة، كما قال تعالى: ﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا﴾ [فاطر-٣٥ : ٣٦]و قال تعالى :﴿كُلَّمَا أَرَادُوْا أَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ أُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ [السجدة-٣٢ : ٢٠] فمن زعم أنهم يخرجون منها وأنها تبقى خالية أو أنها تفنى وتزول فهو خارج عن مقتضى ماجاء به الرسول و أجمع عليه أهل السنةالخ". (فتح الباری ۱۱/۴۲۱)

ان حدیثوں میں اس بات کی روشن تصریح ہے کہ اہل جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے انھیں اس میں نہ موت آئے گی نہ ہی نفع بخش زندگی اور راحت وآرام حاصل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تو جس شخص کا یہ خیال ہے کہ اہل جہنم جہنم سے باہر آئیں گے اور جہنم اہل جہنم سے خالی ہو جائے گا یا یہ کہ اس کے لیے زوال وفنا ہے تو ایسا شخص رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد کے مقتضی اور اجماع اہل سنت سے خارج ودور رفتہ ہے۔

ابن تیمیہ کے یہ وہ گمراہ کن عقائد ہیں جن کی صاف اور واضح تصریحیں اس کی کتابوں میں موجود ہیں اس نے اپنی کتابوں میں لکھا اور برسر منبر لوگوں کے سامنے ان عقائد کا اظہار کیا اس کے ہم عصر علما نے اس کی انھیں گستاخانہ عبارت اور توہین آمیز کلمات کے سبب اسے بدمذہب زندیق منافق اور نہ جانے کیا کیا کہا،اس کی

کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف تام ہوتی ہے کہ اس نے صرف انھیں مذکورہ ضلالتوں پر اکتفانہ کیا بلکہ اس نے انبیائے کرام کی عصمت کا انکار کیا، نبوت کو کسبی قرار دیا، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اکابر صحابہ پر اعتراض کیا، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں یہ کہا کہ انھوں نے سترہ ۱۷ مسئلوں میں خطا کی ہے اور نص کتاب کے خلاف کیا اور یہ کہا کہ انھوں نے کئی بار خلافت کا قصد کیا مگر نہ ملی، انھوں نے صرف ریاست کے لیے قتال کیا دین کے لیے نہیں، وہ ریاست کے خواہش مند تھے، عثمان مال چاہتے تھے، ابوبکر بڑھاپے میں ایمان لائے وہ سمجھتے جو کچھ کہتے تھے اور علی بچپن میں ایمان لائے اور ایک قول کی بنا پر بچہ کا اسلام صحیح و درست نہیں اور ابوجہل کی لڑکی کی خواستگاری اور ابوالعاص ابن ربیع کے واقعہ میں بھی حضرت علی کو برا کہا، **صراط مستقيم في الرد على أهل الجحيم** (ابن تیمیہ کی تصنیف ہے) میں رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کی جیسا کہ حصنی نے اس کے رد میں اپنی تصنیف کردہ کتاب میں ذکر کیا جب کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ: **ونكف عن ذكر الصحابة إلابخير**''۔ (شرح عقائد نسفی ص۱۱۶) **دار الإشاعة العربية قندهار افغان**) کہ صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر کے ساتھ ہونا فرض ہے۔

''**الصحابة كلهم عدول لانذكرهم إلا بخير**'' (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر أفضل الناس بعده عليه الصلاة والسلام مصطفىٰ البابى مصر ص ۷۱)

ترجمہ:۔'' صحابہ سب کے سب اہل خیر وعدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے''۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿**وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى**﴾ [**الحديد – ۵۷ : ۱۰**]

ترجمہ:۔''اللہ نے ان سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا''۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' **الله الله في أصحابي، لاتتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي**

أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن اٰذاهم فقد اٰذاني ومن اٰذاني فقد اٰذى الله، ومن اٰذى الله فيوشک أن يأخذه".

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب في من سب أصحاب النبي ﷺ حديث ٣٨٨٨ دارالفکر بيروت ٤٦٣/٥، مسند أحمد بن حنبل عن عبدالله بن معقل المزنی، المکتب الإسلامی بيروت ٥٤/٥ و٥٧)

ترجمہ:۔"خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں، انھیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد، جو انھیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انھیں دوست رکھتا ہے اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انھیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالی اس کو گرفتار کرلے"۔ (یعنی زندہ عذاب وبلا میں ڈال دے)

نیز فرمایا:

ستكون لأصحابي بعدي زلة يغفرها الله لهم لسابقتهم ثم ياتي من بعدهم قوم يكبهم الله على مناخرهم في النار" ۔(المعجم الأوسط حديث ٣٢٤٣ مکتبۃ المعارف رياض ٤٢/٤ ا ومجمع الزوائد ٢٣٤/٧)

ترجمہ:۔"قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالی ناک کے بل جہنم میں اوندھا کردے گا"۔

نیز فرمایا:

" إذا ذكر أصحابي فأمسكوا" (المعجم الكبير حديث ١٤٢٧ المكتبة الفيصلية بيروت ٩٦/٢)

ترجمہ:۔’’جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو باز رہو‘‘۔

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

’’صحابۂ کرام کے بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ حضرات رضی اللہ تعالی عنہم انبیا نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہے۔

اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں:

(۱) ﴿مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ [الحدید-۵۷:۱۰]

(۲) ﴿الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا﴾ [الحدید-۵۷:۱۰]

یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے، راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انھوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کر دیا یہ حضرات مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا ان اہل ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتالی سے دیا جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے اجر ان کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اولون کے درجہ کا نہیں۔

اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی اور پھر فرمایا:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحدید - ۵۷ : ۱۰]

ترجمہ:۔’’ان سب سے اللہ تعالی نے بھلائی کا وعدہ فرمایا‘‘۔

کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔

اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۱]

ترجمہ:۔''وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں''

﴿ لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۲]

ترجمہ:۔''وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے''

﴿وَهُمۡ فِيۡ مَا اشۡتَهَتۡ أَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۲]

ترجمہ:۔''وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھائی مرادوں میں رہیں گے''۔

﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡأَكۡبَرُ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غم گین نہ کرے گی''۔

﴿وَتَتَلَقّٰـهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''فرشتے ان کا استقبال کریں گے''

''﴿هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتا تا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔

اوران کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔

رب عزوجل نے اسی آیت ''حدید'' میں اس کا منہ بھی بند کر دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ﴾

ترجمہ:۔''اور اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرو گے''

بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ وہ تم سب سے جنت بے عذاب وکرامت وثواب بے حساب کا وعدہ فرما چکا ہے۔

تو اب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا اللہ تعالی سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے، علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

''جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں سے ایک کتا ہے''

(نسیم الریاض الباب الثالث ۳/۴۳۰ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)(احکام شریعت وغیرہ)

فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۳۶۱ تا ۳۶۳ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات

رسالہ <u>اعتقاد الأحباب في الجميل و المصطفىٰ و الآل و الأصحاب</u>

۱۲ ھ ۹۸

مزید فرمایا:

''اور (ہم) ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں اور ان کے اختلافات کو ابوحنیفہ وشافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں تو ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں سے کسی ادنی صحابی پر بھی طعن جائز نہیں''

(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۳۷۵ تا ۳۷۶ رسالہ مذکورہ) مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

''اہل سنت کے عقیدہ میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی تعظیم فرض ہے اور ان میں سے کسی پر طعن حرام اور ان کے مشاجرات میں خوض ممنوع، حدیث میں ارشاد ہے:

إذا ذكر أصحابي فأمسكوا (المعجم الكبير حديث ۱۴۲۷، ۲/۹۶ المكتبة الفيصلية بيروت)

ترجمہ:۔’’جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (بحث وخوض سے) رک جاؤ‘‘۔
(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۲۲۷ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ابن تیمیہ کی انھیں گستاخیوں کے سبب اسے ضال ومضل کہا۔
قائل کی کب تکفیر وتضلیل کی جاتی ہے اور کب خاطی وآثم کہا جاتا ہے اس سلسلے میں ایک ضابطہ تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

(۱) **ضروریات دین**: ان کا ثبوت قرآن عظیم، یا حدیث متواتر، یا اجماع قطعی قطعیات الدلات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہ کی گنجائش نہ تاویل کو راہ اور اوران کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) **ضروریات مذہب اہل سنت وجماعت**: ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳) **ثابتات محکمہ**: ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح ومضمحل اور التفات خاص کے ناقابل بنادے، اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سواد اعظم وجمہور علما کا سند وافی فإن يد الله على الجماعة (اللہ تعالی کا دست قدرت جماعت پر ہوتا ہے۔ت)

ان کا منکر وضوح امر کے بعد خاطی وآثم خطا کار وگناہ گار قرار پاتا ہے، نہ بددین وگمراہ نہ کافر وخارج از اسلام۔

(۴) **ظنیات محتملہ**: ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی جس نے جانب خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو ان کے منکر کو صرف مخطی وقصوروار کہا جائے گا نہ گناہ گار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جوفرق مراتب نہ کرے اوراور ایک مرتبے کی بات کواس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بیوقوف ہے یا مکار فیلسوف ع

ہرسخن وقتے ہرنکتہ مقامے دارد

(ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا خاص مقام ہوتا ہے۔ت)

گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی

(اگرتو مراتب کے فرق کوملحوظ نہ رکھےتو زندیق ہے۔ت)

(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۳۸۵ رسالہ اعتقاد الأحباب في الجميل والمصطفیٰ والأل والأصحاب)

ایک دوسرے مقام پراس کی تفصیل وتوضیح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

اول : ضروریات دین، ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جواس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم: ضروریات عقائد اہل سنت ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم : وہ مسائل کہ علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ ہوں ان میں کسی طرف تکفیر وتضلیل ممکن نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کوراجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علمایا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہوجاتی ہیں مثلاً اللہ عزوجل کے ''ید وعین'' کا مسئلہ قال الله تعالى : ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰] (ترجمہ:۔اللہ تعالی نے فرمایا، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

وقال تعالى: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ [طہ-۲۰:۳۹]

ترجمہ:۔اوراللہ تعالی نے فرمایا: اوراس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

"ید" ہاتھ کو کہتے ہیں، "عین" آنکھ کو۔اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعا کافر ہے، اللہ عزوجل کا ایسے "ید وعین" سے پاک ہونا ضرریات دین سے ہے۔اور جو کہے کہ اس کے "ید وعین" بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک ومنزہ ہیں وہ گمراہ بد دین کہ اللہ عزوجل کا جسم وجسمانیات سے مطلقاً پاک ومنزہ ہونا ضروریات عقائد اہل سنت وجماعت سے ہے، اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے "ید وعین" ہیں کہ مطلقاً جسمیت سے بری ومبرا ہیں وہ اس کی صفات قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ ان میں تاویل کریں وہ قطعا مسلم سنی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہل سنت کا خلافیہ ہے، متأخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ کہ اجرا علی المظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ "امنا بہ کل من عند ربنا" (ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے) بعینہ یہی حالت مسئلہ علم غیب کی ہے، اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں:

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے بے اس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے، ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے جس میں اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہو، وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہوسکتا، جو ایسا مانے قطعاً مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید وعمر ہر بچے، پاگل، چوپائے کو علم غیب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، یہ سب مسائل ضروریات دین سے ہیں

اوران کا منکران میں ادنیٰ شک لانے والا قطعاً کافر ہے۔ یہ قسم اول ہوئی۔

(۶) اولیائے کرام نفعنا الله تعالی ببر کاتهم في الدارین کوبھی کچھ علوم غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رسل **علیهم الصلوة والسلام**، معتزلہ **خذلهم الله تعالی** کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاع غیب مانتے اوراولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علوم غیب کا اصلا حصہ نہیں مانتے گمراہ ومبتدع ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصا سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوغیوب خمسہ سے بہت جزئیات کاعلم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کونہ دیا گیا ہزار ہا احادیث متواترہ المعنی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے یہ قسم دوم ہوئی۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوتعیین وقت قیامت کا بھی علم ملا۔

(۹) حضور کو بلا استثنا جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔

(۱۰) جملہ مکنونات قلم ومکتوبات لوح بالجملہ روز اول سے روز آخر تک تمام ما کان وما یکون مندرجہ لوح محفوظ اوراس سے بہت زائد کا علم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افراد خمس داخل اوردر بارۂ قیامت اکثر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۱۱) حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوحقیقت روح کا بھی علم ہے۔

(۱۲) جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

یہ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں کہ ان میں خود علما وائمہ اہل سنت مختلف رہے ہیں جس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب واضح ہوگا، ان میں مثبت ونافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہوسکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہواوران پانچ کا انکاراس مرض قلب کی بنا پر نہ ہو جو وہابیہ **قاتلهم الله تعالی** کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں **في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ولأهل السنة من الله أحمد رضا** آمین! (ان کے دلوں میں بیماری ہے ان کی بیماری اور بڑھ گئی اوراہل سنت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین رضا ہو، آمین!۔ت)

(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹ ؍۴۱۳ تا ۴۱۶ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

اس طرح سے ابن تیمیہ کی بہت سی گمراہیاں ہیں جن کی طویل فہرست ہے جو اس کی کتابوں سے صاف ظاہر ہیں جن کے سبب علمائے امت نے اسے گمراہ ،گمراہ گر اور بدمذہب قرار دیا خاتمۃ الفقہا والمحد ثین علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

" وإياک أن تصغي إلى ما في كتب ابن تيمية وتلميذه ابن القيم الجوزية وغيرهما ممن اتخذ إلٰهه هواه وأضله الله على علم وختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشاوة فمن يهديه من بعد الله و كيف تجاوزهؤلاء الملحدون الحدود وتعدُّوا الرسوم وخرقوا سياج الشريعة والحقيقة فظنوا بذلک أنهم على هدى من ربهم وليسوا كذلک بل هم على أسوأ الضلال، وأقبح الخصال وأبلغ المقيت والخسران وأنهى الكذب والبهتان فخذل الله متبعيهم وطهر الأرض من أمثالهم". (فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۳-۲۰۴)

ترجمہ:۔"ان باتوں کی طرف کان نہ لگانا جو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں میں ہیں جنھوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنایا اور علم کے باوجود اللہ تعالی نے انھیں گمراہ کردیا اور ان کے کان اور دل پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے یہ بے ایمان دین کے حدود اور شریعت کے مراسم کو کس قدر پار کر گئے اور شریعت وحقیقت کی دیوار توڑ دی انھوں نے یہ سمجھا کہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ بدترین گمراہی قبیح ترین خصلت اور حد درجہ خسارے اور غایت درجہ جھوٹ اور بہتان میں ہیں اللہ ان کے پیروکاروں کو رسوا کرے اور ایسے لوگوں سے اپنی زمین پاک فرمائے"۔

ابن تیمیہ کے ہم عصر اور اس کے بعد کے علما نے ان باطل افکار وعقائد کا رد زبان وقلم کی قوتوں سے کیا اور اسے اس کے ٹھکانہ تک پہنچایا، آج یہ فتنہ زوروں پر ہے بہت سے علما نے اس کی گمراہیوں کا پردہ فاش فرمایا جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

"**أخطاء ابن تيمية في حق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأهل بيته**" ابن تیمیہ کے باطل افکار وعقائد اور اس کے رد پر ایک گراں قدر محققانہ کتاب ہے، ڈاکٹر سید محمود صبیح (مصر) نے محکم اور روشن دلیلوں کے ذریعہ ابن تیمیہ کے گمراہ کن افکار وعقائد کا رد فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ ابن تیمیہ جسے اس کے نیاز بردار شیخ الاسلام اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں اس کا دل نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام اور آپ کے اصحاب اور اہل بیت اطہار کے کینہ سے پراگندہ وآلودہ ہے، اس نے ان مقدس بارگاہوں کے اندر ایسی جرأت وجسارت کی ہے کہ کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے واضح اردو زبان میں منتقل کیا جائے تا کہ لوگ ابن تیمیہ کی گستاخی وبے باکی پر آگاہ ہوں۔ استاذ العلما، جلالۃ العلم ابوالفیض سیدنا سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے عظیم علمی دانشکدہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جس کی ضوبار شعاعوں سے عالم اسلام مستنیر ہورہا ہے اس کے موقر استاذ شہباز علم وفن شمس العلما حضرت علامہ مفتی شمس الہدی خاں صاحب قبلہ رضوی دامت برکاتہ نے اس بے مایہ کو یہ حکم فرمایا کہ اس کتاب کو واضح اردو میں منتقل کریں تا کہ اس کا فائدہ عام تر کیا جاسکے، میں اپنی بے مائیگی کے سبب اس کام کی ہمت نہیں کر پار ہا تھا مگر اللہ رب العزت کی تائید وتوفیق سے اس کام کا آغاز کیا اور بحمدہ تعالی وبفضل رسولہ الاعلی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا کتنا دشوار کام ہے یہ وہی جانتا ہے جو اس دشوار گزار وادی میں قدم رکھتا ہے، میں نے اللہ رب العزت کے فضل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی عطا کے سہارے نیک نیتی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ افادہ کی غرض سے یہ کام کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ جا بجا حسب ضرورت تعلیقات وتحقیقات بھی تحریر کیا ہے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ رب عزوجل اپنے پیارے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے میں اسے قبول خاص وعام بخشے اور اس کے فائدہ کو عام وتام فرمائے۔

میں اس مقام پر شمس العلما حضرت علامہ مفتی شمس الہدی خاں صاحب قبلہ رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس عاجز وبے مایہ کو اس کام کا اہل سمجھا اور موقعہ بموقعہ حوصلہ افزائی فرمائی میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کلمات نہیں آپ کی ذات ارباب علم وفضل کے نزدیک آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہے تحقیق وتدقیق، تدریس وتبلیغ اور تحریر وتصنیف میں آپ یکتائے روزگار ہیں حدیث کی عظیم الشان، معرکۃ الآراء، شہرہ آفاق کتاب "مؤطا إمام محمد" کی گراں قدر شرح اور دیگر اہم علمی کارناموں سے آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے فقیہ عصر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ سے فتاوی رضویہ جلد اول خریدا تو حضرت فقیہ عصر علیہ الرحمہ نے عربی میں یہ کلمات تحریر فرمائے:

"**بسم الرحمٰن الرحیم أخي في الدين ذي العز المتين والجاه المبين مولاناصوفي شمس الهدى جعله الله كأسمه شمس الهدى لكل الورى**". (معارف شارح بخاری ص۳۸۲)

میں ساتھ ہی ساتھ ان موقر حضرات علمائے کرام کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس اہم علمی کام کے لیے کمربستہ رہتے اور غنائے عثمانی کے وارث نظر آتے ہیں اور دین اور قوم کی ضرورت کے لحاظ سے بہتر سامان فراہم کرنے کے لیے اپنا گراں قدر سرمایہ راہ خدا میں خرچ کرتے اور دنیاوی نام ونمود سے دور رہ کر خالص اللہ عزوجل کے اجر وثواب کے طالب ہوتے ہیں، یہ بہت بڑی سعادت ہے آج ہماری جماعت میں سرمایہ کی کمی نہیں اور نہ کام کرنے والے افراد کی، ان حضرات پر اللہ رب العزت کا خاص فضل ہے کہ اس نے ان کے دلوں کے اندر قوم وملت کا درد پیدا کیا انھوں نے قوم وملت کی ضرورت محسوس کی اور اس علمی کام کے لیے آگے بڑھے اللہ عزوجل اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے ان کے بازو میں قوت بخشے اور ان کے عزم وحوصلہ میں استحکام واستقلال عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ خاص سے انھیں خاص جزا عطا فرمائے اور اہم دینی کاموں کی توفیق رفیق بخشے۔

میں اس مقام پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے لائق وفائق فاضل مولانا محمد جاوید احمد مصباحی زید مجدہ کے لیے خاص دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اپنے حبیب پاک کے صدقے ان کے علم وفضل کو استحکام وبلندی بخشے

اوراسلام وسنیت کی اشاعت اور جامعہ اشرفیہ کا نام روشن کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، مولانا موصوف اس کام میں میرے دست وباز وثابت ہوئے اور میں اپنی جماعت کے عظیم محقق ومصنف، مناظر اہل سنت، ناشر مسلک اعلی حضرت، قاطع نجدیت حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب قبلہ دام ظلہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں اہم کردارادا فرما کر اس کتاب کے افادے کو عام فرما کر قوم کو ایک عظیم سرمایہ بخشا اور میرے حوصلہ کو بلندی بخشی، اور میرے محبّ مخلص جناب محمد مصطفیٰ رضا رضوی صاحب زادہ محمد ظفر رضوی (کولمبو، سری لنکا) اور محمد مصطفیٰ رضا نوری صاحب زادہ حضرت علامہ مفتی محمد اشرف رضا صاحب (ممبئی، مہاراشٹر)، افتخار احمد (ناگ پور)، محمد سرفراز (مراداباد)، محمد عامر رضوی (بھیونڈی) طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بیحد مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنے گراں قدر تعاون کے ذریعہ میرے دست وبازو میں قوت بخشی اور اس کتاب کو اشاعت کے مرحلہ تک پہنچایا، اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان تمام محبین ومخلصین ومعاونین اہل سنت کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور میری اس حقیر علمی کاوش کو قبولیت سے سرفراز فرمائے اور اس کے فیضان کو عام وتام فرمائے، اور استاذ العلما، جلالۃ العلم، ابوالفیض سیدنا سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے لگائے ہوئے گلشن کو سرسبز وشاداب رکھے اور صبح قیامت تک اسے چمکتا دمکتا پھلتا پھولتا رکھے تاکہ جہان اسلام اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتا رہے اور اور اس کی ضوبار شعاعوں سے مستنیر ومستفیض ہوتا رہے۔

آمین یارب العالمین بجاه النبي الأمين الكريم عليه أفضل الصلاة وأكمل التسليم

گدائے کوچۂ لاثانی

محمد ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ

الجامعة الاشرفیه مبارک پور اعظم گڈھ (یوپی، الہند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله العلي العلی، وأزكى الصلاة وأسمى السلام على رسوله المصطفى و على اله و صحبه نجوم الهدى

تمہید

اللہ عزوجل کی عطا فرمودہ طاقت وقوت سے اس کتاب کا آغاز کررہے ہیں، سب سے پہلے ابن تیمیہ کے متعلق اعیان امت کے ارشادات ذکر کریں گے، اس کے ساتھ ائمہ کرام کی تنبیہات وہدایات پر بھی کامل توجہ رہے گی تاکہ سادہ لوح عوام اور انصاف پسند طالبان علم اس کی گمراہیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

بعض حلقوں اور علاقوں میں ابن تیمیہ کو ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا ہے حالاں کہ یہ صرف اسی کا وصف نہیں کیوں کہ بہت سے علمائے امت شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب نزہۃ الابواب فی الالقاب میں ''شیخ الاسلام'' کی تعریف میں یوں فرمایا ہے کہ: ''ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری صاحب ''**منازل السائرین وذم الکلام**''کو سب سے پہلے اس لقب سے شہرت حاصل ہوئی، پھر آپ کے بعد دوسرے حضرات کو یہ روشن لقب حاصل ہوا۔

اب ہم ابن تیمیہ کے متبعین کے کلمات واقوال تفصیلی نوٹ اور تبصرہ کے ساتھ ذکر کررہے ہیں:

(ا) ابن تیمیہ کو قطب اور صاحب نور محمدی کے اوصاف سے شمار کیا جانا:

ابن عبدالہادی المقدسی (ان کا شمار ابن تیمیہ کے ان تلامذہ میں ہوتا ہے، جو اس کے اقوال کی حمایت میں ہمہ وقت جنگ وجدال کے لیے آمادہ رہتے ہیں) نے اپنی کتاب ''**العقود الدرية**''(۱/۳۲۵) میں ابن تیمیہ کے ایک پیروکار کا کلام ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''اللہ نے اس شخص (ابن تیمیہ) کے ذریعہ اپنے اس محبوب دین کی حقیقت ہم پر روشن فرمائی جسے اپنے بندوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لیے آسمان سے اتارا، اور اس نور محمدی کے ذریعہ اپنے بندوں کی گمراہیوں اوران کی

بے اعتدالیوں کو واضح فرمایا۔

اور اسی کتاب (۳۲۵/۱) میں اس کے ایک دوسرے متبع کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے سوا کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کے اقوال وافعال سے نبوت محمدی اور آپ کی سنت روشن ہو، اگر تمہارے اندر اس کی محبت ہوگی تو اس کی برکت سے مجھے امید ہے کہ تمہیں ایک ایسی خاص فضیلت ہوگی جسے میں پوشیدہ رکھوں گا اور ذکر نہ کروں گا، ممکن ہے تم میں سے ہوشیار اور ذہین لوگ اپنی ذہانت وفطانت سے اسے جان لیں اور اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میں خود ہی اس خاص فضیلت کو بتادوں تاکہ تم پر میری نصیحت پوشیدہ نہ رہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ اس کے خاص حصہ محمدی سے تمہیں بھی کچھ (حصہ) ملے گا۔

اور اسی عقود (۳۲۹/۱) میں یہ بھی ہے کہ:

''اللہ تعالی کے ساتھ یہ ساری چیزیں صرف اس وسیلہ سے حاصل ہوسکتی ہیں کہ شیخ کا رشتۂ محبت مرید سے قائم رہے، اور مرید کو بھی اپنے شیخ کی محبت کا حظ وافر اسی طرح حاصل رہے جیسا کہ شیخ کا رشتۂ محبت مرید کے ساتھ ہے، اور قلب وخیال کی نگہداشت اور محبت ووارفتگی کی تحصیل برقرار رہنا ضروری ہے، جب یہ ساری چیزیں حاصل ہوں گی تو مجھے امید ہے کہ اس کی برکت سے مابینہ ومابین اللہ سے تمہیں ایک خاص حصہ حاصل ہوگا اور یہ اس کے ماسوا ہوگا جو اس کے علم وافادہ اور سیاست سے انشاء اللہ تعالی تمہیں ملے گا اور اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ جب تمہارے رب سے تمہارا صحیح معاملہ رہے گا، پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کروگے اور تہجد کے اوقات ولمحات میں اس کی اطاعت وعبادت کروگے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس شخص (ابن تیمیہ) کی حقیقت وخبر بھی تمہیں حاصل ہوجائے گی۔

اور اسی عقود (۳۷۳/۱) میں یہ بھی ہے:

''اور آپ جیسی شخصیت سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہوگی جس کا ان سے انتقام لیا جائے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان پر کوئی چیز مشتبہ ہوجائے اور ان کی طرف ایسی چیز منسوب کردی جائے جس کی نسبت اس جیسی شخصیت کو زیبا نہیں اور بلند بارگاہ میں زبان درازی لائق ومناسب نہیں، اگر دنیا میں کوئی قطب ہے تو درحقیقت قطب وہی ہیں''

اوراسی عقود(۱/۴۸۶) میں ہے کہ:

''وہ ہمارے زمانہ میں تاج العارفین اورشیخ الہدی ہیں۔غیرت وحمیت سے ہٹ کر کہیے وہ ایسے عالم وقطب ہیں جن کا ہر جگہ چرچا ہورہا ہے ،جب ہم ان کے اوصاف واقوال ذکرکرتے ہیں توان کے ذکر کی خوشبوعنبر کی طرح پھیلتی ہے''

اسی عقود(۱/۳۸۷) میں ہے کہ:

''ایک جماعت نے ان کے غسل کا بچاہوا پانی پیااوراور کچھ لوگوں نے ان کے غسل کے بچے ہوئے بیر کے پتے کو باہم تقسیم کیا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:ان کے سر کی ٹوپی کا ہدیہ پانچ سو درہم پیش کیا گیااوراور بعض لوگوں نے کہا کہ کھٹمل سے حفاظت کے لیے ان کی گردن میں ایک دھاگہ تھا جس میں پارہ تھااس کی قیمت ایک سو پچاس درہم ادا کی گئی اور جنازہ میں چیخ وپکار،گریہ وزاری اورآہ وفغاں خوب رہی،اورصالحیہ اوردوسرے شہروں میں ان کے حق میں بہت سے ختم پیش ہوئے اوراورطویل زمانہ تک شب وروزان کی قبر پرلوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا، اوران کے متعلق بہت سے اچھے خواب دیکھے گئے۔''

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے اصحاب یہ نہیں جانتے کہ ابن تیمیہ کوتصوف ناپسند تھا،اور یہ لوگ اپنی اس بے خبری میں اس کے اقوال کے خلاف اس کی اتباع کررہے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کی قبر کی تعظیم:

ابن تیمیہ کے متعلق اس کے متبعین کے کچھ مرثیے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں:

صاحب العقود الدریۃ (۱،۱/۴۷) نے اس کے ایک پیروکار کا کلام پیش کرتے ہوئے لکھا:

قد أودع القبر الشريف علومه عجبا لوسع القبر بحرا سائلا

ومجاور قبر الإمام مؤملا يا رب وارحمناوكل مشيع صلى عليه أوأتاه مقبلا

ترجمہ:''اس کی قبر شریف میں اس کے علوم ودیعت کردیے گئے ہیں،قبر کی وسعت پرحیرت و تعجب ہے کہ بحر سائل اس کی وسعتوں میں سما گیا ہے''۔

''اے رب! امام کی جوار قبر میں فروکش امیدواروں پر رحم فرما، اور ہم پر اور ہر اس شخص پر رحم فرما جس نے اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے رخصت کیا، یا آئندہ اس کے پاس آئے''۔

اور اسی عقود (۱/۴/۷۴) میں کہا:

عجبت لقبر ضمّ جسمک تربه أيحوي الثرى في تربه الشمس والبحر

نقلت من الدنيا إلى ظل روضة وحزت الذي أملت بالمقلة السهرا

ترجمہ:۔''مجھے تیرے جسم سے پیوستہ خاک قبر پر تعجب ہے، کیا زمین اپنی آغوش خاک میں شمس وبحر کو لیے ہوئے ہے''۔

''تجھے دنیا سے ایک باغ کے سایہ کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے، اور تو اس نعمت سے بہرہ ور ہو گیا جس کی تیری شب بیدار آنکھوں نے امید رکھی تھی''۔

اور اسی عقود (۱،۴۱۴) میں کہا:

''میں قاسیون میں ایک ایسی سرزمین سے گزرا جہاں عالم یگانہ کی قبر ہے، مجھے اس قبر پر حیرت ہوتی ہے جس میں فضیلت کا بحر ذخار اور سیادت وبلندی کا پیکر جلوہ آرا ہے''۔

اور اسی العقود (۱،۵۲۶) میں کہا:

''اے تربت انور! تو کس قدر پاکیزہ ومبارک ہے، اس زاہد ونیکوکار اور پاکیزہ وپرہیزگار کی وجہ سے جو تجھ میں سمایا ہوا ہے اور تو اس کی وجہ جنت خلد کا باغیچہ ہو گئی جب سے اس نے تیرے اندر پناہ لی تو تو اس عالی جاہ سردار پر جتنا فخر کر سکے کر''

میں کہتا ہوں: نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کے متعلق ابن تیمیہ کے اقوال بہت جلد آئیں گے، اور اس کا بھی ذکر آئے گا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس صحابۂ کرام کو سلام پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، حضور کی قبر اطہر کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی کتابوں (زیارۃ القبور اور مجموع الفتاوی) میں حضور اقدس کے

روضۂ اطہر کے لیے ''قبر شریف'' کا لفظ صرف دو ہی مرتبہ آیا ہے اور ابن قیم کی کتابوں میں تو سرے سے اس لفظ کا نام ونشان ہی نہیں۔

ذرا ابن تیمیہ کے متبعین کا کلام اس کی قبر کے بارے میں ملاحظہ کیجئے کہ اس کی قبر تو ''قبر شریف'' ہے، پھر یہ کہ اس (ابن تیمیہ) نے ایک بار بھی یہ ذکر نہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ ''رفیق اعلیٰ'' میں جلوہ آرا ہیں!

(۳) ابن تیمیہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ اس کی نظر لوح محفوظ پر ہے:

ابن قیم نے مدارج السالکین (۲، ۴۸۹-۴۹۰) میں کہا:

''۷۰۲ھ میں جب تاتاری مشتعل ہوئے، اور انھوں نے شام پر حملہ کا ارادہ کیا تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو یہ خبر دی کہ: شکست وہزیمت انھیں کی ہوگی اور فتح وکامیابی مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اس نے اس پر ستر بار سے زائد قسمیں کھائیں۔ ابن تیمیہ سے کہا جاتا کہ آپ ان شاء اللہ کہیں تو وہ ان شاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں اور اور میں نے اس سے یہ کہتے سنا کہ جب لوگوں نے میرے پاس اس (ان شاء اللہ) کی کثرت کی تو میں نے کہا تم لوگ ان شاء اللہ زیادہ نہ کہو، اللہ تعالی نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس بار انھیں کی شکست ہوگی اور لشکر اسلام فتح یاب ہوگا۔

اور ابن قیم نے یہ بھی ذکر کیا کہ: ''ابن تیمیہ کہتا تھا: میرے اصحاب اور دوسرے لوگ میرے پاس آتے ہیں تو میں ان کے چہروں اور اور ان کی آنکھوں میں کچھ ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جنھیں ان سے ذکر نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ: میرے علاوہ کسی اور کو آپ خبر دے دیتے، تو اس نے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری شہرت حاکموں اور والیوں کی طرح ہوجائے۔ میں نے ایک دن اس سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تو استقامت وصلاح کو مزید قوت ملتی، تو اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ ایک جمعہ یا یہ کہا کہ ایک مہینہ اس پر صبر نہ کرسکوگے۔

ابن تیمیہ نے بارہا مجھے کچھ ایسی باطنی چیزوں کی خبر دی جن کا تعلق خاص مجھ سے ہی تھا، میں ان کا عزم کرچکا تھا، مگر اپنی زبان سے کسی سے ذکر نہ کیا، اسی طرح مستقبل میں ہونے والے بعض اہم حوادث اور عظیم

واقعات کی خبر دی اور ان کے اوقات خاص و معین نہ کیے، میں نے بعض حوادث سر کی آنکھوں سے دیکھے اور بعض کا انتظار ہے، اس کے عظیم اصحاب نے جو حوادث دیکھے ہیں وہ میرے مشاہدات سے کئی گونا زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ رسول اکرم ﷺ پر تو یہ تہمت لگاتا ہے کہ آپ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، آپ کو مدینہ منورہ کے منافقوں کا حال معلوم نہ تھا، آپ اس کی ان کشف آمیز باتوں میں غور و فکر کیجئے اور خود فیصلہ کیجئے۔

(۴) ابن تیمیہ کے متبعین نہیں جانتے کہ ان کا شیخ کیا کہہ رہا ہے:

مجموع الفتاوی (۲۷/۲۰۰) اور العقود الدریۃ (۱/۳۶۴) میں ہے کہ اس کے ایک پیروکار نے اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

''اس پر طعن و تشنیع اور اعتراض کرنے والے یا تو جاہل ہیں جنھیں اس کی باتوں کا علم ہی نہیں، یا جان بوجھ کر جاہل بن رہے ہیں، انھیں ان کا حسد اور جاہلیت کی حمیت و غیرت اس پر آمادہ کر رہی ہے کہ علما کے نزدیک جو چیز مقبول ہے اسے رد کریں، اللہ تعالی حسد کی ہلاکت خیزیوں اور برائیوں سے ہمیں پناہ بخشے اور سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی پاکیزہ وستھری آل کے ساتھ بخل کے گمان وخیال سے بچائے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔

''كتبه الفقير إلى عفو ربه و رضوانه عبدالمومن بن عبدالحق الخطيب غفر الله له وللمسلمين أجمعين'' (اپنے رب کی بخشش و خوشنودی کا محتاج عبدالمومن ابن عبدالحق خطیب نے اسے لکھا۔)

اور ابن عبدالہادی نے العقود الدریۃ (۱،۲۸۶) میں یہ بھی کہا:

''ایک روز ان کے متعلق ایک مجلس قائم ہوئی، ابن عطا نے ان کے خلاف ایسی چیزوں کا دعوی کیا جن میں سے کسی چیز کا ثبوت فراہم نہ ہو سکا، البتہ انھوں نے یہ ضرور کہا کہ صرف اللہ ہی سے استغاثہ وفریاد کیا جائے یہاں تک کہ نبی سے بھی ایسا استغاثہ نہ کیا جائے جس میں عبادت کا معنی ہو، ہاں انھیں اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ اور شفیع

بنایا جائے، اس پر بعض حاضرین نے کہا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اور قاضی القضاۃ بدرالدین کی رائے یہ تھی کہ اس میں بے ادبی ہے''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی صفائی پیش کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ ابن تیمیہ نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنے والوں کو متہم بالشرک قرار دیتا ہے اسی لیے عبدالمومن نامی شخص نے اپنے گزشتہ کلام: ''بمحمد وآلہ'' میں حضور اور آپ کی آل پاک سے توسل کیا۔

(۵) ابن تیمیہ کے احوال:

ابن تیمیہ کے متبعین اس کے احوال کو نبی پاک ﷺ کے احوال جیسا قرار دیتے ہیں، اس کے ایک پیروکار نے درج ذیل اشعار کہے جیسا کہ العقو د الدریۃ (۱/۳۹۸) میں ہے:

لقد حاولوا منه الذي كان رامه من المصطفى قد ما حيي بن أخطب

ولكن رأى من بأسه مثلما رأى من المصطفى في حربه رأس مرحب

جنودهم من طامع ومذلل مسيلمة منهم يلوذ بأشعب

وجند من أهل السماء ملائك يمدك منهم موكب بعد موكب

ترجمہ:

(۱) ان لوگوں نے اس (ابن تیمیہ) کے ساتھ اسی چیز کا قصد وارادہ کیا جس کا اس سے پہلے حیی بن اخطب نے مصطفیٰ سے قصد وارادہ کیا تھا۔

(۲) مگر انھیں اس کی وہی قوت وشجاعت دیکھنے میں آئی جو رأس مرحب (جگہ کا نام) میں مصطفیٰ سے ان کی جنگ میں دیکھا۔

(۳) ان لوگوں کے لشکر طمع کرنے والے، ذلیل وخوار تھے جن میں سے مسیلمہ بھی تھا جو طمع وحرص میں مشہور زمانہ شخص ''اشعب'' کا پرتو تھا۔

(۴) ہر محاذ پر ان کے مقابل تیری مدد کے لیے آسمان سے ملائکہ کی فوجیں آتیں۔

اور الشهادة الزكية (۱/۶۷) میں اس کے ایک نیاز بردار نے یہ کہا:

يا وارثا من علوم الأنبياء نهى ... أورثت قلبي نارا وقدها الفكر

يا واحدا لست أستثني به أحدا ... من الأنام ولا أبقي ولا أذر

يا عالما بنقول الفقه أجمعها ... أعنك تحفظ زلات كما ذكروا

ترجمہ:

(۱) اے علوم انبیا کے وارث کامل العقل تو نے میرے قلب کو ایسی آگ کا وارث بنایا جسے فکر نے روشن کیا۔

(۲) اے وہ ذات جو ساری مخلوق میں یکتا و یگانہ ہے جس کے ذریعہ میں کسی مخلوق کا نہ استثنا کرتا ہوں اور نہ کسی کو باقی رکھتا اور چھوڑتا ہوں۔

(۳) اے فقہ کے تمام نقول کے عالم جیسا کہ لوگوں نے ذکر کیا تیرے عنان قلم لغزشوں سے محفوظ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں یہ کہا کہ ان کے بارے میں عیب اور طعن کی باتیں منقول ہیں اور اور حضرت علی نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر خطا کی ہے، ان کے اصحاب ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ...

اور العقود الدریۃ (۴۳۲،۱۸) میں اس کے ایک نیاز بردار کا یہ قول مذکور ہے کہ:

''وہ احمد کی امت کے ایک ایسے عالم ہیں جن کے جلیل القدر درست فیصلوں کو دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوگئیں''۔

میں کہتا ہوں: اے ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! حبر امت عبداللہ بن عباس ہی ہیں۔

بعض مقامات پر ابن تیمیہ کی تعریف اور بعض مقامات پر اس کی مذمت کرنے والوں کے اقوال

جن ائمہ نے یہ کہا کہ ابن تیمیہ کا شمار ان حضرات میں ہے جنھیں شیخ الاسلام کے لقب سے سرفراز کیا گیا ،انھوں نے اس کی تعریف میں یہ کہا کہ وہ علم وزہدوغیرہ میں وسعت کا حامل ہے، لیکن ہم اس مقام پر یہ ذکر کریں گے کہ ابن تیمیہ ایسی خطاؤں میں گرفتار ہوا جن پر خود ان ائمۂ عظام نے تنبیہ فرمائی، ان ائمہ اعلام کی تنبیہات ہم اس لیے ذکر کریں گے کہ کہیں مسلمان ان خطاؤں میں مبتلا نہ ہوں، ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی، اور صلاح صفدی، اور ابن حجر عسقلانی، اور سخاوی وغیرھم نے بعض باتوں میں ابن تیمیہ کی تعریف اور بعض امور میں اس کی مذمت کی۔

حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنۃ (۱،۱۷۶) میں ذہبی کا یہ قول ذکر کیا:

''اللہ کے دین اور اس کی راہ میں حق کے ساتھ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے لاحق نہ ہوتی، جس شخص کا ابن تیمیہ سے رابطہ وتعلق رہا اور جو اس کی حقیقت سے آشنا ہے وہ میرے بارے میں کہے گا کہ میں نے اس کی شان میں کمی اور کوتاہی کی ہے اور جو اس کا مخالف اور دشمن ہے وہ یہ کہے گا کہ میں نے اس کے بارے میں غلو کیا ہے، اس کے موافق ومخالف دونوں فریق کی اذیتوں اور تکلیفوں سے مجھے دوچار ہونا پڑا، میں اس کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ ہے بلکہ میں تو فرعی اور اصلی مسائل میں اس کا مخالف ہوں کیوں کہ وہ اپنی وسعت علم، کمال شجاعت، تیزی ذہن اور دین کی حرمتوں کی تعظیم کے باوجود محض ایک انسان تھا جو بحث میں غضب کا شکار ہوجاتا، اور خصم پر سخت غصہ وناراض ہوجاتا، جس کے سبب لوگوں کے دلوں میں اس کی عداوت ودشمنی پیدا ہوجاتی''۔

اور آپ (حافظ ابن حجر) نے اسی ''الدرر الکامنۃ'' (۱/۱۵۸) میں ذہبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ:

''اوراس (ابن تیمیہ) نے اپنے موافق ایسی دلیلوں اور ایسی چیزوں سے استدلال کیا جن کی طرف اس سے پہلے کسی کی رسائی نہ ہوئی، اور ایسی مطلق عبارتیں تحریر کیں جن سے دوسرے لوگ باز رہے، یہاں تک کہ علمائے مصر اس پر برافروختہ ہوئے اور اسے مبتدع اور بد مذہب قرار دیا''۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ''**زغل العلم**'' (ص:۱۸) میں کہا:

''جس مسئلہ میں تمہیں اذعان واعتقاد نہ ہو اس میں نزاع اور مخالفت نہ کرو اور اپنے عمل پر تکبر وغرور سے بچو، تمہاری سعادتوں کا کیا کہنا اگر تم اس سے بقدر ضرورت حاصل کر کے نجات پالو کہ نہ تمہارا نقصان ہو نہ نفع۔ بخدا جسے ابن تیمیہ کہا جاتا ہے میں نے اس سے زیادہ کشادہ علم، اور بلند ذکاوت والا نہ دیکھا، اسے کھانے پہننے اور عورتوں سے کوئی رغبت نہ تھی، وہ حق وجہاد میں ہر ممکن کوشش کرتا، مجھے اس کے موازنہ اور تلاش وجستجو میں کافی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا، بالآخر طویل عرصہ کی جانچ پڑتال اور تحقیق وتفحص سے میں اکتا گیا اور اور میں نے دیکھا کہ اہل مصر وشام میں کوئی ایسا شخص نہیں جس سے اس کا پایۂ علم کم ہو، ان حضرات کو اس سے نفرت وکراہت تھی، انھوں نے اس کی تحقیر وتکذیب اور تکفیر کی، یہ ساری چیزیں انکار وفخر وغرور اور خود بینی کا نتیجہ تھیں، انھیں مشائخ کی ریاست وبزرگی کی تحقیر سے کامل شغف تھا، ذرا دیکھیے! دعووں اور شہرت وناموری کی محبت کا وبال کیا ہوتا ہے، ہم اللہ تعالی سے عفو ودرگذر کا سوال کرتے ہیں۔ اس کی مخالفت میں ایسے لوگ کھڑے ہوئے جو شجاعت وذکاوت اور علم وزہد میں اس سے اعلی نہ تھے، بلکہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے اصحاب ورفقا کی خطاؤں اور لغزشوں کو درگذر کر دیتے ہیں، اس کی پرہیزگاری اور اور جلالت وبزرگی بلکہ اس کے گناہوں کے سبب اللہ نے انھیں اس پر قدرت نہ بخشی تھی، اس کی اور اس کے متبعین کی اللہ نے خوب مدافعت فرمائی، ان کے ہاتھ صرف وہی آیا جو ان کا نصیب تھا اس لیے کسی کو شبہ میں نہ پڑنا چاہئے''۔

اور حافظ ذہبی نے (ص:۲۲) کہا:

اصولیین کے درمیان تکفیر وتضلیل کی تلوار ہے جو کبھی اس کی تکفیر وتضلیل کرتی ہے تو کبھی اس کے ظواہر اور آثار پر وقوف واطلاع رکھنے والے اصولیین اپنی مخاصمت کے وقت اسے مجسم، حشوی اور بد مذہب (مبتدع)

ٹھہراتے ہیں، اور دوسروں کی تاویل کا انکار کرنے والے اصولیین جہمی ،معتزلی اور گمراہ کہتے ہیں اور جن اصولیوں نے بعض صفتوں کو ثابت مانا اور بعض کا انکار کیا اور اور بعض مقامات کی تاویل کی خود ان کے اقوال میں تناقض ہے، اور سلامتی اور عافیت تمہارے لیے بہتر ہے۔

اگر اصول اور اس کے توابع منطق وحکمت وفلسفہ، اور متقدمین کی رایوں، اور عقلوں کے مجازات کے بارے میں تمہیں مہارت وکمال ہے اور اس کے ساتھ کتاب وسنت اور اصول وسلف کا دامن تمہارے مضبوط ہاتھوں میں ہے، اور عقل ونقل میں تم نے مطابقت رکھی تو میں سمجھتا ہوں کہ تم ابن تیمیہ کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بخدا تم اس کے مقام کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔

ان کے ساتھ پیش آنے والے معاملات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، انھیں ان کے مقام سے فروتر کر کے تن تنہا چھوڑ دیا گیا، ان کی تضلیل وتکفیر، اور حق وباطل کی تکذیب کی گئی۔ اس صنعت وانڈسٹری میں قدم رنجہ ہونے سے پہلے ابن تیمیہ کے چہرے پر سلف کے آثار روشن وتاباں تھے، بعد میں ان کا رخ تاباں تاریک اور گہن آلود ہو گیا، کچھ لوگوں کے نزدیک ان پر سیاہی اور تاریکی خیمہ زن ہو گئی، وہ اپنے اعدا کی نظروں میں دجال وکذاب وکافر اور بعض کی نظروں میں بدمذہب فاضل محقق ماہر نظر آئے، ان کے عام اصحاب نے انھیں فاضل عاقل، اسلام کا علمبردار، دین کی سرحدوں کا محافظ وپاسباں اور سنتوں کو زندہ کرنے والا جانا، وہ بس وہی ہیں جو میں تم سے کہہ رہا ہوں''۔ (ان کے تلمیذ حافظ ذہبی کا کلام ختم ہوا۔)

اور حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''**الإعلان بالتوبیخ**'' میں ایک مکتوب کا متن ذکر کیا ہے جسے حافظ ذہبی نے ابن تیمیہ کے پاس ان کی حیات میں بھیجا تھا، اس مکتوب میں بھی قریب قریب گزشتہ نصیحتیں ہیں۔

ان کے جائزہ میں ابن تیمیہ کے کچھ مدح خواں لوگ ہیں۔

علامہ نبہانی نے شواہد الحق (۱۸۸،۱۸۹) میں کہا اور صلاح صفدی شافعی انھیں (مدح خواں) لوگوں میں سے ہیں، انھوں نے اپنی شرح ''**لامیة العجم**'' میں طغرانی کا یہ قول ذکر کیا:

''اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیل بن احمد رحمہ اللہ تعالی اور عبداللہ بن مقفع ایک رات اکٹھا ہوئے تو صبح

تک سلسلۂ کلام دراز رہا، جب مجلس برخواست ہوئی تو خلیل سے پوچھا گیا کہ آپ نے انہیں کیسا پایا؟ تو انھوں نے کہا کہ میری نظر میں ان کا علم ان کی عقل سے بلند ہے اور ابن المقفع کا یہی حال تھا، کیوں کہ ان کی کم عقلی اور بسیار گوئی نے انہیں بری طرح قتل کیا، اور بدتر موت کے گھاٹ اتارا''۔

صلاح صفدی نے طغرانی کا یہ قول ذکر کر کے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ: اسی طرح شیخ امام عالم علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی تھے، ان کا علم حد درجہ وسیع تھا، اور ان کی عقل ناقص تھی جو انہیں ہلاکت گاہوں اور تنگ وادیوں میں گرا دیتی۔'' (صفدی کا کلام ختم ہوا۔)

حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنة'' (۱، ۱۷۹-۱۸۲) میں کہا:

''طوفی نے کہا: میں نے ابن تیمیہ سے یہ کہتے سنا کہ جس نے مجھ سے بغیر استفادہ سوال کیا میں نے اس کے سامنے اپنی تحقیق پیش کی، اور جس نے میری ایذا رسانی اور تلبیس کی خاطر سوال کیا میں نے اس کی مخالفت کی تو جلد ہی اس کا سوال (کلام) ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی مشقت دفع ہو جاتی ہے اور انھوں نے اپنی تصانیف ذکر کی......اور اسی وجہ سے اس کے اصحاب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس کے بارے میں غلو کیا ہے، اور اس کا باعث اور محرک یہ بنا کہ اسے اپنے او پر فخر وغرور تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے ہم جنسوں پر فخر و تکبر کیا اور یہ گمان کیا کہ وہ مجتہد ہے اور چھوٹے بڑے، پختہ اور معاصر علما کا رد کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچ گیا تو آپ کے متعلق کسی معاملہ میں خطا کی تو یہ خبر شیخ ابراہیم رقی تک پہونچی، آپ نے اسے قبیح اور شنیع کہا، اور اس سے منع کیا تو آپ کے پاس جا کر معذرت اور استغفار کیا۔ اور حضرت علی کے بارے میں کہا کہ: سترہ چیزوں میں ان سے خطا ہوئی ہے، جن میں کتاب اللہ کے نص کی مخالفت کی ہے، ان سترہ میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے بیوہ عورت کی عدت دو مدتوں میں سے طویل مدت کو قرار دیا ہے، اور حنبلیوں کے مذہب کی حمایت کی بنا پر اس نے اشاعرہ کے بارے میں ہجو آمیز کلام کیا یہاں تک کہ امام غزالی کی گستاخی و بے ادبی کی تو کچھ لوگ اسے قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ ''حدیث نزول'' ذکر کر کے منبر سے دو زینہ نیچے اترا اور کہا کہ: ''اللہ کا نزول میرے اسی اترنے کی طرح ہے''۔ تو بعض لوگوں نے اس کا یہ قول فرقۂ مجسمہ کا عقیدہ

قرار دے کر اسے مجسمہ کہا، علاوہ ازیں اس شخص نے نبی پاک سے توسل یا استغاثہ کرنے والوں کا رد کیا بالآخر رمضان ۷۰۵ھ میں دمشق سے باہر کر دیا گیا، بہرحال اس کے خلاف جو ہونا تھا ہوا، اسے بار بار قید کیا گیا تقریباً چار سال یا اس سے زیادہ قید میں رہا''

اس کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے بعض لوگوں نے اسے مجسمہ کہا اس لیے کہ اس نے ''العقیدۃ الحمویۃ والواسطیۃ'' اور دوسری کتابوں میں تجسیم کا عقیدہ ذکر کیا ہے انہیں میں سے اس کا یہ قول ہے: کہ ید (ہاتھ) اور قدم (پاؤں) اور ساق (پنڈلی) اور وجہ (چہرہ) اللہ کی حقیقی صفتیں ہیں، وہ بالذات عرش پر مستوی ہے، اس عقیدہ کے سبب ابن تیمیہ سے کہا گیا کہ اس سے تو اللہ کا حیز ومکان میں ہونا، اور اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا، تو اس نے جواب دیا: میں یہ نہیں مانتا کہ حیز ومکان میں ہونا اور منقسم ہونا اجسام کا خاصہ ہے، تو اس پر یہ الزام وارد کیا گیا کہ اللہ کی ذات کے متعلق اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حیز ومکان میں ہے۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ: وہ زندیق ہے دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ نبی پاک سے استغاثہ نہ کیا جائے اور اس میں نبی کی تعظیم کی تنقیص ہے، اس معاملہ میں اس پر سب سے زیادہ سخت نور بکری تھے کیوں کہ ابن تیمیہ کے ان معاملات وخرافات کے سبب اس کے لیے ایک مجلس قائم کی گئی تو بعض حاضرین مجلس نے کہا کہ وہ لائق تعزیر ہے، تو نور بکری نے کہا کہ یہ بے معنی اور بے مطلب بات ہے۔ اگر یہ تنقیص ہے تو اسے قتل کیا جائے اور اگر تنقیص نہیں تو پھر تعزیر نہیں۔

اور بعض لوگ اسے منافق کہتے ہیں اس لیے کہ وہ حضرت علی کے متعلق گزشتہ خیالات رکھتا ہے، اور اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ علی جہاں گئے کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے بارہا خلافت کا قصد کیا تو اس میں کامیابی نہ ملی، اور انھوں نے ریاست وسرداری کے لیے قتال کیا دیانت کے لیے نہیں، اور اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ انہیں سرداری پسند تھی، اور عثمان کو مال محبوب تھا، اور اس نے یہ کہا کہ ابوبکر بڑھاپے میں اسلام لائے انہیں اپنی باتوں کا علم تھا، اور علی بچپن میں اسلام لائے، اور ایک قول کے مطابق بچے کا اسلام لانا صحیح نہیں۔ اور اس وجہ سے کہ ابوجہل کی بیٹی کے پیغام نکاح اور ابوالعاص ابن الربیع کے واقعہ میں اسے کلام تھا، اس واقعہ سے جو کچھ

ماخوذ ومفہوم ہوتا ہے اس میں اس نے حضرت علی پر طعن وتشنیع کی ہے انہیں تمام وجہوں سے لوگوں نے اس پر نفاق کا الزام لگایا کیوں کہ حضور اقدس نے فرمایا: ''ولا یبغضک إلا منافق'' کہ ''منافق ہی تم سے بغض رکھے گا''۔

اور بعض لوگوں نے اس کے متعلق یہ کہا کہ: ''وہ امامت کبریٰ کے لیے کوشاں تھا کیوں کہ وہ ابن تومرت کے ذکر کا شیفتہ وفریفتہ تھا، اور اس کی تعریف میں مبالغہ کرتا اور یہ بات بالکل صحیح ودرست ہے، اور اس کے علاوہ اس کے بہت سے مشہور واقعات ہیں۔ جب اس کی شدید مخالفت ہوئی اور اس پر الزام لگایا گیا تو وہ کہنے لگا میرا مقصد یہ نہ تھا صرف میرا ارادہ یہ تھا، اس طرح سے بعید احتمال ذکر کرتا'' اھ ـــــ (حافظ ذہبی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا۔)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/۴۱۰) میں یہ بھی کہا:

''کان الله ولم یکن شيء قبله'' (اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی) اور اس سے پہلے ''باب بدء الخلق'' میں یہ لفظ گزرا: ''ولم یکن شيء غیره'' (اور اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی) اور ابومعاویہ کی روایت میں ''کان الله قبل کل شيءٔ'' ہے یعنی (اللہ ہر شئ سے پہلے موجود تھا) ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی شئ نہ تھی، اس میں ان لوگوں کا کھلا ہوا رد ہے جو اس باب کی روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کچھ ایسے حوادث موجود ہیں جن کے وجود کی ابتدا نہیں، ابن تیمیہ کی طرف منسوب شنیع مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳،۶۶) میں مزید کہا:

''حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا ابن تیمیہ پر یہ الزام ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام قرار دیتا ہے اور ہمیں اس کا ظاہر پسند نہیں، طرفین نے اس کی طویل شرح کی ہے اور یہ بدترین مسئلہ بھی ابن تیمیہ سے منقول ہے''۔

حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنة'' (۲،۳۱۲) میں ابن تیمیہ کے ایک متبع کے احوال میں کہا کہ:

''شہاب ابن جی نے کہا کہ وہ اچھی فہم والا، مشہور ذہین شخص تھا، آخر میں اس نے مذہب ظاہری کو

پسند کیا، اوراجتہاد کا طریقہ اختیار کیا اور ابن تیمیہ کے طریقے پر کھلم کھلا اکابر فقہا کی جماعت کو خطا کار ٹھہرانے لگا''۔

اور ابن حجر نے اللسان (٦، ٣١٩) میں ابن مطہر (ابن تیمیہ ابن المطہر کے کلام کا سخت رد کرتا تھا) کے حالات میں ابن تیمیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''لیکن میں نے اسے (ابن تیمیہ کو) ابن المطہر کی ذکر کردہ حدیثیں رد کرنے پر مکمل متوجہ پایا اگر چہ اس کا عظیم حصہ موضوعات اورواہیات سے ہے لیکن اس نے اس کے رد میں بہت سی جید حدیثوں کو بھی رد کیا، وہ مقامات بحالت تصنیف مجھے مستحضر نہیں، وہ اپنی وسعت حفظ کے سبب اپنے سینے میں محفوظ معانی پر اعتماد کیا کرتا تھا، اور انسان نسیان کا قصد کرتا رہتا ہے (قصداً بھول جاتا ہے)۔

اور رافضیوں کے کلام کی اہانت کے لیے بارہا ایسے مبالغے کیے جن سے بسا اوقات حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی تنقیص شان کی نوبت آئی، اس سوانح میں اس کی توضیح وتمثیل کی گنجائش نہیں''اھـــ (حافظ ذہبی کا کلام بعینہ مکمل ہوا۔)

اکثر مقامات پر ابن تیمیہ کی مذمت کرنے والے

ابن الرفعہ، باجی، ابن الزملکانی، صفی الدین ہندی، اور ابن المرحل، تقی الدین سبکی، اور تقی الدین حصنی اور علاء بخاری اور دیگر حضرات نے ابن تیمیہ کی مذمت کی۔ براہ اختصار بعض حضرات کے اقوال نقل کر رہے ہیں:

شام کے زعیم الاشراف (معزز لوگوں کے رہنما وپیشوا) تقی الدین حصنی نے ابن تیمیہ کے رد میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام۔ ''**دفع شبه من شبه وتمرد ونسب ذلك إلى السيدالإمام أحمد**'' ہے آپ نے اس کتاب (١، ٤٥) میں کہا:

''شامیوں نے بھی ابن تیمیہ کے متعلق فتوے لکھے کیوں کہ سب سے پہلے ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کا اختراع کیا، یہ اسی شخص کا کارنامہ ہوسکتا ہے جو سید الاولین والآخرین سے دلی کینہ رکھتا ہو''۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ (١-١٠٩، ١١٠) میں کہا:

''دمشق میں تقی الدین ابن تیمیہ عظیم حنبلی فقیہ، شام کے معزز اشخاص میں سے تھا مختلف علوم وفنون میں ملکۂ کلام رکھتا تھا، مگر اس کی عقل میں کچھ کمی تھی، میں دمشق میں جمعہ کے دن اس کے پاس پہنچا وہ جامع مسجد کے منبر پر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرر ہا تھا، دوران وعظ اس کے کلام کا ایک حصہ یہ تھا کہ:''**إن الله ينزل من سماء الدنيا كنزولي هذا**'' اللہ آسمان دنیا سے اس طرح نزول فرمائے گا جیسا کہ اس منبر سے میں اتر رہا ہوں، یہ کہہ کر منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی اترا''۔

اور حافظ ولی الدین عراقی نے بھی حافظ ابن فہد کے سوال کے جواب میں ایک کتاب ''**الأجوبة المرضية عن الأسئلة المالكية**''، لکھی جس میں انھوں نے حسب ذیل مضمون پر مشتمل عبارت لکھی:

''شیخ تقی الدین ابن تیمیہ، جیسا کہ اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے، اس نے اپنے اجتہاد کے سبب بہت سے مسائل میں خرق اجماع کیا، ایک قول کے مطابق تقریباً ساٹھ مسائل میں خرق اجماع کیا۔اسی وجہ سے اس کے خلاف چہ میگوئیاں ہوئیں، اس کا رد کیا گیا، اس کی مذمت وملامت ہوئی اور آزمائش وامتحان سے گزرا۔

اس کے زمانہ کے علمانے اس کا برملا رد کیا، اور اسے گستاخ ومبتدع اور بد مذہب قرار دینے میں سبقت کی، اسی وجہ سے قید خانہ میں اس کی موت ہوئی، اور اس کی نصرت وحمایت اور موافقت کرنے والے دوسرے ائمہ کی طرح اسے ایک امام قرار دیتے ہیں کہ مسائل فروع میں اس کی مخالفت مضر نہیں جب کہ مخالفت کی بنیاد اجتہاد ہو، لیکن اس کی مخالفت کرنے والے علما فرماتے ہیں کہ اس کے تمام مسائل فروع ہی سے متعلق نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر مسائل اصول سے متعلق ہیں، اور جن مسائل فروع پر امت کا اجماع ہو چکا ہے ان میں اس کے لیے مخالفت کی گنجائش نہیں، رہ گئی پیشوا ائمہ کی مخالفت تو یہ ان مسائل میں سے نہیں جن پر پہلے ہی سے اجماع ہو چکا ہے، بعض اسلاف کرام کی مخالفت اجماع سے پیشتر ہے اجماع کے بعد نہیں جیسا کہ بہت سارے ائمہ نے اس کی واضح تصریح فرمادی ہے۔ابن تیمیہ نے طلاق اور زیارت کے سلسلے میں نہایت بدترین مسائل ذکر کیے ہیں۔شیخ امام تقی الدین سبکی نے ان دونوں مسئلوں میں اس کا سخت رد فرمایا ہے، اور اس موضوع پر مستقل اور بہترین

کتاب تصنیف فرمائی۔'' (حافظ ولی الدین کا کلام پورا ہوا۔)

عبدالحی کتانی نے فہرس الفہارس (۲۰۱/۱و۲۰۲) میں ابن تیمیہ کے حالات کے تحت ذکر کیا:

''ابن تیمیہ سے جو بدترین چیزیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے قاضی عیاض کی شفا کے بارے میں کہا ''غلا هذا المغيربي'' کہ اس حقیر وذلیل مغربی نے غلو کیا۔

افریقہ کے شیخ الاسلام امام ذی شان ابوعبداللہ بن عرفہ تونسی نے اس سلسلے میں کہا:

شفاء عياض في كمال نبينا كواصف ضوء الشمس ناظر قرصها

فلا غر وفي تبليغه كنه وصفه وفي عجزه عن وصفه كنه شخصها

وإن شئت تشبيهاً بذكر إمارة بأصل ببرهان مبين لنقصها

وهذا بقول قيل عن (زائغ) غلا عياض فتبت ذاته عن محيصها

قاضی عیاض کی شفا ہمارے نبی کے کمال میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قرص خورشید کو آنکھوں سے دیکھ کر اس کی روشنی کا حال بیان کرے۔

تو یہ تعجب کی بات نہیں کہ آپ کے اوصاف کی کنہ تک ان کی رسائی ہو، اور آپ کی ذات کی کنہ اور حقیقت بیان کرنے سے عاجز رہیں۔

اگر آپ کوئی علامت ونشانی ذکر کر کے روشن دلیل کے ذریعہ کسی چیز کو کسی اصل سے تشبیہ دینا چاہیں تو اس کی شان میں کمی واقع ہوگی۔

اور یہ اس قول کی بنا پر جو ایک حق سے انحراف کرنے والے نے کہا کہ: عیاض نے غلو کیا تو وہ معترض برگشتۂ حق ہوا اور اپنے مقام (ٹھکانہ) سے منحرف ہو کر ہلاک و برباد ہوا۔

ان کے تلمیذ بسیلی نے اپنی تفسیر، اور مقری نے (ازہار الریاض)، اور فاس کے شیخ الجماعۃ ابوالسعود عبدالقادر فاسی نے اپنے حواشی بخاری میں انہیں ذکر کیا۔

اور علامہ احمد ابن حجر ہیتمی نے '' الجوهر المنظم في زيارة القبر الشريف النبي المكرّم '' میں

فرمایا:

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کون ہے جس کی طرف نظر کیا جائے، یا دین کے معاملات میں اس کو معتمد جانا جائے؟ وہ تو صرف وہی ہے جو ائمہ کی جماعت نے فرمایا، ان حضرات نے اس کے فاسد کلمات اور اس کی کھوٹی دلیلوں پر سخت گرفت فرمائی، یہاں تک کہ اس کی لغزشوں کا عیب، اور اس کے قبیح اوہام واغلاط کی حقیقت بے نقاب کر کے رکھ دیا، ان ائمہ کی صف میں عز بن جماعہ ہیں جنھوں نے کہا:

''وہ ایسا بندہ ہے جسے اللہ نے گمراہ اور برگشتہ راہ فرمایا اور اس پر ذلت وخواری کی چادر ڈالی، اور اس کی کثرت کذب وافترا کے سبب اسے ایسے مقام پر پہنچایا جس کا انجام رسوائی اور محرومی کے سوا کچھ نہیں، ابن تیمیہ سے مذکورہ چیزوں میں سے جو کچھ بھی واقع ہوا وہ اگر چہ لغزش وخطا ہے مگر اسے درگذر نہیں کیا جا سکتا، یہ اس کی ایسی مصیبت ہے جس کی نحوست ہمیشہ اس پر چھائی رہے گی''۔

علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کی **المواھب اللدنیہ** کی شرح (۸-۳۱۴،۳۱۵) میں تحریر فرمایا:

''کیا اس شخص کو اس چیز کی تکذیب سے حیا نہیں آئی جو اس کے احاطہ علم سے باہر ہے، اس کی عقل فاسد نے جس چیز کا اختراع کیا اگر کوئی اس کی مخالفت کر دے تو وہ حملہ آور قرار پاتا ہے، اسے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کس چیز کو دفع کر رہا ہے، اگر کوئی کمزور شبہ اس کے ہاتھ نہیں آتا جس کے ذریعہ وہ اسے اپنے زعم کے ذریعہ دفع کرے تو وہ پلٹ کر یہ دعوی کرتا ہے کہ جس نے اس پر بہتان باندھا اور اس کی طرف بے تکی باتیں منسوب کیں اس نے سراسر جھوٹ کہا۔ تو جس عالم نے اس شخص کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے اس نے عدل وانصاف کیا''۔

علامہ نبہانی نے شواہد الحق (ص:۱۸۵) میں کہا:

''انہیں حضرات میں سے ملا علی قاری حنفی ہیں جنھوں نے اپنی شرح شفا میں کہا: ابن تیمیہ حنبلی نے دوسروں کے افراط کی طرح تفریط اور کوتاہی کی کیوں کہ اس نے نبی پاک ﷺ کے سفر زیارت کو حرام قرار دیا۔ انھوں نے کہا: اس پر علما نے فرمایا کہ: زیارت کا دین کی قربت مخصوصہ ہونا بدیہی چیز ہے اس کے منکر پر حکم کفر ہے،

اور امید کہ ثانی درستگی کے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ جس امر کے استحباب پر علما کا اجماع ہے اسے حرام قرار دینا کفر ہے، کیوں کہ اس باب میں اس کی تحریم کا حکم متفق علیہ مباح کی تحریم سے بڑھ کر ہے"۔

اور انہیں میں شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ تعالی ہیں جنھوں نے شرح شفا میں فرمایا: نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد**"، "اللہ ان لوگوں پر لعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بناڈالا" اس کے بعد فرمایا کہ: یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ یہی حدیث ابن تیمیہ اور اس کے متبع جیسا کہ ابن قیم کے لیے اس بات کا داعی اور محرک بنی کہ انھوں نے وہ بری باتیں کہیں جن کے سبب علما نے ان کی تکفیر کی، اور امام سبکی نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ ابن تیمیہ نے یہ شنیع بات کہی کہ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت، اور اس بارگاہ عالی کا سفر کرنا ممنوع ہے حالاں کہ آپ کی ذات اقدس اس کا حسین مصداق ہے:

"**لمهبط الوحي حقا ترحل النجب** **وعند ذلک المرجی ينتهي الطلب**"

مہبط وحی کی طرف خوش رفتار اونٹنیاں رواں دواں ہیں- اسی امید گاہ کے پاس امید وتمنا پوری ہوتی ہے۔

دراصل ابن تیمیہ کو یہ وہم ہوا کہ اس نے بے جا خرافات کر کے جانب توحید کی حمایت کی ہے، ایسے خرافات عاقل سے صادر نہیں ہوتے چہ جائے کہ فاضل سے۔ سامحہ اللہ تعالیٰ"۔ شہاب الدین خفاجی کی عبارت ختم ہوئی۔

اور انہیں میں امام عبدالرؤف مناوی شافعی (صاحب فیض القدیر رحمہ اللہ تعالی) نے شرح شمائل میں فرمایا: ابن قیم نے کہا کہ اس کے شیخ ابن تیمیہ نے یہ ذکر کیا کہ: "مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں شانوں کے درمیان رکھے ہوئے دیکھا تو اس مقام کو زلف سے مزین ومکرم فرمایا"۔ شارح ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالی نے اس کا ردیوں فرمایا کہ یہ ان دونوں کی قبیح گمراہی ہے، اس کی بنیاد ان دونوں کے اس باطل مذہب پر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے لیے جہت اور جسم ثابت مانتے ہیں، اللہ تعالی ظالموں کی بکواس سے بے

حد برتر و بلند ہے۔

مناوی نے یہ ذکر کر کے فرمایا: میں کہتا ہوں: ان دونوں کا مبتدع اور بد مذہب ہونا تو لائق تسلیم ہے لیکن اس کی بنیاد خاص مسئلہ تجسیم کو قرار دینا درست نہیں۔

(۱) ہمیں رسول اللہ ﷺ کے وصال پر ملال کا غم کیوں نہ ہو؟

ابن تیمیہ نے اس بات کی تصریح کی کہ رسول اللہ ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں، اگر آپ کے غم وصال کا کوئی فائدہ ہوتا تو آپ کا غم وصال ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو کمزور وناتواں کر دیتا، حالاں کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت آپ کو ایسا غم نہ ہوا جیسا کہ غار میں ہوا تھا، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس دن مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ روشن ومنور ہو گیا، اور جس دن آپ کا وصال ہوا سارا مدینہ ظلمت کدہ بن گیا، اور فرمایا کہ: ''**ما نفضنا عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الأيدي حتى انكرنا قلوبنا**'' ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا مگر ہم نے اپنے دلوں کو غیر پایا۔[1]

بھلا مدینہ کیوں کر تاریک نہ ہوگا جب کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ [المائدہ-۵:۱۵]

---

(۱) انس کی حدیث میں یہ ہے: **لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة أضاء منها كل شيء**'' رسول اللہ ﷺ جس دن مدینہ طیبہ میں جلوہ ساماں ہوئے آپ کے انوار سے سارا مدینہ روشن ہو گیا۔ امام احمد نے اس کی تخریج کی (۲۶۸/۳) اور ترمذی (۵۸۸/۵) نے یہ حدیث تخریج کی، اور ترمذی نے یہ کہا کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔ اور ابن ماجہ (۵۲۲/۱) نے تخریج کی، اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۶۰۱/۱۴) اور حاکم نے مستدرک (۵۹/۳) میں تخریج کر کے کہا کہ: مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور ان دونوں (شیخین) نے اس کی تخریج نہ کی۔ اور الضیاء نے المختارۃ میں (۴/۷۴۱۷ و۴۲۰) تخریج کی جیسا کہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں اس کی تصحیح کی اور کہا کہ اس کی سند صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ اور ابو یعلی (۱۱۰/۶)، اور عبد بن حمید (۳۸۶/۱) اور ابن سعد نے طبقات (۲۷۴/۲) میں، اور رویانی (۳۹۲/۲)، اور خطیب نے تاریخ بغداد میں (۱۵/۱۳) تخریج کی اور حافظ نے فتح الباری (۱۴۹/۸) میں کہا کہ: بزاز نے سند جید کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی۔

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

ائمہ سلف وخلف کے ارشاد کے مطابق اس آیت کریمہ میں نور سے مراد نبی پاک ﷺ کی ذات پاک ہے۔(۱)

آپ پر لوگ کیوں اشک بار اور غم ناک نہ ہوں گے جب کہ آپ کے رب نے آپ کے بارے میں فرمایا:﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الانفال-۸: ۳۳] اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔(کنزالایمان)

اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي فإذاذهبت أتى أصحابي مايوعدون ،وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون**''(مشکاۃ المصابیح باب فضائل الصحابہ)

''ستارے آسمان کے لیے امان ہیں جب ستارے روپوش ہو جائیں گے تو آسمان کو وہ پہنچے گا جس کا اس سے وعدہ ہے، اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں، جب میں رفیق اعلی سے جاملوں گا تو میرے صحابہ پر وہ گزرے گا جس کا ان سے وعدہ ہے، اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ پہنچے گا جس کا اس سے وعدہ ہے''۔(۲)

---

(۱) ائمہ مفسرین نے اس کی تصریح فرمائی مثلا طبری نے اپنی تفسیر میں (۱۶۱/۶) اور جعفر نحاس نے معانی القرآن میں (۲۸۴/۲) اور واحدی (۳۱۳/۱) اور بغوی (۳۷/۱) اور ابن الجوزی نے زادالمسیر میں (۳۱۶/۲) اور قرطبی (۱۱۸/۶) اور ثعالبی (۴۵۳/۱) اور بیضاوی (۳۰۷/۲) اور نسفی (۲۷۵/۱) اور ابوالسعود (۱/۱) اور سیوطی (۱۳۹/۱) اور آلوسی نے روح المعانی (۱۶۶/۱۸) میں اور شوکانی نے فتح القدیر میں (۲۶/۲)۔

(۲) احمد نے اس حدیث کی تخریج کی (۴، ۳۹۸) اور مسلم (۴، ۱۹۶۱) اور ابن حبان (۱۶، ۲۳۴) وغیرہم نے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱، ۳۱۲) میں کہا: طبرانی نے ثلاثہ (صغیر واوسط وکبیر تینوں کتابوں) میں اسے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ابن عمر جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر فرماتے آپ کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور اس ارض مقدس سے جب بھی گذرتے اپنی آنکھیں بند فرما لیتے۔[1]

اور امام احمد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ زہری نے فرمایا: مجھے انصار کے ایک ثقہ شخص نے یہ خبر دی کہ انھوں نے عثمان بن عفان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ بیان کرتے سنا کہ نبی پاک ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کے وصال پر حد درجہ غمگین ہوئے، ایسا لگ رہا تھا کہ بعض صحابہ وسوسہ میں پڑ جائیں گے۔[2]

اور عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میرے گمان میں عمر کی شہادت کے دن برے گھرانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو سوگوار نہ ہوا ہو۔[3]

ان حقائق وشواہد کے بعد رسول اللہ ﷺ کے وصال کا غم نہ منانے والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

---

(۱) عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر کے اثر کی روایت بیہقی نے المدخل الی السنن الکبری (۱، ۱۴۸) میں کی، اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۴، ۱۸۷) میں بیہقی کی طرف اس کی نسبت زہد میں کی اور یہ کہا کہ: صحیح سند سے مروی ہے اور یہ بھی کہا کہ: دارمی نے تاریخ ابوالعباس سراج میں سند جید کے ساتھ اس کو اس طریق سے تخریج کیا۔

(۲) احمد نے اس کی تخریج کی (۱، ۶) اور معمر بن راشد نے اپنی جامع (۱۱/ ۲۸۵، ۲۸۶) اور ابو یعلی (۱، ۲۱)، اور ابن سعد نے طبقات میں (۲، ۳۱۲) تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں (۱-۱۴، ۱۵) کہا: ''احمد وطبرانی نے اختصار کے ساتھ اوسط میں، اور ابو یعلی نے بتمامہ اور بزاز نے اسی طرح روایت کیا، اور اس میں ایک نامعلوم راوی ہیں زہری نے ان کی توثیق کی ہے، اور ان کو مبہم کہا، اور میں نے اسے ان کی سند کے ساتھ ذکر کیا تاکہ منقطع سند سے میری کتاب کا آغاز نہ ہو۔ اھ

(۳) ابن ابوشیبہ (۶/ ۳۵۵) اور طبرانی نے کبیر میں (۹/ ۱۶۱) اس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۷۷، ۷۸) میں کہا: ''طبرانی نے اس کو ایسی سندوں اور ایسے راویوں سے روایت کیا جن میں بعض صحیح کے رجال ہیں، میں کہتا ہوں: اور ابن ابو شیبہ کی اسناد بھی صحیح ہے، اور اس کے رجال، رجال صحیح کے ائمہ اعلام سے ہیں اور وہ تقریباً طریق طبرانی ہے جس کو ہیثمی نے صحیح کہا، مگر حسین بن علی جعفی رجال صحیح سے ہیں اصحاب ستہ نے ان کی روایت لی ہے اور حافظ مزی نے (تہذیب الکمال ۶/ ۴۵۱، ۴۵۲) میں ان کے بارے میں کہا: ثقہ عابد ہیں، احمد نے کہا: میں نے ان سے بہتر نہ دیکھا اور یحیی بن معین

(۲) افضل الخلق ﷺ، سیدہ فاطمہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ابن تیمیہ نے درج ذیل امور کی تصریح کی:

(۱) ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کے غم وصال سے یک گونہ ضعف لاحق ہوتا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ پر غم نہ کرنے کا حکم ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ پر محض غم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۴) رسول اللہ ﷺ پر غم کرنے والا مذموم انسان ہے، اس لیے کہ وہ ایسی فوت شدہ چیز پر غم کر رہا ہے جسے واپس لوٹایا نہیں جاسکتا۔

(۵) جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے وصال کا غم اس طرح نہ ہوا جیسا کہ وصال سے پہلے غار میں ہوا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۶) بلاشبہ ابوبکر کا غم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غم سے کامل تر ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر آپ کا غم بلاشبہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غم سے بہت کم ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۵۹/۸-۴۶۰) میں حضور اقدس ﷺ پر سیدہ فاطمہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غم کا جائزہ لیا، اور شہد میں زہر چھپائے ہوئے کہا:

''نبی ﷺ پر آپ کا غم اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو حضور سے کامل دوستی اور محبت وخیر خواہی تھی، آپ ہمیشہ حضور کی مکمل حفاظت و پاسبانی اور آپ کا دفاع فرماتے، اور آپ سے ایذا دفع فرماتے اور یہ ایمان کا عظیم ترین حصہ ہے۔

وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا اور سفیان بن عیینہ حسین جعفی کی دست بوسی کرتے اور کہتے: مجھے اس پر تعجب ہے جو کوفہ سے گذرے اور حسین جعفی کی پیشانی کو نہ چومے، اور یحیی بن یحیی نیشاپوری نے کہا: اگر کوئی ابدال رہ گئے ہیں تو وہ حسین جعفی ہیں۔ الخ

۱) ان ساری چیزوں کے باوجود آپ کو حضور کے غم کے سبب یک گونہ ضعف لاحق ہوتا۔

۲) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم ہے کہ ان اوصاف سے متصف رہیں اور غم نہ کریں۔

۳) کیوں کہ محض غم کا کوئی فائدہ نہیں، اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ غم نہ کرنا کوئی مذموم جرم و گناہ نہیں۔

پھر کہا:

''یہ شیعہ وغیرہ فاطمہ کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ: آپ کو نبی ﷺ کے وصال کا ایسا غم ہوا جو نا قابل بیان ہے، آپ نے غموں کے گھر کی عمارت تعمیر فرمائی یہ لوگ فاطمہ کے اس غم کو مذموم نہیں کہتے۔

۴) حالانکہ یہ فوت شدہ چیز کا غم ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

۵) اور ابو بکر کو آپ کی حیات میں صرف اس خوف کے سبب غم ہوا کہ کہیں آپ جام شہادت نوش نہ فرما جائیں آپ کا یہ غم آپ کی حفاظت و پاسبانی کی خاطر تھا یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کو ایسا غم نہ ہوا اس لیے کہ اس غم کا کوئی فائدہ نہیں۔

۶) اس سے معلوم ہوا کہ ابو بکر کا غم بلا شبہ فاطمہ کے غم سے کامل تر ہے۔

ابن تیمیہ کے متبعین سے ہمارے مواخذے :

کیا رسول اللہ ﷺ ضعیف و کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا جب آپ اپنے فرزند ارجمند، لخت دلبند حضرت ابراہیم کے وصال پر کبیدہ و رنجیدہ ہوئے؟

انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**إن العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول إلا ما يرضى ربنا، وإنا لفراقك يا إبراهيم لمحزونون**''۔

''یقیناً آنکھیں اشک بار ہیں، اور قلب رنجیدہ و غم ناک ہے، اور ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب کو پسند ہے، اور اے ابراہیم! ہمیں بلاشبہہ تمہاری جدائی کا غم ہے''[1]

علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق یہ فوت شدہ چیز ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

(۱) بخاری (۱/۴۳۸، ۴۳۹) اور مسلم (۴/۱۸۰۷) نے یہ حدیث تخریج کی۔

ابن تیمیہ کے پیروکار ہمیں بتائیں:

جب زید بن حارثہ، جعفر بن ابو طالب، اور عبداللہ بن رواحہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تو ان کی شہادت کے غم کی وجہ سے کیا رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا؟ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ: جس وقت رسول اللہ ﷺ بیٹھے آپ پر غم کے آثار نمودار تھے۔(۱)

علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے خیال کے مطابق یہ فوت شدہ چیز ہے جس کو واپس ہونا نہیں۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے کہتے ہیں:

بئر معونہ میں قرائے صحابہ کی شہادت کے غم کے سبب کیا رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا، امام بخاری نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے قرائے صحابہ کی شہادت کے وقت ایک ماہ تک قنوت پڑھی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ایسا شدید رنجیدہ و غم ناک نہ دیکھا۔(۲)

حالاں کہ ابن تیمیہ کے گمان کے مطابق یہ ایک فوت شدہ امر ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

رہ گیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غم واندوہ:

تو امام بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں ثابت سے بروایت انس تخریج کی کہ جب نبی کریم ﷺ سخت بیمار ہوئے تو آپ پر غشی طاری ہونے لگی تو فاطمہ نے کہا: ہائے ابا حضور کی تکلیف، یہ سن کر حضور نے فاطمہ سے فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے والد کو کبھی تکلیف نہ ہوگی'' جب آپ کا وصال ہو گیا تو فاطمہ نے کہا: ہائے ابا حضور آپ نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا، ہائے ابا حضور آپ کا مقام جنت الفردوس بنا، ہائے ابا جان ہم جبریل کو آپ کے وصال کی خبر دیں گے، تدفین کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اے انس! کیا رسول اللہ

---

(۱) بخاری نے اس کی تخریج کی (۱/۴۳۷) باب من جلس عندالمصیبة یعرف فیه الحزن اور مسلم (۶۴۴/۲) نے بھی تخریج کی۔

(۲) بخاری نے یہ حدیث تخریج کی (۱/۴۳۷)

ﷺ کو سپرد خاک کرنا تمہیں اچھا لگا؟

حاکم نے مستدرک میں اضافہ کر کے کہا: سعید بن منصور نے اپنی حدیث میں بروایت اسامہ اضافہ کر کے کہا: میں نے حماد بن یزید سے یہ کہتے سنا: میں نے ثابت بنانی کو اس حدیث کی روایت کے وقت اس قدر روتے دیکھا کہ ان کی پسلیاں مضطرب ہو جاتیں۔(۱)

اور محمد بن علی نے سیدہ فاطمہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا سوا اس کے کہ لوگوں کو آپ کے دانت کے کنارہ کے بارے میں شک ہوا ہو۔(۲)

اور عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے بعد فاطمہ آپ کے غم میں پگھلتی ہوئی چھ ماہ زندہ رہیں۔(۳)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم:

''آپ نے حضور اقدس ﷺ پر نوحہ خوانی کی، حضور کے وصال کے بعد جب آپ کے پاس پہنچے تو اپنا دہن آپ کی چشمان مبارک پر، اور اپنے ہاتھ آپ کی دونوں کنپٹی پر رکھ کر عرض کیا: ہائے اللہ کے نبی، ہائے اللہ کے خلیل، ہائے اللہ کے صفی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: یا نبیاہ یا صفیاہ، اے اللہ کے نبی، اے اللہ کے صفی۔(۴)

اور رہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم واندوہ تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ

(۱) امام بخاری (۱۶۹۱/۴) ابن حبان (۵۹۱/۱۴)، اور حاکم نے مستدرک میں (۵۳۷/۱) تخریج کیا، اور حاکم نے یہ کہا: سعید بن منصور نے اپنی حدیث میں بروایت اسامہ اضافہ کر کے کہا کہ: میں نے حماد بن یزید سے یہ کہتے سنا کہ میں نے ثابت بنانی کو اس حدیث کی روایت کے وقت اس قدر روتے دیکھا کہ ان کی پسلیاں مضطرب ہو جاتیں۔

(۲) طبرانی نے معجم کبیر (۳۹۹/۲۲) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۴۳/۲) میں اس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۱۲/۹) میں کہا: طبرانی نے یہ حدیث روایت کی اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱۲۸/۲) میں اسے ذکر کیا۔

(۴) طیالسی نے (۲۱۷/۱) اسے تخریج کیا۔

فرمایا:**من قال إن محمدا قد مات قتلته**''جوشخص یہ کہے گا کہ محمد کا وصال ہو گیا میں اسے قتل کردوں گا''(۱)

مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نے کیسے یہ حکم لگایا اور کس شیطان نے اس کو یہ بتایا کہ حضور کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ آپ پر کبیدہ ورنجیدہ نہ ہوئے جیسا کہ غار میں کبیدہ ورنجیدہ ہو گئے تھے؟

حضور کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ثابت قدم رہنے کا یہ معنی نہیں کہ آپ کو سخت رنج وغم نہ ہوا۔امت کو ضیاع اور افتراق وانتشار سے بچانے کے لیے آپ ہی کا یہ اہم موقف تھا کہ خاص اہل اللہ میں سے ایک اہم شخص کی ضرورت ہے،سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی حال تھا،اللہ عزوجل نے آپ کو آپ کے اہم موقف پر قائم رکھا،اوراس پر آپ کی مدد فرمائی۔تو کیا ابن تیمیہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا کی اس ثبات قدمی کو یہ سمجھتا ہے کہ آپ حضور اقدس ﷺ پر کبیدہ ورنجیدہ نہ ہوئے،یا یہ کہ بہت کم غم ناک ہوئے اس لیے کہ آپ رفیق اعلی سے جا ملے؟

ابن تیمیہ نے اس نکتہ کی طرف التفات نہ کیا کہ جس طرح رسول پاک کے اہل میں جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ،رسول پاک سے سب سے پہلے جا ملیں،اسی طرح کبار صحابہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے سب سے پہلے جا ملے،اگر آپ چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ شدت غم کی وجہ سے ایسا ہوا،یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور اقدس کے کمال شوق میں ایسا ہوا یا دونوں کی وجہ سے۔

رسول پاک کی امت آپ پر کیوں غم ناک اور اشک بار نہ ہو جب کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا:

''**من أصيب بمصيبة فليذكر مصيبته بي فإنها من أعظم المصائب**،جس پر کوئی مصیبت آئے تو اپنی مصیبت مجھ سے یاد کرلیا کرے کیوں کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے''۔(۲)

---

(۱) اصل واقعہ صحیح بخاری(۱۳۴۱/۳)،ابن ماجہ(۵۲۰/۱)اور حاکم(۳۱۸/۳)وغیرہم میں موجود ہے۔

(۲) حدیث''من أصيب بمصيبة فليذكر مصيبته بي فإنها من أعظم المصائب''حدیث حسن ہے۔اگر اپنے تمام طرق سے صحیح نہیں بھی ہو،تو بطریق عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ابن ماجہ نے(۵۱۰/۱)اور طبرانی نے اوسط(۳۱۵/۴)اور صغیر میں(۳۶۶/۱)اور بیہقی نے شعب الایمان میں(۲۳۹/۷)اور ابن عبدالبر نے تمہید میں(۳۲۵/۱۹)اس کی تخریج کی

اورسلمان اورابودردا مسلسل مغموم رہے، ان دونوں حضرات نے خود کہا: تین چیزوں نے مجھے کبیدہ واشک بار کیا: محمد ﷺ اورآپ کی جماعت کا فراق الخ،، (۱)

اورعمار بن یاسر کو اپنی شہادت کے وقت کامل خوشی ہوئی خود انھوں نے فرمایا: ''**الیوم ألقى الأحبة محمدا و حزبه**'' آج اپنے دوست واحباب محمد اورآپ کے اصحاب سے ملاقات ہوگی۔(۲)

جب رسول اللہ ﷺ نے لکڑی کا منبر اختیار فرمایا تو کھجور کا تنا (آپ کے فراق سے) مغموم ہوا تو رفیق اعلی کی طرف حضور کے انتقال کے بعد تمہارا کیا خیال ہے؟

سنن دارمی میں ہے کہ انس بن مالک نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے، تو ایک رومی نے آ کر عرض کی: کیا حضور کے لیے کوئی ایسی چیز بنا دیں جس پر جلوس فرمائیں اورایسا معلوم ہو کہ آپ قیام میں ہیں تو اس نے آپ کے لیے ایک منبر بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسرا درجہ بیٹھنے کے لیے تھا، جب حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ بار ہوئے تو آپ کے غم میں کھجور کے تنے سے

ہے، اورہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۷) میں اس کو ضعیف کہا، اورعبداللہ بن جعفر والد علی بن مدینی کے سبب معلل کہا کہ وہ ضعیف ہیں جیسا کہ عجلونی نے کشف الخفا (۱/۸۵) میں ان کو ضعیف کہا، اور بطریق ابن عباس، بیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۳۹) میں اس کی تخریج کی، اور بطریق سابط جمحی طبرانی نے کبیر (۷/۱۶۷) میں اوربیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۳۹) میں اس کی تخریج کی، اورحافظ نے اصابہ (۳/۳) میں اس کو تقی بن مخلد اور باوردی اورابن شاہین کی طرف منسوب کیا اور کہا: اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں علقمہ پر اختلاف ہے، اورعبدالرزاق نے بطریق عبدالرحمٰن بن سابط مرسلاً اس کو بسند صحیح تخریج کیا (۳/۵۶۴) اور بطریق مکحول وعطا مرسلا دارمی نے اپنی سنن (۱/۵۳) میں بسند جید تخریج کی۔

(۱) ابن ابوعاصم نے زہد (۱/۱۵۳) اورابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۱/۲۰۷) میں سلیمان کے اثر کی تخریج کی اوراثر ابودردا کی تخریج ابن مبارک نے زہد میں (۱/۸۴) کی جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان (۷/۳۷۸) میں اس کو روایت کیا۔

(۲) حاکم نے مستدرک (۳/۴۴۵) اورطبرانی نے اوسط (۶/۳۰۱) اورابونعیم نے حلیہ (۱/۱۴۲) اورابن عبدالبر نے استیعاب (۳/۱۱۳۹) میں اس کی تخریج کی، اورھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۹۵، ۲۹۶) میں کہا کہ: طبرانی نے اوسط میں اوراحمد نے اختصار کے ساتھ اس کو روایت کیا، ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

بیل کی سی آواز نمودار ہوئی جس سے پوری مسجد گونج گئی، حضور نے منبر سے اتر کر اس کو اپنے سے لگالیا جب آپ نے اس کو چمٹالیا تو اس پر سکوت طاری ہو گیا پھر آپ نے فرمایا: ''والذي نفسي بيده لولم ألتزمه مازال هكذا حتى تقوم الساعة حزنا على رسول الله ﷺ'' ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے (سینے، گلے) سے نہ لگالیتا تو اللہ کے رسول ﷺ کے غم میں قیامت قائم ہونے تک مسلسل اس کی یہی حالت و کیفیت رہتی'' اس کے بعد رسول پاک کے حکم پر اسے دفن کر دیا گیا''(۱)

ابن تیمیہ اور اس کے حامیوں کو چھوڑ کر تمام انسان و جنات اور جمادات و نباتات، حضور کے وصال جانکاہ پر کبیدہ ہو گئے، اگر گفتگو طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو صحابہ و تابعین وغیرہم میں سے ان تمام حضرات کا احاطہ کرتا، جو اپنے آبا اور اولاد یا اپنے کسی عزیز کے فراق و وصال پر غم ناک ہوئے اور کسی نے اس پر نکیر نہ کی۔

(۳) ابن تیمیہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اور اگر جانتا تو علما اس کے قول کے سبب اس کی تکفیر کرتے :

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۶۸/۸، ۴۶۹) میں کہا:

''رسول اللہ ﷺ کافروں کے کفر و انکار کے سبب کبیدہ و رنجیدہ خاطر ہوتے تھے، اللہ عزوجل کے منع فرمانے سے قبل آپ کی یہ طاعت و فرماں برداری تھی، جیسا کہ سرکار کے منع فرمانے سے پہلے ابوبکر کی کبیدگی طاعت و فرماں برداری تھی، جب سرکار نے ابوبکر کو غم کرنے سے منع فرما دیا اس کے بعد سے ابوبکر کبیدہ و رنجیدہ نہ ہوئے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر سرکار پر کبیدہ ہوئے ہوں جب کہ یہ ممکن ہے کہ آپ کو اس روز سرے سے غم ہی نہ ہوا ہو، خود اللہ عزوجل نے حضور کو کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہونے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُوْرًا﴾ [الانسان-۷۶:۲۴] اور ان میں کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ سنو۔

(۱) دارمی (۳۲/۱) اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۳۵۷/۴)، اور لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۷۹۸/۴، ۷۹۹) میں اس کی تخریج کی۔

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے اس لیے کہ اس کے گزشتہ کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اکثر اللہ عزوجل کی نافرمانی کی ہے، اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے :''رسول اللہ ﷺ کافروں کے کفروانکار کے سبب کبیدہ ورنجیدہ ہوتے تھے اور اللہ عزوجل کے منع فرمانے سے قبل یہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری تھی''۔

ابن تیمیہ سے ہمارا کہنا یہ ہے کہ چلیے مان لیتے ہیں کہ رسول ﷺ کبھی کبیدہ ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی، پھر اس کے بعد اللہ عزوجل نے آپ کو اس رنج وغم سے منع فرمادیا تو اس وقت کیا حکم ہوگا جب سرکار بار بار کبیدہ ورنجیدہ ہوتے کیا آپ گناہ گار قرار پائیں گے والعیاذ باللہ تعالی، اللہ تعالی بار بار آپ کو منع فرمارہا ہے اور آپ اس کو نہیں مان رہے ہیں یہ کیسی کج فہمی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ [النحل-۱۶:۱۲۷]

ترجمہ:۔اوران کا غم نہ کھاؤ اوران کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو۔

اوراللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ [یٰس-۳۶:۷۶]

ترجمہ:۔توتم ان کی بات کا غم نہ کرو۔

اوراللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ﴾ [لقمان-۳۱:۲۳]

ترجمہ:۔اور جو کفر کرے تو تم اس کے کفر سے غم نہ کھاؤ۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں۔

کیا رسول ﷺ نے اللہ عزوجل کے بار بار منع فرمانے کے باوجود بار باراس کی نافرمانی کی؟ یا''لاتحزن

عــلیھــم“ سے نبی کریم ﷺ کی تسکین خاطر اور تسلی قلب مقصود ہے، ابن تیمیہ کے فہم کے مطابق طاعت ومعصیت مقصود نہیں ورنہ ایک دوسری مصیبت پیدا ہوگی، لیکن ابن تیمیہ کے یہاں یہ آفت ومصیبت نہیں اس لیے کہ اس کے نزدیک انبیا معصوم نہیں، ان سے معاصی کا وقوع ممکن ہے جیسا کہ ہم عنقریب درج ذیل ان آیتوں کے تحت ذکر کریں گے:

آیت کریمہ:

﴿وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِيْ أَنْقَضَ ظَهْرَکَ﴾ [الشرح-۹۴:۲،۳]

اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

اور آیت شریفہ:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا o لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲:۲،۳]

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے تمہارے پچھلوں کے۔

ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض معاصی سرزد ہوئے فتح مکہ کے بعد آٹھویں سال آپ نے ان سے توبہ فرمائی جو شخص رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایسے خیالات رکھے اس پر ہم ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶] اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران-۳:۱۷۳] پڑھتے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ”یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر سرکار پر کبیدہ ہوئے ہوں، جب کہ یہ ممکن ہے کہ آپ کو اس روز سرے سے غم ہی نہ ہوا ہو، خود اللہ عزوجل نے حضور کو کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہونے سے منع فرمایا“ ایک الگ مصیبت ہے اس لیے کہ گزشتہ سطور میں اس کا یہ خیال گذر چکا کہ حضور کے یوم وصال پر ابوبکر کو ایسا رنج نہ ہوا جیسا کہ غار میں ہوا تھا، اور اس وقت وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ممکن ہے کہ اس روز ابوبکر کو

سرے سے کچھ غم ہی نہ ہوا ہو'' یعنی حضور کے وصال کے بعد ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ پر بالکل کچھ غم نہ ہوا۔

ناظرین کرام غور وفکر کے بعد خود فیصلہ کریں، اس سے پیشتر ارباب علم ودانش کا فیصلہ گذر چکا کہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ (۱۰۹/۱) میں یہ لکھا:

''وہ مختلف فنون میں کلام کرتا ہے مگر اس کی عقل میں کمی ہے''۔

اور حافظ ولی الدین عراقی نے حافظ ابن فہد کے سوال کے جواب ''ا لأجوبة المرضية عن ا لأسئلة المكية'' میں فرمایا:

''لیکن وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کہا گیا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے''۔

اور علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی نے شرح زرقانی علی المواہب اللد نیہ (۳۰۵/۸) میں فرمایا:

''اس شخص نے انصاف کیا جس نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے''

اور صلاح صفدی نے کہا: شیخ امام علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم حد درجہ وسیع تھا، اور ان کی عقل ناقص تھی، جس کے سبب وہ ہلاکت گاہوں اور تنگیوں میں پڑ جاتے اھ۔ شواہد الحق ۱۸۹ میں علامہ نبہانی نے ایسا ہی نقل کیا۔

(۶)ابن تیمیہ کا فلسفہ

ابن تیمیہ کے فلسفہ کے ضمن میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غم کا کوئی فائدہ نہیں، اس نے اپنے فتاوی کے مجموعہ (۱۰/۱۶-۱۷) میں کہا:

(اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کا نہ تو کوئی نفع ہے، اور نہ اس سے کوئی تکلیف ومصیبت دور ہوتی ہے اس لیے اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور جس چیز کا کوئی فائدہ نہ ہو اللہ اس کا حکم نہیں فرماتا، ہاں ایسا شخص گناہ گار نہ ہوگا جب کہ اس کے غم میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہ ہو جیسا کہ مصیبتوں پر غم منایا جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**إن الله لايؤاخذ على دمع العين ولاعلى حزن القلب ولكن يؤاخذ على هذا أويرحم**'' ''بے شک اللہ آنکھوں کے جاری ہونے اور دل کے رنجیدہ ہونے پر مواخذہ نہیں فرماتا لیکن اس پر مواخذہ فرمائے گا مگر یہ کہ وہ رحم فرمائے'' سرکار نے اپنے ہاتھ سے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: **تدمع العين ويحزن القلب** ''آنکھ اشک بار ہوتی ہے اور دل غم گین ہوتا ہے'')

میں کہتا ہوں: کون کہتا ہے کہ غم کا کوئی نفع نہیں اور نہ اس سے کوئی تکلیف ومصیبت ٹلتی ہے؟ انسان کے لیے کافی ہے کہ وہ قہر الٰہی کا شعور رکھے اور دل میں رحمت اور خشوع وخضوع پیدا کرے، اور اپنے رب کے ساتھ اپنی ذات کا ادراک کرے، معصیت کا قصد نہ کرے، ترک دنیا کرے اور اس کے فضول معاملات سے الگ رہے، آخرت کی طرف متوجہ رہے، اور کسر شہوت کرے، آگ کی طرف لے جانے والے معاصی جیسے کبر وغرور، جبر وتشدد، ریا اور نمائش کی محبت کو کمزور کر کے ہمیشہ عبرت حاصل کرے، اور فکر وتواضع اور کمزور پر رحم کرے، یہاں تک کہ غم کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے والا اچھا قاری قرآن شمار کیا گیا ہے۔

امام شافعی فرماتے تھے کہ: حضور اقدس کے ارشاد: ''**ليس منا من لم يتغن بالقرآن**'' کا معنی یہ ہے کہ جو شخص قرآن کو غم کے ساتھ نہ پڑھے، اور اپنی تلاوت سے غم پیدا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۹/۷۰) میں فرمایا:

ابن ابوداود نے باسناد حسن ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک سورت تلاوت کی تو اس کی تلاوت سے مرثیہ خواں کی طرح غم ناک ہو گئے........

تو کیا رسول اللہ ﷺ کے متعلق تمہاری یہ رائے ہے کہ آپ کے لیے ایسی چیز کی جاتی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں، یا آپ بے فائدہ چیز کرتے ہیں؟ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶] ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

بہر حال ابن تیمیہ امت کا نبی نہیں، ہاں ان لوگوں کا ہوگا جو اسے بنانا چاہیں۔ نبی امت ﷺ کا ارشاد ہے: "**إن الله يحب كل قلب حزين**" "اللہ ہر رنجیدہ دل کو پسند فرماتا ہے"(۱)

اس مقام پر ابن تیمیہ کے بہت سے فلسفیانہ بے معنی مغالطے ہیں، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "**إن أحبكم إلى الله وأقربكم مني أحاسنكم أخلاقا، وإن أبغضكم إلى الله وأبعدكم مني الثرثارون المتفيقهون المتشدقون**" کہ تم میں اللہ کا زیادہ محبوب اور مجھ سے قریب تر وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ اور تم میں اللہ کو زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور تر وہ لوگ ہیں جو تکلف سے زیادہ زیادہ باتیں کرتے ہیں، اور دوسروں پر اپنے کلام کی فضیلت وفصاحت اور برتری وبلندی ظاہر کرنے کے لیے منھ

---

(۱) حاکم نے اس کی تخریج کی اور اس کو صحیح کہا (۳۵۱/۴) اور طبرانی نے مسند الشامیین (۳۵۱/۲) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۹۰/۶) اور قضاعی نے مسند الشہاب میں (۱۴۹/۲) اور بیہقی نے شعب الایمان (۵۱۵/۱) اور دیلمی نے مسند الفردوس (۱۵۶/۱) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۹/۱۰، ۳۱۰) میں تخریج کی، ھیثمی نے کہا: بزار اور طبرانی نے اس کو روایت کیا اور ان دونوں کی اسناد حسن ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ جان لینے کے بعد آپ پر یہ روشن ہو گیا ہوگا کہ ابن قیم کا قول غلط ہے جو اس نے مدارج السالکین (۵۰۷/۱) میں اپنے اس کلام کے ذریعہ ایسی چیز کی تکذیب کی ہے جس کا اسے علم نہیں: یعنی "اس حدیث مروی "إن الله يحب كل قلب حزين" کے متعلق اس کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس حدیث کی اسناد غیر معروف ہے، اور نہ اس کا روای معروف ہے اور نہ اس کی صحت کا پتہ ہے" انتہی کلامہ۔ اس کے لیے یہ کہنا مناسب تھا کہ مجھے معلوم نہیں، اور اپنے شیخ کی مصیبتوں میں پیروی نہ کرتا۔

بھر کر متکبرانہ باتیں کرتے ہیں۔[1]

رہ گئے ابن تیمیہ کے متبعین تو مجھے نہیں معلوم کیا ان کا وہی اعتقاد واذعان ہے جو ابن تیمیہ کہتا ہے، یا اس کے پیچھے احمقوں کی طرح چلتے ہیں، یا ابن تیمیہ کی اتباع میں وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول پاک پر غم نہ کیا جائے، مگر خود ابن تیمیہ پر خوب خوب غم کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے متبعین نے اس کے مرثیہ میں جو کچھ کہا انہیں خود پڑھ کر فیصلہ کیجئے، ابن عبدالہادی کی العقود الدریۃ (۱/۴۷۱) میں ابن تیمیہ کے مرثیہ میں درج ذیل اشعار کہے گئے ہیں:

ومجاور قبر الإمام مؤملا يارب وارحمنا وكل مشيع صلى عليه أو أتاه مقبلا

من كان مسروراً به وبعلمه من بعده فالحزن أضحى عاجلا

ترجمہ:۔ اے پروردگار! امام کے جوار قبر میں پر امید ہو کر رہنے والوں، اور ہم پر رحم فرما اور ان لوگوں پر بھی جنھوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے رخصت کیا، یا جو اس کی بارگاہ میں آئندہ آئے۔

جو اس سے اور اس کے علم سے خوش تھے انھیں جلد ہی غموں نے گھیر لیا۔

اور ابن تیمیہ کے ایک دوسرے پیروکار کے دوسرے مرثیہ میں یہ اشعار ہیں جیسا کہ ابن عبدالہادی نے ''**العقود الدرية**'' (۱-۴۴۴، ۴۴۵) میں نقل کیا:

إمام بكته أرضه وسماءه بكاء حزين حزنه متتابع

''وہ ایسا امام ہے جس پر زمین و آسمان نے پیہم غموں کے آنسو بہائے''۔

اور اسی کتاب (۱/۴۹۸) میں بدرالدین مغیثی کے قصیدہ میں ہے:

(۱) احمد نے اس کی تخریج کی (۴/۱۹۳) اور ابن حبان نے (۲/۲۳۱) اور الفاظ انہیں کے ہیں، اور طبرانی نے کبیر میں (۲۲/۲۲۱) تخریج کی اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں جیسا کہ منذری نے الترغیب والترھیب میں کہا (۳/۲۷۷) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۱) میں تخریج کی اور کہا: بروایت جابر اس کی دوسری سند ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا، اور اس کو حسن کہا (۴/۳۷۰) اور امام احمد نے بروایت ابو ہریرہ (۲/۳۶۹) روایت کیا۔

ومـــا لهـــمـــا لا يـــكـيـــان لـفـقـد مـن	عـن الـلـه لـم يـقـطعه فى الكون قاطع
وتـــزلـــزلـــت كـــل الـــقـــلـوب لـفـقـده	وتـــوا تـــرت مـــن بـــعـــده الألام
ولـــمـــؤمـــنيـــن الـــجـــن حـــزن شـــامـل	ونيـــاحـــه نـــطـــقـــت بهـــاالأحـــلام

اور وہ دونوں کیوں نہ اس کے فراق میں اشک بار ہوں جس کا عالم وجود میں کسی رشتہ توڑنے والے نے اللہ سے رشتہ قطع نہ کیا۔

جس وقت اس کی رحلت ہوئی سارے دلوں پر زلزلہ طاری ہو گیا، اور اس کے بعد مسلسل درد والم کا سلسلہ رہا۔

مومن جنوں پر بھی اس کا غم چھایا رہا، اور خوابوں نے بھی اس کی نوحہ خوانی کی۔

اور ابن عبدالہادی نے العقود الدریۃ (۱/۵۱۸-۵۲۱) میں عبداللہ بن حامد نامی شخص کے یہ اقوال نقل کیے:

جب بھی میرے دل و دماغ میں اس کا تصور وخیال آتا ہے تو اس کا غم کہنہ، غم نو کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:

مجھے معلوم نہیں کہ اس حماقت، یا ابن تیمیہ، یا ہر روز ضائع ہونے والے شباب پر ماتم کریں۔

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں

ابن تیمیہ کی نازیبا جرأت وجسارت

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کے مقام اور آپ کی خصوصیت پر پیہم حملے کرتا رہتا ہے، اور جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں زبان درازی کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۳/۴-۲۴۴) میں ابن مطہر شیعی کا رد کرتے ہوئے لکھا کہ:

ابن مطہر نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق یہ ذکر کیا کہ: ''آپ نے یہ قسم کھائی تھی کہ ابوبکر صدیق اور آپ کے ساتھی سے کلام نہ کریں گی یہاں تک کہ اپنے والد سے ملاقات کر کے ان کی شکایت کریں گی'' اس کا رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے کہا: ''فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق اس کا ذکر زیبا نہیں کیوں کہ شکایت صرف اللہ تعالی ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ بندۂ صالح (یعقوب پیغمبر) نے کہا: ﴿إِنَّمَآ أَشۡكُوۡ بَثِّيۡ وَحُزۡنِيۡ إِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] (میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''**أللهم عليك التكلان**'' (اے اللہ تجھی پر بھروسہ ہے۔)

اور نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے کہا: ''**إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله**''

جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔

آپ نے یہ نہ فرمایا کہ مجھ سے مانگو اور مجھ سے مدد لو۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝ وَإِلَى رَبِّکَ فَارۡغَبۡ﴾ [الشرح-۹۴:۷،۸]

تو جب تم نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں اپنی حد سے بڑھ رہا ہے، ابن تیمیہ کون ہوتا ہے جو خاتون جنت شہزادئ رسول سیدہ فاطمہ کاملہ کے حق میں یہ کہتا ہے کہ انہیں یہ کہنا اور کرنا چاہئے

اور ایسا نہ کرنا اور نہ کہنا چاہئے ، آخر وہ سیدہ فاطمہ اوران کے والد خیر خلق اللہ کے درمیان کیوں مداخلت کر رہا ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ اور آپ کے بارے میں کیوں غلط تصور پیش کر رہا ہے۔

ہماری یہ ساری گفتگو اس تقدیر پر ہے جب کہ اس سے صرف نظر کریں کہ اس کا کلام مغالطہ پر مبنی ہے اور معاملات میں الٹ پھیر اور خلط سے کام لے رہا ہے، ہم دوسروں کی طرح صرف نظر کرنے والے نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم مستقل ایک محققانہ بحث قائم کریں گے کہ نبی پاک ﷺ سے سوال کرنا جائز ہے، خود آپ نے اپنے بعض احباب سے فرمایا: ''سل'' مانگ، نیز فرمایا: ''سلوني'' مجھ سے مانگو، آپ کے اس ارشاد سے ابن تیمیہ کے فلسفیانہ کلام کا جھوٹ روز روشن سے زیادہ واضح ہوجاتا ہے اور یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوجاتی ہے کہ اس نے حضور اقدس کی شان میں یہ کہہ کر حد سے تجاوز کیا ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا: ''سلوني'' مجھ سے مانگو، ابن تیمیہ جمہور امت محمدیہ کی تکفیر و تجہیل کا دائرہ وسیع کرنے، اور انہیں بدمذہب اور بدعتی قرار دینے کے لیے مشہور و متعارف چیزوں کی تحریف کر رہا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا یہ معاملہ کہ آپ نے ابوبکر صدیق سے قطع تعلق فرمالیا ایک خاص مسئلہ ہے، ہم مسلمانوں کو یہ حکم نہیں کہ اس بارے میں لب کشائی کریں، ہمارے ائمہ عظام اور اسلاف کرام کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں کہ ان بلند بارگاہوں میں لب کشائی سے احتراز کیا جائے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۴] وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لیے ان کی کمائی اور تمہارے لیے تمہاری کمائی اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔

سیدہ فاطمہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق کرنا ایک ثابت شدہ اور مشہور معاملہ ہے[1]،

(۱) أقول باللہ التوفیق: جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا دم وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق رکھنا اور آپ سے ناراض رہنا میرے نزدیک سخت محل نظر ہے اس لیے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ فرمایا تو آپ نے فرمایا:

امام بخاری (۱۵۴۹/۴)، مسلم (۱۳۸۰/۳) اور ابن حبان (۱۵۳/۱۱) نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ذکر فرمایا:

''میں نے اس سلسلے میں فاطمہ کو ابوبکر کے خلاف پایا، فاطمہ نے آپ سے قطع تعلق کرلیا اور آپ سے بات چیت بند کر لی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا اور نبی کریم ﷺ کے بعد چھ ماہ تک آپ زندہ رہیں، آپ کے وصال کے وقت آپ کے شوہر علی نے رات میں آپ کو دفن کیا، ابوبکر صدیق کو اس کی خبر نہ دی، اور خود آپ کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جگر گوشۂ رسول ﷺ، چار با کمال عورتوں میں سے ہیں، آپ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور سیدنا صدیق اکبر، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اس لیے امت مسلمہ کے لیے مناسب اور شایاں یہی

... میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، اہل بیت کی روایتوں کے مطابق سیدہ فاطمہ نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا آپ نے کچھ نہ فرمایا، نہ حضرت علی نے، نہ حضرت عباس نے، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ورنہ آپ حضور کا یہ ارشاد سن کر خاموش نہ رہتیں اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم فرمایا تو پھر ناراضی کا کا کیا معنی اس ارشاد کی صحت تسلیم کرنے کے بعد آپ کا ناراض ہونا اگر مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ سیدہ فاطمہ رسول پاک کے ارشاد کے مطابق یہ فیصلہ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے ناراض ہو کر حضور اقدس کے ارشاد سے منحرف ہو گئیں اور ارشاد رسول کے مطابق فیصلہ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے ناراض رہنا درحقیقت اللہ و رسول سے ناراضی ہے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے یہ بدرجہا بعید تر ہے کہ خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد اور اس کے مطابق فیصلہ سے ناراض ہوں اور اس بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق فرمائیں اسی لیے علمائے محققین نے ''**فھجرت ولم تکلم حتی توفیت**'' کا یہ معنی ارشاد فرمایا کہ سیدہ فاطمہ نے اس کے بعد میراث کا مطالبہ چھوڑ دیا، اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے پھر اس بارے میں کچھ نہ کہا جیسا کہ امام ترمذی نے اپنے مشائخ سے نقل فرمایا ہے، نیز اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے عمرو بن شعیب نے روایت فرمایا: ''**فلم تکلمه في ذلک المال**'' کہ سیدہ فاطمہ نے پھر اس مال کے بارے میں کبھی گفتگو نہ فرمائی۔

ہے کہ ان عظیم الشان شخصیتوں کے باہمی اختلاف میں لب کشائی کرنے سے پرہیز واجتناب کریں، ورنہ ان میں سے کسی ایک کے حق میں ضرور خطا ہوگی ان حضرات کو تو درگزر کر دیا جائے گا، لیکن ان کی شان میں زبان درازی کرنے والوں کو بھی کیا بخشا جائیگا؟ امت مسلمہ کو کچھ کہنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ وہ کیا، اور کس کی شان میں کہہ رہی ہے۔

...رہ گیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے گفتگو نہ فرمانا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا فطری طور پر ایک گوشہ نشین خاتون تھیں لوگوں سے بہت کم ملتی جلتی تھیں احادیث کے اوراق پر غائرانہ نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کی پوری مقدس زندگی اس طرح گزری کہ لوگوں سے بہت کم ملتی جلتی تھیں آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرنے والے کبھی یہ نہیں دکھا سکیں گے کہ آپ لوگوں سے ملتی جلتی رہی ہوں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال جانکاہ کا آپ کو ایسا غم ہوا کہ محمد بن علی نے آپ کے حالات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ما رؤيت ضاحكة بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلا أنهم قد امتروافي طرف نابها''۔(معجم کبیر للطبرانی ۲۲،۳۹۹،حلیۃ الأولیا۲،۴۳)

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ کو کبھی ہنستے نہ دیکھا گیا سوائے اس کہ آپ کے دانت کے کنارہ کے بارے میں لوگوں کو شبہ ہوا ہو۔

اور عبداللہ بن حارث نے فرمایا:

''مكثت فاطمة بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ستة أشهروهي تذوب''

(سیر أعلام النبلاء ۲-۱۲۸)

ترجمہ:۔نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ آپ کے غم وصال میں پگھلتے ہوئے چھ ماہ زندہ رہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ کو آپ کی جدائی کا ایسا غم ہوا کہ آپ اس قابل نہ رہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق سے ملاقات کے لیے تشریف لاتیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں مانعین زکات، مرتدین، کذاب مدعیان نبوت شورش مچائے ہوئے تھے آپ ان فتنوں کے مقابلہ میں اس قدر مصروف رہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں آپ کو حاضری کا موقع نہ مل سکا

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ رابع ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا، رسول پاک ﷺ نے آپ کی امامت پر نص فرمایا، ذرا آپ کے بارے میں غور فرمائیے آپ نے تو اصحاب جمل سے قتال فرمایا جب کہ ان میں طلحہ اور زبیر جیسی دو عظیم شخصیتیں تھیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت بخشی گئی، تو ان حضرات کو تو بخش دیا جائے

...جس سے راوی نے یہ سمجھا کہ سیدہ فاطمہ سیدنا صدیق اکبر سے ناراض رہیں اور اپنے طور پر یہ روایت کیا "فوجدت فاطمة" "فغضبت فاطمة"۔

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے روشن ارشاد:

"إن الأنبياء لم يورثوا دينارا و لا درهمًا و لكن أورثوا العلم"

انبیاء کرام دینار و درہم میراث نہیں چھوڑتے، ہاں علم ان کی میراث ہے۔

کے مقابلہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض ہوں آپ کے پاس جب تک یہ حدیث نہ پہنچی آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق سے مطالبہ فرمایا مگر جب کہ آپ کا ارشاد سن لیا آپ نے سکوت فرمایا اور اس کی تردید میں کچھ نہ کہا اس لیے یہ کہنا کہ سیدہ فاطمہ دم وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض رہیں آپ سے قطع تعلق کر لیا سخت محل نظر ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے امام شعبی سے روایت کیا کہ: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت علی نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا: یہ ابوبکر ہیں حاضری کی اجازت طلب کر رہے ہیں سیدہ فاطمہ نے حضرت علی سے پوچھا کیا آپ کو پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب سیدہ فاطمہ نے حاضری کی اجازت دے دی حضرت صدیق اکبر حاضر ہوئے اور آپ نے سیدہ فاطمہ کو راضی کرنے کی کوشش کی اور آپ ان سے راضی ہوگئیں۔

حضرت علی کا حضرت ابوبکر صدیق کو سیدہ فاطمہ کے وصال کی خبر نہ دینا اس بنا پر نہ تھا کہ آپ ان سے ناراض تھیں شارحین حدیث نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ سیدہ فاطمہ نے خود کسی کو اطلاع دینے سے منع فرمایا تھا دراصل اس وقت وہاں کا دستور یہ تھا کہ عورت کے جنازے پر صرف ایک کپڑا ڈال کر لے جاتے تھے جس سے اس کے جسم کا حجم ظاہر رہتا حضرت سیدہ فاطمہ کو غایت حیا اور پردہ کے سبب یہ سخت ناپسند تھا اس لیے ایسا فرمایا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو الاستیعاب ۳۷۸/۴، بر ہامش اصابہ میں ہے کہ: حضرت سیدہ نے حضرت صدیق اکبر کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس سے فرمایا: مرنے کے بعد عورتوں کے ساتھ جو کیا جاتا ہے وہ مجھے سخت ناپسند ہے کہ ان کے بدن پر ایک کپڑا ڈال کر ان کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے جس

گا،لیکن حضرت طلحہ اور زبیر کو شہید کرنے والا تو اہل نار ہی ہے اس سلسلے میں بہت سے آثار وارد ہیں۔

ابن تیمیہ کے گزشتہ اسلوب میں غور وفکر کرنے سے ظاہر وباہر ہے کہ وہ اس اسلوب کے ذریعہ عوام کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ خیر البشر بعد رسول اللہ ﷺ کی شان میں جرأت وجسارت کریں، آپ اور آپ کے افعال اور جو کچھ آپ سے صادر ہوئے سب کا معیار مقرر کریں، امت مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ اس سے ہوشیار

...سے جسم کا حجم ظاہر رہتا ہے،تو حضرت اسماء نے کھجور کی گیلی ٹہنیوں کو موڑ کر اس پر کپڑا ڈال کر ہودج نما بنایا اور بتایا کہ میں نے حبشہ میں اسے دیکھا ہے،اسے دیکھ کر حضرت سیدہ فاطمہ بہت خوش ہوئیں اور فرمایا: میرے لیے بھی ایسا ہی بنا دینا سیدہ فاطمہ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ مبارکہ اسی ہودج نما گہوارہ میں چھپا ہوا لے جایا گیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کا حضرت ابوبکر صدیق کو آپ کے وصال کی خبر نہ دینا سیدہ فاطمہ کی آپ سے ناراضی کی بنا پر نہ تھا بلکہ غایت حیا اور پردہ کے لحاظ سے تھا۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے گا،اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لیے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز وتدفین کردی گئی''۔**كذا ذكره السمهودي في تاريخ المدينة اشعة اللمعات ۳/۴۵۴۔**

علاوہ ازیں آپ کے نماز جنازہ میں صرف سات آدمیوں نے شرکت کی ابو ذر،سلمان،عمار،حذیفہ،عبداللہ بن مسعود، مقداد،اور حضرت علی ان حضرات کے علاوہ حضرت امام حسن،حضرت امام حسین،حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت عقیل بن طالب،حضرت جعفر بن طالب،حضرت قیس بن سعد،حضرت ایوب انصاری،حضرت ابوسعید خدری،حضرت سہل بن حنیف،حضرت بلال،حضرت صہیب،حضرت براء بن عازب،اور حضرت ابورافع (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) شریک نہ تھے،مجھے بتایا جائے کہ سیدہ فاطمہ اپنے لخت ارجمند حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین سے بھی ناراض تھیں ہرگز نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو وصال کی اطلاع نہ دینا اور آپ کا جنازہ میں شریک نہ ہونا اس بنا پر نہ تھا کہ آپ ان سے ناراض تھیں ورنہ حسنین کریمین کے بارے میں بھی یہی کہنا پڑے گا اور یہ کوئی سوچ نہیں سکتا۔

علاوہ ازیں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت سیدہ کی نماز جنازہ حضرت عباس نے پڑھائی تھی یہ بخاری کی اس روایت کے مناسب ہے۔حضرت علی اور حضرت عباس دونوں نے نماز پڑھی مگر حضرت عباس حضرت علی کے چچا اور ان سے معمر تھے

اور متنبہ رہیں۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''فاطمہ نے یہ قسم کھالی تھی کہ ابوبکر اور ان کے صاحب سے کلام نہ کریں گی یہاں تک کہ اپنے والد (رسول اللہ ﷺ) سے ملاقات پر آپ کی بارگاہ میں شکایت کریں گی'' فاطمہ کے متعلق اس کا ذکر لائق ومناسب نہیں اس کا یہ اسلوب کلام شہد میں زہر چھپانے کے مرادف ہے، اس لیے کہ اس نے شکایت کا عطف

... اس لیے امامت آپ نے فرمائی، بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں:

''عن الشعبي قال صلى عليها أبو بكر رضي الله تعالى عنه وعن إبراهيم قال صلى أبو بكر الصديق على فاطمة بنت رسول الله وكبر عليها أربعا ''

حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ: حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھائی، اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

اس روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق کا آپ کی نماز جنازہ پڑھانا دین کے اصول کے عین مطابق ہے اس لیے کہ خلیفۃ المسلمین صرف اس کا نائب نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے اسی لیے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ حاکم مدینہ منورہ مروان بن حکم یا سعید بن عاص نے پڑھائی حالاں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے، انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ فرمایا اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں تمہیں جنازہ کی نماز نہ پڑھانے دیتا (اشعۃ اللمعات ۳-۴۵۴)

بہرحال دم وصال تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض رہنا آپ سے قطع تعلق رکھنا اور آپ سے بات چیت نہ کرنا سخت محل نظر ہے بلکہ سچائی یہ ہے کہ شارع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے آپ نے اپنا سر تسلیم خم کردیا اور سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور کے میراث کے مسئلہ میں اس کے بعد پھر کلام نہ فرمایا اس لیے فدک کے مسئلہ کو دم وصال تک آپ کی ناراضی کی بنیاد بنانا سراسر غلط ہے۔

رہ گیا یہ کہ حدیث میں ''فوجدت فاطمة''''فغضبت فاطمة'' وارد ہے یعنی فاطمہ غصہ وناراض رہیں یہ راوی کا اپنا استخراج ہے۔ انھوں نے اپنی دانست کے مطابق یہ فرمایا ورنہ حقیقت حال واضح ہے۔ (مترجم)

بات نہ کرنے پر کیا اور ہم اس سے پہلے ذکر کرآئے کہ سیدہ فاطمہ کے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق کا معاملہ بخاری ومسلم وغیرہ میں منصوص ہے۔ رہ گئی شکایت کی بات تو دوسری روایتوں میں اس کا ذکر ہوگا، شکایت کے نقطہ پر جب ابن تیمیہ کا رد کیا جاتا ہے تو ابن تیمیہ کی محبت کا دم بھرنے والے فورا یہ سوال کرتے ہیں رسول پاک سے فاطمہ کی شکایت کی روایت کہاں ہے؟ اگر ہوگی تو ضعیف ہوگی، ابن تیمیہ کے اسیران الفت سے ہمارا سوال یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے کلام: ”**لاتكلمه ولاصاحبه حتى تلقى أباهاوتشتكي إليه**“ میں عدم کلام پر شکایت کا عطف کیوں کیا؟

جب یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ ابن تیمیہ کے نزدیک رسول پاک سے سیدہ فاطمہ کی شکایت کا واقعہ ایک مسلم امر ہے تو اس کا انکار اور اس پر شہادت طلب کرنا روا نہیں، ابن تیمیہ کا یہ کلام شہد میں زہر چھپانے کے مرادف ہے، کیوں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور امت مسلمہ رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایت وعرض حال نہ کریں کہ یہ تو اللہ عزوجل ہی کی بارگاہ میں شایاں ہے جیسا کہ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

شیطان اپنی اس کامیابی پر ضرور خوش ہوگا کہ اس نے رسول پاک کی اہمیت اور آپ کے تصرف واختیار کو سلب کرلیا، اور آپ کی امت میں یہ شعور بیدار کیا کہ آپ اپنی امت کے ماوی وملجا اور فریادرس نہیں، آپ کی امت کو آپ سے قلبی رابطہ اور وجدانی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ ذرا سوچو تو سہی جو امت اپنے عظمت والے نبی کی قدر ومنزلت سے ناآشنا ہوگی اللہ عزوجل اس کی طرف نظر عنایت کیوں کر فرمائے گا۔

شیطان کا معاملہ تو بلعم بن باعورا کے معاملہ جیسا ہے کہ وہ اپنی قوم کو نصیحت کررہا ہے، بہرحال ابن تیمیہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بغیر کسی علم کے کہہ رہا ہے، لیکن ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اسے ماننے کو تیار نہیں کیوں کہ اس کے متعلق ان کا یہ تصور ہے کہ وہ مطلقاً علم میں یکتائے روزگار ہے۔ یا رسول پاک ﷺ کے حق میں علم یا جہل کی بنا پر اس سے ایسا واقع ہوا اور آپ اور آپ کے اہل بیت اطہار سے دل میں کینہ رکھتا ہے، یہی

وہ آخری احتمال ہے جس کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا، اور اسی بنا پر اسے قید کیا گیا، بلکہ اس کے زمانہ، اور اس کے بعد کے علما نے اسی سبب سے اسے بدمذہب کہا، اور اس کی تکفیر کی۔

ہم کہتے ہیں: یہ سب ابن تیمیہ کی بکواس ہے اس لیے کہ امت، اور خیر امت صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں بھوک، پیاس، فاقہ، سکونت کی تنگی، بارش کی کمی، اور نرخ کی گرانی کی شکایت کی، بلکہ ان حضرات کے دلوں میں وسوسہ ہوتا یا شیطان وسوسہ پیدا کرتا اس کی بھی آپ سے شکایت کرتے، بعض صحابہ تو یہ شکایت کرتے کہ گھوڑوں پر انہیں ثبات وقرار حاصل نہیں ہوتا، بعض دائمی بیماری کی شکایت کرتے جو انہیں نہ چھوڑتی، بعض زبان کی تیزی کی شکایت کرتے، اور بعض حضرات رسول پاک سے بعض لوگوں کی شکایت کرتے یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خواب میں حضور سے امت کی شکایت کی۔ نبی پاک نے ان حضرات سے ہرگز یہ نہ فرمایا کہ مجھ سے شکایت نہ کرو اللہ ہی سے شکایت کرو۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ کے لیے یہ کیوں کر مناسب ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس کلام سے استدلال کرے جو آپ نے اپنی اولاد کے سامنے فرمایا تھا: ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ إِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی کرتا ہوں۔

رحمت دو جہاں، ہادی انس و جاں مونس بیکساں، چارہ سازِ دردمنداں ﷺ سے سیدہ فاطمہ کی شکایت کا قیاس اس پر کیسے کیا جا سکتا ہے صحابہ کرام اور اسلاف عظام خوب جانتے تھے کہ رسول پاک کی بارگاہ میں شکایت اللہ عزوجل ہی سے شکایت ہے اس لیے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّـذِيْـنَ يُبَـايِعُـوْنَكَ إِنَّمَايُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰] جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَارَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

ترجمہ:۔ اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس کی تصدیق درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ایک ثقہ راوی موسی بن عقبہ دوسرے ثقہ راوی کریب ابن عباس کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ: حضرت عمر بن خطاب

پر رات میں سو جانے کے بعد جب کہ روزہ واجب ہو چکا تھا آپ نے بحالت روزہ اپنی اہلیہ سے جماع فرمالیا، پھر اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اللہ عزوجل اور آپ سے اس چیز کی شکایت کرتا ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی۔ سرکار نے فرمایا: کیا چیز سرزد ہوئی؟ آپ نے عرض کیا میرے نفس نے چاہا کہ میں جماع کروں تو نیند سے بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنی شریک حیات سے جماع کرلیا اور میں روزہ کے ارادہ سے تھا، صحابہ کا بیان ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا: تمہیں ایسا نہ کرنا تھا، اتنے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآءِ كُمْ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۷] روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۲۱)

ابوداود (۲/۲۶۶) نے تخریج کی کہ خولہ بنت مالک بن ثعلبہ نے فرمایا کہ: میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے ظہار کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ سے شکایت کرنے آئی، رسول پاک مجھ سے اس معاملہ میں بحث فرما رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: ''اللہ سے ڈر کہ وہ تیرا چچازاد بھائی ہے'' میں سرکار سے بار بار یہی کہتی رہی یہاں تک کہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجٰدِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ [المجادلہ-۵۸:۱]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے۔

اس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ رسول پاک سے خولہ کی شکایت اللہ عزوجل سے شکایت ہے، اللہ عزوجل نے خود یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا:

﴿وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ [المجادلہ-۵۸:۱]

ترجمہ:۔ اور اللہ سے شکایت کرتی ہے (ایضاً)

﴿وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ رسول پاک ﷺ سے شکایت نہ کرے معاندین کے پاس کوئی نص یا دلیل نہیں جس سے اس کا ثبوت فراہم ہو، رہ گئی وہ روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ: ''جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یعقوب! اللہ عزوجل نے آپ کو سلام پیش فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کیا تمہیں میرے

علاوہ اور کسی سے شکایت کرتے حیا نہیں آتی'' تو اس روایت کے متعلق ھیثمی نے مجمع الزوائد (۴۰/۷) میں فرمایا: طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اپنے شیخ محمد بن احمد باہلی بصری سے روایت کی جو حد درجہ ضعیف ہیں۔

اقــــول: سبحان اللہ خود انبیائے کرام علیہم السلام رسول پاک کی بارگاہ عالی جاہ میں شکایت پیش کریں گے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: **"إني لقائم أنتظر أمتي تعبر عن الصراط إذ جاء ني عيسى فقال: هذه الأنبياء قد جاء تک يا محمد يشتكون أو قال يجتمعون إليک ويدعون الله عزوجل"**

''میں کھڑے ہو کر اپنی امت کا انتظار کرتا رہوں گا کہ میری امت پل صراط سے گزرے اسی درمیان میرے پاس عیسیٰ آ کر عرض کریں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ انبیا آپ کے پاس شکایت لے کر آئے ہیں، یا یہ فرمایا کہ وہ آپ کی خدمت میں جمع ہو کر اللہ عزوجل سے دعا کریں گے'' (امام احمد ۱۷۸/۳)

ہم اس مقام کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایتیں کیں۔

(۱) سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے گھر کی خدمت کی شکایت کی:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ نے شکایت کی کہ مجھے چکی پیسنے میں کافی زحمت ومشقت ہوتی ہے، آپ کو خبر ملی کہ سرکار کی بارگاہ میں کچھ قیدی پیش ہوئے ہیں تو آپ سرکار کی خدمت میں ایک خادمہ کی درخواست لے کر حاضر ہوئیں لیکن حضور سے ملاقات نہیں ہوئی تو حضرت عائشہ سے ذکر کیا، جب سرکار تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپ سے ذکر کیا، حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم دونوں اپنی خواب گاہوں میں داخل ہو چکے تھے ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے لگے آپ نے فرمایا: آپ دونوں اپنی جگہ پر رہیں، میں نے آپ کے قدم پاک کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی آپ نے فرمایا: ''کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں جو مجھ سے مانگا تھا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو ۳۴ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳/ بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے جو تم نے مانگا تھا (احمد ۱۳۶/۱، بخاری ۱۱۳۳/۳، مسلم)

(۲) صحابہ کرام نے گرانی نرخ کی شکایت کی:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا (۱۱-۳۴)

(۳) بعض صحابہ نے قحط کی شکایت کی :

انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول پاک سے شکایت کی کہ مال ہلاک و برباد ہو گئے ہیں اور عیال جہد ومشقت میں پڑ گئے ہیں۔ (بخاری ۱/۳۴۵)

(۴) صحابہ نے فقر و تنگدستی اور حاجت کی شکایتیں کیں:

ابن حوالہ نے کہا: ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فقر و تنگی اور اشیا کی کمی کی شکایتیں کیں تو آپ نے فرمایا: ''**ابشروا فوالله لأنا لكثرة الشيء أخوف مني عليكم من قلته**'' تم لوگ خوش ہو جاؤ اس لیے کہ خدا کی قسم کسی چیز کی کمی سے زیادہ مجھے تم پر اس کی کثرت کا ڈر ہے۔'' ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶/۲۱۲) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ابن ابو عاصم نے الآحاد والمثانی (۴/۲۷۴) اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۹/۲۷۸و۲۷۹) اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۶/۳۷۴) میں عدی بن حاتم سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا آپ کے پاس دو آدمی آئے: ان میں سے ایک نے عیال کی (تنگی کی) شکایت کی اور دوسرے نے راہ زنی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: راہ روکنے والے (راہ زن) تمہارے پاس صرف کچھ لوگ جائیں گے یہاں تک کہ قافلہ حیرہ سے مکہ بلا کسی محافظ و پاسبان کے چلا جائے گا، رہی محتاجی تو قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ انسان اپنے مال کا صدقہ نکالے گا تو اسے لینے والا نہ پائے گا۔

امام احمد نے بسند صحیح روایت کیا (اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں جیسا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۲۷۴) میں کہا) سعید ابن ابوسعید نے فرمایا کہ: ابوسعید خدری نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی حاجت کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''ابوسعید! صبر کرو کیوں کہ جو ذات مجھے محبوب رکھتی ہے تمہارا فقر اس کی بارگاہ میں اس سیلاب سے بھی جلد پہنچتا ہے جو وادی اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے کی طرف آتا ہے۔

(۵) بعض غزوات میں صحابہ نے پیاس کی شکایت کی:

صحیح بخاری (۱/۱۳۰، ۱۳۱) اور مسند احمد (۴/۴۳۴) اور صحیح ابن حبان (۴/۱۲۱) وغیرہم میں اس کے متعلق روایتیں مذکور ہیں، صحابہ نے حدیبیہ میں پیاس کی شکایت کی۔ صحیح بخاری (۲/۹۷۴)

رسول اکرم ﷺ نے ان پیاسے صحابہ سے کیا یہ فرمایا کہ اللہ ہی سے شکایت کرو، یا یہ فرمایا:

"ء أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون" کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم ہیں اتارنے والے (سورہ واقعہ آیت ۶۹ پ ۲۷ ع ۱۵)

(۶) عثمان بن عفان نے شکایت کی کہ شیطان آپ کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اورابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ سے یہ فرمایا:

''واللہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی شکایت کی'' ضیا مقدسی نے مختارہ (۱/۸۰) میں اسے روایت کیا۔

(۷) جریر رضی اللہ تعالی عنہ نے شکایت کی کہ وہ گھوڑوں پر ٹھہر نہیں پاتے:

جریر نے فرمایا کہ: میں جب سے اسلام لایا رسول اللہ ﷺ مجھ سے حجاب نہ فرماتے، آپ جب مجھے دیکھتے میرے چہرہ کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔ اور ابن نمیر نے اپنی حدیث میں بروایت ادریس یہ اضافہ فرمایا: ''اور میں نے آپ سے شکایت کی کہ گھوڑوں پر مجھے ثبات وقرار نہیں رہتا تو آپ نے میرے سینے پر اپنا دست اقدس مارا اور یہ دعا فرمائی: ''أللهم ثبته، واجعله هاديا مهديا'' ''اے اللہ! تو انہیں ثابت قدم رکھ اور ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما''۔ (بخاری ۳/۱۱۰۴، مسلم ۴/۱۹۲۵)

(۸) حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شکایت:

آپ نے فرمایا: میں نے رسول پاک ﷺ سے اپنی زبان کی تیزی کی شکایت کی تو فرمایا: '' أين أنت من الاستغفار'' تم استغفار سے کہاں غافل رہتے ہو۔ اس کے بعد سے میں نے ہر روز سو ۱۰۰ بار اللہ سے استغفار کرنا

شروع کر دیا (احمد ۴۰۲/۵، نسائی ۱۱۷/۶، ابن ابوشیبہ ۵۶/۶)

(۹) عبدالرحمٰن بن عوف کی خالد کی شکایت:

عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول پاک ﷺ سے خالد بن ولید کی شکایت کی تو رسول پاک نے فرمایا: "**یاخالد لم توذي رجلا من أهل بدر، لو أنفقت مثل أحد ذهبا لم تدرک عمله**" "اے خالد! اہل بدر میں سے ایسے شخص کو کیوں ایذا دیتے ہو کہ احد پہاڑ کے برابر اگر سونا خرچ کرو تو اس کے عمل کو نہ پاسکو" تو خالد نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ لوگ میری عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں تو میں انہیں جواب دیتا ہوں، تو رسول پاک نے فرمایا: "**لاتؤذوا خالدافإنه سیف من سیوف الله صبه علی الکفار**" خالد کی ایذا رسانی نہ کرو کیوں کہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایسی تلوار ہیں جسے کافروں پر اس نے مسلط فرمایا۔ ابن حبان نے اس حدیث کو تخریج کیا (۵۶۵/۱۵)، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۴۹/۹) میں کہا: طبرانی نے صغیر و کبیر میں مختصراً روایت کیا، اور بزار نے اسی طرح روایت کیا، اور طبرانی کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱۰) بعض صحابہ نے اپنی سخت دلی کی شکایت کی:

ابو ہریرہ نے فرمایا کہ: ایک شخص نے رسول پاک کی خدمت میں اپنی سخت دلی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "**امسح رأس الیتیم وأطعم المسکین**" "یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ"

منذری نے ترغیب وترہیب (۲۳۷/۳) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۶۰/۸) میں کہا: امام احمد نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۵۱/۱۱) میں کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(۱۱) عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بدن کے درد کی شکایت کی:

عثمان بن ابو العاص ثقفی نے فرمایا کہ انھوں نے رسول پاک ﷺ سے اس درد کی شکایت کی جو وقت اسلام سے آپ کے بدن میں ہوتا، رسول پاک نے فرمایا: "اپنا ہاتھ بدن کے درد کی جگہ رکھ کر ۳/ بار بسم اللہ اور سات مرتبہ "**أعوذ بالله وقدرته من شرّ ماأجدوأحاذر**" پڑھیے (مسلم ۱۷۲۸/۴)۔

(۱۲) صحابہ نے مشرکین کے ظلم کی شکایت کی:

خباب ابن الارت فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول پاک ﷺ سے شکایت کی جب کہ آپ کعبہ کے سایہ میں سر اقدس کے نیچے اپنی چادر اقدس کا تکیہ لگا کر جلوہ فرما تھے، ہم نے آپ سے عرض کیا آپ کیوں ہمارے لیے مدد نہیں طلب فرماتے اور اللہ سے دعا نہیں کرتے، آپ نے فرمایا: تم سے پیشتر ایک شخص کے لیے زمین میں گڈھا کھود کر اسے اس میں کھڑا کیا جاتا پھر اس کے سر پر آرہ رکھ کر چلایا جاتا اور اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی، اس کے گوشت کو پار کر کے اس کی ہڈی یا پٹھے میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتیں اور یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی، بخدا یہ امر دین ضرور ضرور پورا ہوگا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت چلا جائے اسے صرف اللہ کا یا اپنی بکریوں پر بھیڑیا کا ڈر ہوتا لیکن تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم جلد بازی کر رہے ہو (بخاری ۳/۱۳۲۲، مسلم ۱/۴۳۳)

(۱۳) بعض صحابہ نے نماز میں خیال آنے کی شکایت کی:

بخاری (۲/۲۵۷) و مسلم (۱/۲۷۶) نے سعید اور عباد بن تمیم سے روایت کیا وہ اپنے چچا سے راوی کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ سے شکایت کی کہ آدمی کو خیال آتا ہے کہ وہ اپنی نماز میں کوئی چیز محسوس کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بو محسوس نہ کرے"۔

(۱۴) عورتوں نے اپنے شوہروں کی زدوکوب کی شکایت کی:

مروی ہے کہ بہت سی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات کے پاس جا کر اپنے شوہروں (کے مارنے پیٹنے) کی شکایت کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون أزواجهن ليس أولئك بخياركم**" بہت سی عورتوں نے محمد ﷺ کی ازواج کے پاس آ کر اپنے شوہروں کی شکایت کی ہے تم میں ایسا کرنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ ابوداؤد (۲/۲۴۵) ابن ماجہ (۱/۶۳۸) دارمی (۲/۱۹۵)

(۱۵) تابعین نے حجاج کی مشقتوں کی شکایت کی:

بخاری (۱۵۵/۶ ۷) واحمد (۱۳۲/۳) نے تخریج کیا کہ زبیر ابن عدی نے فرمایا ہم نے انس ابن مالک سے حجاج کی مشقتوں اور مصیبتوں کی شکایت کی تو فرمایا: صبر کیجیے کیوں کہ تمہارے پاس کوئی سال یا کوئی دن نہ آئے گا مگر وہ پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو میں نے تمہارے نبی ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو شخص رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح کی کی جانے والی شکایتوں میں غور وفکر کرے گا اس کو بہت سی شہادتیں ملیں گی، اگر سیدہ فاطمہ رضی للہ تعالی عنہا کا مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے والد سے ابو بکر صدیق کی شکایت کریں گی تو عشرہ مبشرہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اقدس سے خالد بن ولید کی شکایت کی، اور اگر سیدہ فاطمہ نے تنگی دنیا کی شکایت کرنا چاہا تو سب سے پہلے اپنے والد کی بارگاہ میں شکایت کی، اور آپ نے فاطمہ سے یہ نہ فرمایا کہ شکایت کرنا حرام ہے، یا صرف اللہ ہی کی بارگاہ کے ساتھ خاص ہے۔ وھکذا

ابن تیمیہ کے نیاز برداروں پر ہم یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شکایت وعرض حال کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ہر دور میں مسلمانوں کی یہ محکم عادت رہی، بعض خلفائے راشدین جن کی اتباع کا حکم دیا گیا ان کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے خواب میں حضور اقدس سے شکایت کی۔

ابو صالح حنفی نے فرمایا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ سے آپ کی امت کی طرف سے پیش آنے والی مشقت وکجی اور مخالفت ونزاع کی رو کر شکایت کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: علی نہ روؤ............الی آخر الحدیث

ابو یعلی نے اس کو روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۸/۹) میں کہا: ابو یعلی نے اسے روایت کیا، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ فیض القدیر (۹۹/۳)۔

فریب خوردہ لوگ جب اس اثر کو دیکھتے ہیں تو اس کی تضعیف کرتے ہیں، یا اس کی کمزور ترین تاویل

کرتے ہیں، یا امام علی کو خطا کار اور قصوروار ٹھہرانے کی پوری کوشش کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پیشوا ابن تیمیہ کا یہی طریقہ ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں:

انسان تو انسان بہائم نے بارگاہ رسالت میں شکایتیں کیں ہیں تو کب تم لوگ آپ کی بارگاہ میں شکایت کروگے یا آپ کی بارگاہ سے مکمل بے نیاز ہو؟

امام احمد (۱۷۳/۴) نے بسند جید روایت کی (جیسا کہ منذری نے ترغیب وترہیب (۱۴۴/۳) میں کہا) کہ نبی پاک ﷺ نے اونٹ کے مالک سے فرمایا: تمہارے اونٹ کا کیا معاملہ ہے کہ وہ تمہاری شکایت کررہا ہے اس نے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس پر پانی لادتے ہو اور بوڑھا ہونے پر اسے ذبح کردوگے اونٹ کے مالک نے آپ سے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ایسا نہ کروں گا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے (جس کے متعلق حافظ ضیا مقدسی کی مختارہ (۱۵۸/۹) میں ہے کہ وہ صحیح کی شرط پر ہے) کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکا ڈالتے ہو (جانفشانی میں ڈالتے ہو)

عاشقان رسالت مآب ﷺ سے میری یہ گزارش ہے کہ وہ ایک اہم نقطہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں وہ یہ ہے کہ اہل اللہ میں سے جو ائمہ اعلام اپنے مریدین کی تربیت فرماتے، اور انہیں سلوک کے منازل طے کراتے ہیں وہ مرید اور سالک الی اللہ کو ہمیشہ اس بات کی نصیحت فرماتے ہیں کہ مخلوق سے کسی چیز کی شکایت نہ کریں، ان حضرات کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ خود مرید یا سالک ان کے پاس شکایت لائے بلکہ ان کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ مرید یا سالک اپنے رب کی طرف کامل توجہ رکھے اور جب اسے کوئی معاملہ یا شکایت درپیش ہو تو سالک پر لازم ہے کہ اسے آگاہ کرے اس لیے کہ وہ اس کی تربیت کررہا ہے اور اسے سلوک کے منازل طے کرارہا ہے، ان کے دل میں ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے شکایت نہ کرے ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ یہ حضرات لوگوں کو قرب رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں اور آپ کی طرف ان کی راہ نمائی فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا یہ خیال ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ ایک عام امتی کی طرح ہیں کوئی شخص آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت وضعف وغیرہ کی شکایت پیش نہ کرے بلکہ اس سے بچنا لازم ہے **والعياذ بالله تعالى في اعتقادهم** (ان کے اعتقاد سے اللہ کی پناہ)

بھلا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ آپ امت کے مربی اور ان کی جائے پناہ ہیں اور مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ابن تیمیہ اور اس کے ہم نوا ہمیں بتائیں کیا اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کو پاکر آپ سے شکایت نہ کی، یا آپ کو ایسے نافرمان اولاد ملے جنھوں نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ بڑھاپے کے سبب آپ کی عقل میں فساد آگیا ہے۔ **لاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم۔**

وصل اللهم وسلم وبارك على من يقول أنا لها

أنا لها حينما يستغيث به الناس يوم القيامة

ترجمہ:۔اے اللہ! اس نبی پر رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرماجو اپنی امت کے لیے اس دن ''انا لھا، ''انا لھا'' فرمائیں گے جب قیامت کے دن آپ کی امت آپ کی بارگاہ میں فریاد بخشش لائے گی۔

(٦) ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی مدد کا مطلقاً منکر ہے

ابن تیمیہ حضوراقدس سید عالم ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی آپ سے سوال اور استغاثہ کا انکار کرتا ہے، جب کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہ کہا۔

ابن تیمیہ کی عادت ہے کہ وہ حضوراقدس ﷺ کو ایک عام انسان کی شکل میں پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ آپ کی خصوصیت وفضیلت اور قدرت وقوت کا انکار کرتا ہے حالاں کہ آپ کے رب عزوجل نے آپ کو بے شمار اختیارات وتصرفات اور گونا گوں کمالات سے سرفراز فرمایا ہے۔

اس نے اپنی کتاب منہاج (٤-٢٤٣، ٢٤٤) میں کہا:

''نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے فرمایا: جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو، اور جب مدد مانگو تو اللہ ہی سے مانگو''

(١) یہ نہ فرمایا مجھ سے مانگو

(٢) اور نہ یہ کہا مجھ سے مدد مانگو

(٣) اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ٥ وَإِلَى رَبِّکَ فَارْغَبْ﴾ [الشرح-٩٤: ٧، ٨]

ترجمہ:۔تو جب نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔'' اھ

میں کہتا ہوں:

مسلمانوں کی حجت ودلیل نبی پاک کی سنت شریفہ اور آپ کا ارشاد وعمل ہے، ابن تیمیہ کی بکواس نہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے ربیعہ بن کعب اسلمی سے تخریج کیا آپ نے فرمایا: میں حضوراقدس ﷺ کے ساتھ رات گزارتا تھا، میں حضور کے وضو اور قضائے حاجت کے لیے پانی لایا تو آپ نے فرمایا: ''سل'' ''مانگو'' اور احمد اور ابوداود اور نسائی اور طبرانی میں ہے فرمایا: ''سلني'' ''مجھ سے

مانگو'۔ پھر میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی صحبت طلب کرتا ہوں آپ نے فرمایا: اور کچھ؟ میں نے عرض کی بس یہی، آپ نے فرمایا: تو تم اپنے اوپر کثرت سجود سے میری مدد کرو[1]

اور طبرانی نے مصعب اسلمی سے تخریج کی انھوں نے فرمایا: ہم میں سے ایک لڑکا نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی حضور آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں فرمایا: کون سا سوال ہے؟ عرض کیا: میری خواہش یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں، فرمایا: تمہیں کس نے سکھایا، یا تمہیں کس نے بتایا؟ عرض کیا میرے نفس کے سوا مجھے کسی نے اس کا حکم نہ دیا فرمایا: میں تمہیں قیامت کے دن اپنی شفاعت کے سایہ میں لوں گا۔[2]

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "سلني" "مجھ سے مانگو" یا "سل" "مانگ" نبی پاک کا یہ ارشاد[3] اس بات

---

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۳۵۳) اور ابوداود (۲/۳۵) اور نسائی (۱/۲۴۲) اور ابن ابوعاصم نے آحاد ومثانی (۴/۳۵۲) میں تخریج کی۔

اور امام احمد (۳/۵۰۰) زیاد بن ابوزیاد مولی بنی مخزوم سے راوی کہ نبی پاک ﷺ کے ایک خادم (مرد یا عورت) نے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ اپنے خادم سے فرماتے: "کیا تمہاری کوئی حاجت ہے" یہاں تک کہ ایک دن خادم نے عرض کی حضور میری ایک حاجت ہے فرمایا: کون سی حاجت ہے؟ عرض کیا یہ کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں فرمایا: "کس نے تمہیں یہ بتادیا؟" عرض کی میرے رب عزوجل نے، فرمایا: تم سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲/۲۴۹) میں کہا: امام احمد نے روایت کی اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) طبرانی نے کبیر (۲۰/۳۶۵) میں روایت کی، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۳۶۹) میں کہا: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اور زین عراقی نے اس کو صحیح کہا، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں (فیض القدیر ۵/۱۸۰)

(۳) حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

"یوخذ من إطلاقه صلى الله تعالى عليه واله وسلم الأمر بالسؤال أن الله تعالى مكنه من إعطاء كل ماأراد من خزائن الحق"

کی روشن دلیل ہے کہ ابن تیمیہ کا قول ساقط الاعتبار ہے، لائق اعتماد اور قابل التفات نہیں، صحابی رسول کا حضور اقدس سے جنت میں رفاقت کا سوال اور آپ کا اس پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شرک و بدعت نہیں۔

نبی پاک نے صحابی رسول سے یہ نہ ارشاد فرمایا تم مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہو جو صرف اللہ کی قدرت میں ہے، اور آپ نے یہ نہ فرمایا تم مجھ سے نہ مانگو بس اللہ عزوجل ہی سے سوال کرو، آپ نے یہ بھی نہ فرمایا کہ تم نے شرک کر ڈالا اور یہ نہ کہا کہ یہ تمہاری توحید کے منافی ہے۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے جو مانگنے کا مطلق حکم دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو یہ قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالی کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔

پھر لکھا: ''وذکر ابن سبع في خصائصه وغیره أن الله تعالی أقطعه أرض الجنة یعطي منها ما شاء لمن یشاء''

امام سبع وغیرہ علما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی جاگیرداری کر دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:

''أنه صلی الله تعالی علیه وآله وسلم خلیفة الله الذي جعل خزائن کرمه، وموائد نعمه طوع یدیه وتحت إرادته یعطي منها من یشاء ویمنع من یشاء''

ترجمہ:۔ بے شک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالی نے اپنے کرم کے خزانے، اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے دست قدرت کے فرماں بردار، اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کر دیے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں نہیں دیتے ہیں۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ اعظم اور نائب مطلق ہیں اس لیے آپ نے مطلق ارشاد فرمایا کہ: ''مانگ'' سوال کا اطلاق بتا رہا ہے کہ سائل حضور سے جو چاہے مانگے اس لیے کہ آپ اللہ عزوجل کے خوان کرم کے مالک ہیں اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے خزانوں کا مالک بنا دیا ہے، اگر غیر اللہ سے استمداد شرک و بدعت ہوتو پھر حضور اقدس ہرگز یہ ارشاد نہ فرماتے اور صحابی رسول آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش نہ فرماتے آپ کا یہ تصرف واختیار صرف آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ حدیث میں وارد ہے: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، مسلم شریف میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل کی پیرزن کا واقعہ بھی اس کی روشن دلیل ہے۔

ابوموسی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کے پاس آئے تو اس نے آپ کی تعظیم کی، پھر آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس آنا تو وہ آپ کی خدمت میں آئے، آپ نے ان سے فرمایا اپنی حاجت کا سوال کرو انھوں نے عرض کیا: سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہئے اور کچھ بکریاں جن کا دودھ میرے گھر کے لوگ حاصل کریں تو

''أتيت موسى ليلة أسرى بي عندالكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره ''

(مسلم کتاب الفضائل باب فضائل موسی)

ترجمہ:۔میں شب اسری موسی کے پاس اس حال میں آیا کہ وہ ریت کے سرخ ٹیلہ کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

مسلم کے علاوہ بخاری ونسائی ودیگر کتب احادیث میں یہ حدیث وارد ہے امام بیہقی نے ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

''وفي كل ذالك دلالة على حياتهم''

یہ ساری حدیثیں اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

خود ابن قیم نے لکھا:

''وقد صح أنه صلى الله تعالى عليه وسلم رأى موسى عليه السلام قائما يصلي في قبره ليلة الإسراء'' (الروح ص۲۴)

ترجمہ:۔صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے شب اسرا میں حضرت موسی علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔

ابوداؤد نے اوس بن اوس سے تخریج کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن الله حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء'' (سنن ابوداؤد، باب الصلاۃ ۲۰۱، وتر ۱۹/۲۶)

ترجمہ:۔بے شک اللہ نے زمین پر انبیا کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے۔

امام نسائی نے باب الجمعہ، ابن ماجہ نے باب الإقامۃ اور جنائز میں یہ حدیث تخریج کی ہے امام دارمی نے باب الصلاۃ، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس حدیث کو ذکر کیا، امام بیہقی نے دعوات کبیر، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا، امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ: یہ حدیث

رسول پاک نے فرمایا: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی پیرزن کی طرح ہو؟ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ! بنی اسرائیل کی پیرزن کا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا: موسی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو وہ لوگ

...بخاری کی شرط پر صحیح ہے، امام ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور امام نووی نے اس کو صحیح قرار دیا (شرح حیاۃ الأنبیاء لفرید عبدالعزیز الجندی ص۲۳)

علامہ محمد عباس نے اس حدیث کی مزید درج ذیل تخریجات قلم بند کیں۔

(۱) ابونعیم نے دلائل نبوۃ میں (۲) امام بیہقی نے شعب الایمان، سنن کبری وسنن صغری میں (۳) ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں (۴) حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں (۵) امام قاضی اسماعیل نے اپنی کتاب میں (۶) امام نسائی نے سنن کبری میں (۷) طبرانی نے معجم کبیر میں تخریج کیا۔

قاضی شوکانی نے تصریح کی:

''جن حدیثوں میں جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے کا ذکر ہے اور اس بات کا ذکر ہے کہ آپ پر درود پیش ہوتا ہے، اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں، انھیں حدیثوں کی روشنی میں محققین کی ایک جماعت نے اس بات کا قول کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بعد وفات بھی زندہ ہیں، اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، اور یہ کہ انبیا دائمی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ مطلق ادراک مثلاً علم، سماع سارے مردوں کے لیے ثابت ہے''

(نیل الأوطار ۳/۲۸۲)

ابوعبداللہ ابن احمد ابن عبدالہادی جو ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں انھوں نے اس حدیث کی صحت کے بارے میں تحریر کیا:

''فیکون حدیث الذي رواه حسین بن جابر عن أبي الأشعث عن أوس صحیحا لأن رواته کلهم مشهورون بالصدق والأمانة والثقة والعدالة ولذلک صححه جماعة من الحفاظ کأبي حاتم بن حبان، والحافظ عبدالغني المقدسي، وابن دحیة وغیرهم ولم یات من یتکلم فیه'' ۔(الصارم المنکي ۲۷۵،۲۷۶)

ترجمہ:۔ جو حدیث حسین ابن جابر نے ابوالاشعث سے روایت کی اور ابوالاشعث نے اوس بن اوس سے روایت کی وہ صحیح ہے کیوں کہ اس کے تمام راوی صداقت وامانت اور ثقات وعدالت میں مشہور ہیں اسی لیے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا جیسے ابوحاتم ابن حبان، حافظ عبدالغنی مقدسی، اور ابن دحیہ وغیرہم اور اس حدیث کے راویوں میں کوئی ایسا راوی نہیں جس پر جرح وطعن ہے۔

راستہ بھٹک گئے تو آپ نے کہا یہ کیا ہے؟ تو ان کے علما نے کہا یوسف علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت ہم لوگوں سے ایک پختہ پیمان لیا تھا کہ ہم لوگ مصر سے باہر نہ نکلیں جب تک آپ وہاں سے منتقل ہونے کا حکم نہ دیں،

علاوہ ازیں اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں جنھیں ابن ماجہ نے ابو درداء سے ثقہ راویوں سے روایت کیا، امام بیہقی نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا۔

امام بیہقی نے ثقہ سے روایت کی، انھوں نے ابو عمرو ابن حمدان سے روایت کی، انھوں نے ابویعلی سے، انھوں نے ابوالجہم ازرق ابن علی سے، انھوں نے حجاج سے، انھوں نے انس بن مالک سے کہ انس بن مالک نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون**" (حیاۃ الأنبیاء ص ۱۷)

ترجمہ:۔انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

فریدجندی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں کہا:

"**هذا إسناد جيد رجاله كلهم ثقات غير الأزرق**"

ترجمہ:۔اس حدیث کی سند عمدہ ہے ازرق کے سوا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حافظ نے تقریب میں کہا:

"**صدوق يغرب**"

ترجمہ:۔ازرق سچے ہیں کبھی غریب لاتے ہیں۔

قاضی شوکانی نے کہا:

"**وقد ثبت في الحديث أن الأنبياء أحياء في قبورهم**" (**رواه المنذري وصححه البيهقي**)

(نیل الأوطار ۳/۲۴۸)

اس حدیث سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں، منذری نے اسے روایت کیا اور بیہقی نے اسے صحیح کہا۔

قاضی شوکانی نے مزید تصریح کی:

"**إنه صلى الله تعالى عليه وسلم حي في قبره بعد موته كما في حديث: "الأنبياء أحياء في**

آپ نے فرمایا: آپ کی قبر کا علم کسے ہے؟ کہا: بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کو تو آپ نے انھیں بلا بھیجا، وہ پیرزن آپ کی خدمت میں حاضر آئیں، آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی قبر بتائیں، انھوں نے عرض کیا میں اس وقت تک نہ بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری درخواست قبول نہ فرمائیں، فرمایا تمہاری درخواست وحاجت کیا ہے؟ عرض کی میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں، آپ نے اسے قبول فرمانا نہ چاہا تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اس پیرزن کی درخواست قبول کرلیں(۱)

یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ جب کسی سے یہ فرمائیں: ''مجھ سے مانگو'' تو اس سے آپ کی

قبورهم''وقد صححه البيهقي وألف في ذلك جزءا قال الأستاذ أبو منصور البغدادي : قال المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم حي بعد وفاته''(نيل الأوطار)

ترجمہ:۔ نبی علیہ السلام وصال فرمانے کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہے: ''الأنبياء أحياء في قبورهم ''امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، استاذ ابو منصور بغدادی نے کہا ہمارے اصحاب میں سے جو متکلمین محققین ہیں انھوں نے فرمایا: ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وفات کے بعد بھی زندہ ہیں۔

ان ساری شہادتوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد زندہ ہیں، آپ اپنے وصال کے بعد بھی اپنی حیات کی طرح تصرف فرماتے ہیں تو جس طرح آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ سے سوال واستعانت جائز ہے آپ کے وصال کے بعد بھی یہ حکم باقی ہے، مزید شہادتوں کے ذریعہ انشاء اللہ الرحمٰن ہم آئندہ صفحات میں اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ (مترجم)

(۱) بنی اسرائیل کی پیرزن کی حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح (۲/۵۰۰-۵۰۱)، اور حاکم (۲/۴۳۹، ۲/۶۲۴) اور ابویعلی (۱۳/۲۳۶) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۹/۳۱۲) میں ابوموسی اشعری سے تخریج کی، اور طبرانی نے اوسط (۷/۳۷۴، ۳۷۵) میں علی سے تخریج کی، اور سیوطی نے الدر المنثور (۴/۵۹۱، ۵۹۲) میں ابن ابو حاتم اور ابن حبان اور حاکم کی طرف نسبت کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷۰-۱۷۱) میں کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ کی امت آپ سے جنت میں رفاقت ومعیت کا سوال کرے، یہ ان لوگوں کا کھلا ہوا رد ہے جن کا یہ خیال ہے کہ عام انسان جس چیز کی طاقت ووسعت نہیں رکھتا اس میں نبی پاک ﷺ سے بھی مدد مانگنا، یا استغاثہ کرنا یا آپ سے ایسی چیز طلب کرنا کفر وشرک ہے۔

ذرا غور فرمائیں یہ جلیل الشان صحابی رسول پاک ﷺ سے جنت میں صحبت ورفاقت کا سوال کر رہے ہیں اور نبی پاک نے ان سے یہ نہ فرمایا یہ صرف اللہ عزوجل ہی کی قدرت وبس میں ہے اور ان سے یہ بھی نہ فرمایا کہ تمھیں کیا معلوم کہ تم جنت میں جاؤ گے۔

اس مقام کو سمجھنے اور اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے سخت اجتناب کرنا چاہئے جو لوگ شرک وکفر کی رٹ لگا کر مسلمانوں کو رسول پاک ﷺ کی بارگاہ اور آپ کے توسل واستغاثہ سے ڈراتے ہیں۔

اس مقام پر کوئی یہ شبہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ نے تو یہ نہ کہا کہ: مجھ سے مدد مانگو اور ابن تیمیہ کا مقصود یہ ہے کہ دعا اور طلب کرنا ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابی نے نبی پاک ﷺ سے جنت طلب کی اور یہ ایک واضح معاملہ ہے جس میں کسی التباس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کیا منکرین زیادہ جانتے ہیں یا نبی پاک ﷺ کا علم ارفع واعلی ہے؟ اس مقام پر ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے یہ فرمایا: ''جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو''

ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق گفتگو نہ کریں گے اس لیے کہ بعض علما نے اس حدیث کے متعلق اضطراب کا دعوی فرما کر کلام کیا، اگر نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے باب میں اضطراب کا دعوی ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس کو ضعیف قرار دیتے۔

بہر حال اس حدیث ابن عباس کا معنی واضح ہے وہ اس طرح کہ یہ حدیث ''غلام کی حدیث'' سے مشہور ہے نبی پاک کا مقصود یہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو بچپن میں اس بات کی تعلیم فرمائیں کہ اللہ عزوجل سے اپنا تعلق قوی رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ سبب سے رشتہ قائم کر کے مسبب کو بھول جائیں اور اسے بالکلیہ

چھوڑ دیں، جب آپ پروان چڑھے اور بڑے ہوئے تو آپ کو یہ بھی تعلیم فرمایا کہ کس طرح اسباب سے وابستگی رکھیں اوران سے تعلق ورشتہ رکھیں اس لیے کہ اسباب تو اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ سے ہیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ بکری کے شانہ کا گوشت سرکار کو محبوب تھا اور لہسن اور مسور اور پیاز آپ کو ناپسند تھا۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من لم یشکر الناس لم یشکر الله**'' ''جو بندوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں'' آپ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسباب سے وابستگی رکھیں اوران سے رشتہ وتعلق قائم رکھیں۔

(۷)رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے یہ فرمایا کہ: تم میری مدد کرو اور اپنے اصحاب سے فرمایا: ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو''

صحابہ کرام نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین حضور اقدس ﷺ سے مدد طلب کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا ''مجھ سے مدد مانگو'' معاملات کو خلط ملط کرنا ہے خصوصا عوام پر جیسا کہ تقی حصنی نے اپنی کتاب (دفع شبہ من شبہ و تمرد) میں کہا کہ: یہ عوام پر ان کے معاملات کو مشتبہ کرنا ہے اور انھوں نے مزید یہ کہا: اس کی باطل باتوں سے پرہیز لازم ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ رسول پاک نے یہ نہ کہا: ''اور مجھ سے مدد مانگو'' یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۱۸/۳۱۹) میں کہا:

> ''اللہ سبحانہ تعالی نے رسولوں کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اللہ سے محبت رکھے، اور اسی سے امید کرے، اور دلوں کو ماسوی اللہ کی محبت و امید اور سوال سے خالی رکھے۔ اور اللہ کے لیے کوئی عمل اور اس سے استغاثہ کرے تو ماسوی اللہ کے لیے عمل نہ کرے اور نہ ان سے استغاثہ کرے بلکہ دلوں کو ان چیزوں سے خالی رکھے۔

میں کہتا ہوں:

ہمارے قلوب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماسوی کی محبت سے خالی ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی کہ: ''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ان کی برکت سے ایمان کی شیرینی پائے گا، ان تینوں میں سے پہلی خصلت یہ ہے کہ: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں''۔ ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد پاک کی طرف نظر کیجیئے کہ: ''اللہ اور اس کے رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں'' اور ابن

تیمیہ کے کلام کو دیکھیے وہ کہتا ہے کہ اللہ کی محبت میں دل اس کے ماسوا کی محبت سے خالی رکھے۔

رہ گیا مدارج السالکین (۱،٦٦) میں ابن القیم کا یہ کہنا کہ: ''چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ سے مدد مانگی جائے کیوں کہ جس کے پاس کوئی اختیار اور مشیت وقدرت نہیں اس سے مدد مانگنا محال ہے'' تو یہ بھی ابن تیمیہ ہی کے کلام جیسا ہے۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا حال یہ ہے کہ بے محل کلام استعمال کرتے، اور متعارف چیزوں کو باطل کی طرف پھیرتے ہیں، اس سے ان کا مقصود امت کو گمراہ کرنا، اور اپنے اختراع کردہ عقیدہ میں رنگنا ہوتا ہے، اس لیے ابن تیمیہ کے رد کے لیے ہم چند چیزیں ذکر کریں گے۔

(۱) اللہ عزوجل نے حضرت ذوالقرنین کے قصہ میں ذکر فرمایا کہ انھوں نے یہ کہا:

﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ [الکہف-۱۸:۹۵]

ترجمہ: تم میری مدد طاقت سے کرو میں تم میں اور ان میں مضبوط آڑ بنادوں (کنز الایمان)

ذوالقرنین نے یہ نہ کہا کہ جس کے پاس اختیار اور مشیت وقدرت نہیں اس سے مدد مانگنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ مدد مانگنا صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) امام احمد نے ابوالخیر سے تخریج کی کہ انصار کے ایک شخص نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹایا اور اس شخص سے فرمایا: ''میرے اس قربانی کے جانور میں میری مدد کیجیے تو اس شخص نے آپ کی مدد کی''

ذرا غور وفکر کریں خود رسول پاک ﷺ نے ''أعني'' (میری مدد کرو) ارشاد فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہ لوں گا۔

امام احمد (۵/۳۷۳) نے یہ حدیث تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۲۵) میں فرمایا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰/۱۹) میں فرمایا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) سلمان نے فرمایا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سلمان! اپنے مالک سے کتابت کرلو، تو میں نے اپنے مالک سے تین سو کھجور کے درخت پراس شرط کے ساتھ کتابت کرلی کہ میں عفیر (طعام) اور چالیس اوقیہ کے بدلے ان درختوں کی آبیاری وشادابی کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اپنے بھائی (سلمان) کی (بدل کتابت میں) مدد کرو''۔

امام احمد نے اسے تخریج کیا (۵/۴۴۳) اور معجم کبیر (۶/۲۲۵) میں بھی یہ روایت موجود ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۳۶) میں کہا: احمد نے اس کو مکمل روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں اسی طرح مختلف سندوں سے روایت کیا، اور احمد وطبرانی کے نزدیک پہلی روایت کی اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور محمد بن اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے، اور دوسری روایت کے رجال تنہا احمد کے ہیں، اور اس کے رجال عمرو بن ابی قرہ سنان کے رجال ہیں جو ثقہ ہیں۔

(۴) ابن عباس (جو اس حدیث ''جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو'' کے راوی ہیں) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''زمین پر حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ کچھ اور فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں تو جب تم چٹیل سنسان بیابان میں راستہ بھٹک جاؤ تو یہ ندا کرو: ''اے اللہ کے بندو! مدد کرو'' اس حدیث سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مدد مانگنا جائز ہے۔

ابن ابوشیبہ نے اس حدیث کو روایت کیا (۶/۹۱) اور بیہقی نے شعب الایمان میں (۱/۱۸۳) روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۳۲) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۵) وحشی بن حرب فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''امید کہ تم لوگ میرے بعد بڑے شہروں کو فتح کروگے اور ان شہروں کے بازاروں میں مجلسیں منعقد کروگے، تو جب ایسا ہو تو سلام کو پھیلاؤ اور نگاہیں پست رکھو، اور نابینا کی راہ نمائی کرو اور مظلوم کی مدد کرو''

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۶۲) میں کہا: اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، اور بعض راویوں میں ضعف ہے، اور مناوی نے فیض القدیر (۵/۲۶۷) میں کہا: مصنف (سیوطی) نے اس کے حسن ہونے کی طرف

اشارہ کیا، اور وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا، یا علی ہے، پھر ھیثمی نے کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بعض راویوں میں ضعف ہے۔

اور براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو سلام کو پھیلاؤ، مظلوم کی مدد کرو اور مسافر کی راہ نمائی کرو'' احمد نے اس حدیث کی تخریج کی (۲۸۳/۴، ۲۹۳)

(۶) وحشی بن جنادہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا: ''اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں، علی اس کے مولی ہیں، اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے وہ دوست رکھیں، اور اس کو دشمن رکھ جس کو وہ دشمن رکھیں، اور اس کی مدد فرما جس کی وہ مدد کریں، اور اس کی اعانت فرما جس کی وہ اعانت کریں''۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰۶/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا اور محدثین نے اس حدیث کے رجال کی توثیق کی ہے۔

(۷) حبیب بن سیاف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم واپس جاؤ کیونکہ ہم کسی مشرک کی مدد نہیں لیتے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حبیب مسلمان ہوتے تو حضور اقدس ان سے ضرور مدد لیتے۔

امام احمد وطبرانی نے یہ حدیث تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۳/۵) میں کہا: احمد کے رجال ثقہ ہیں، اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۲۸/۱۱) میں عائشہ سے، اور حاکم (۱۳۳/۲) نے ابوحمید ساعدی سے اسی طرح روایت کیا۔

(۸) نسائی نے مجتبیٰ (۲۶۳/۶) میں عمرو بن شعیب بروایت عن ابیہ عن جدہ تخریج کی وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس قبیلہ ھوازن کے وفد آئے، انھوں نے عرض کی اے محمد! ہم لوگ عرب کے اصول وقبائل سے ہیں، اور ہم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے آپ پر پوشیدہ نہیں اس لیے آپ ہم پر احسان فرمائیں آپ پر اللہ احسان فرمائے، آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنے اموال یا اپنی

عورتوں اور بچوں میں سے جسے چاہو اختیار کرلو، انھوں نے عرض کیا آپ نے ہمیں ہمارے حسب اور مال کے درمیان اختیار بخشا ہے ہم اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو اختیار کرتے ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنو جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے وہ سب تمہارا ہے، جب تم نماز سے فارغ ہوتو کھڑے ہوکر یہ کہو کہ ہم اپنی عورتوں اور اپنے مالوں میں سے مومنوں یا مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں'' جب وہ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوکر وہی کہا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے وہ سب تمہارا ہے'' تو مہاجرین نے کہا: جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کا ہے، اور انصار نے کہا: جو کچھ ہمارا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ہے، تو اقرع بن حابس نے کہا: رہا میں اور بنو تمیم تو ایسا نہیں، اور عیینہ بن حصن نے کہا: رہا میں اور بنو فزارہ تو ایسا نہیں، اور عباس بن مرداس نے کہا: رہا میں اور بنو سلیم تو ایسا نہیں، تو بنو سلیم نے کھڑے ہوکر عباس بن مرداس سے کہا: تو نے جھوٹ کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! ان کی عورتوں اور ان کے بیٹوں کو ان کے حوالے کردو جو شخص اس مال غنیمت میں سے بلاعوض کسی کو دینا چاہے تو اس کے لیے چھ فرائض (اونٹنیاں) ہیں اس پہلی چیز میں سے جو اللہ عزوجل نے ہمیں مال غنیمت عطا فرمایا ہے'' اور آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور دوسرے لوگ سوار ہوئے اور اس میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے کہا: آپ ہمارا مال غنیمت ہمیں تقسیم کردیجئے، پھر وہ لوگ آپ کو ایک درخت کی پناہ گاہ میں لے گئے اور انھوں نے آپ کی چادر اچک لی، آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے میری چادر واپس دو، بخدا اگر تہامہ کے درختوں کی طرح تمہارے لیے اونٹ ہوتے تو میں انھیں تم پر تقسیم کردیتا، پھر تم مجھے بخیل وبزدل اور جھوٹا نہ پاتے'' پھر ایک اونٹ کے پاس آپ تشریف لائے تو اس کے کوہان سے تھوڑا سا بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لیا، پھر فرمایا: ''سنو میرے پاس کچھ بھی مال غنیمت نہیں اور نہ یہ مگر پانچواں حصہ اور پانچواں حصہ'' تو آپ کے پاس ایک شخص بال کا ایک حصہ لے کر کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! میں نے اسے اس لیے لیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اونٹ کی جھولوں کی اصلاح کروں پھر فرمایا:

''سنو میرے اور بنو عبدالمطلب کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے'' پھر فرمایا: کیا تمہارے پاس یہ پہنچی ایسا ہے تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں پھر آپ نے اسے پھینک دیا، اور فرمایا: ''اے لوگو! چھوٹی اور بڑی سوئی سب ادا کردو کیوں کہ خیانت خائن پر قیامت کے دن عیب و عار ہوگی''۔

ذرا غور کیجئے کیا امام نسائی شرک و کفر نقل کریں گے؟

(۹) ابو موسی فرماتے ہیں میرے پاس اشعرین میں سے کچھ لوگ آئے، انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں کیوں کہ ہمیں آپ سے کام ہے، تو میں ان کے ساتھ چلا، انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کام میں ہم سے مدد لیجئے، ابو موسی نے کہا تو میں نے ان کی باتوں سے معذرت کی اور میں نے عرض کیا کہ مجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں، آپ نے میری باتوں کی تصدیق فرمائی اور میرا عذر قبول کیا اور فرمایا: ہم اپنے کام میں اپنے سائل سے مدد نہیں لیتے۔

اس حدیث سے بھی یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کام میں مدد لیتے ہیں لیکن اپنے سائل سے نہیں۔

امام احمد (۴/۴۱۷)، نسائی (۳/۴۶۴) اور ابو عوانہ (۴/۳۷۹) نے یہ حدیث تخریج کی۔

(۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه**'' ''اللہ اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے''۔

اس حدیث کو احمد (۲/۲۵۲)، مسلم (۴/۲۰۷۴)، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور حاکم نے اس کو روایت کیا، اور حاکم نے فرمایا: شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۱۱) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کے پاس غزوہ بنو مصطلق کے قیدی لائے گئے تو جویریہ بنت حارث بن قیس بن شماس اپنے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ بنالیا، آپ شیریں اخلاق اور حسین وجمیل وخوب رو تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا پسند کر لیتا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بدل کتابت کی امداد کے لیے آئیں تو بخدا جیسے ہی آپ کے

حجرہ شریفہ کے دروازہ پر میں نے انہیں کھڑی ہوتے دیکھا مجھے ناگوار لگا اور میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کا حسن و جمال مشاہدہ فرمائیں گے جو میں نے دیکھا ہے، جویریہ نے عرض کی یارسول اللہ! میرا حال آپ کو خوب معلوم ہے میں مکاتبہ ہوں اس لیے آپ سے بدل کتابت کی مدد مانگنے آئی ہوں، حضور نے فرمایا: کیا اس سے بہتر سلوک چاہتی ہو؟ عرض کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا: میں تمہارا بدل کتابت ادا کر کے تم سے نکاح کر لیتا ہوں، انھوں نے عرض کی، مجھے بسر وچشم قبول ہے، آپ نے فرمایا: میں نے کیا، جب مجاہدین اسلام کو یہ خبر ملی تو انھوں نے کہا کہ قیدی رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں ان کے ہاتھوں میں بنو مصطلق کے جتنے قیدی تھے سب آزاد کر دیے گئے، جویریہ کہتی ہیں: حضور کے مجھ سے نکاح فرما لینے کے بعد بنو مصطلق کے ایک سو افراد قید سے آزاد کر دیے گئے، عائشہ فرماتی ہیں: مجھے کوئی ایسی عورت معلوم نہیں جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئی ہو۔

نبی پاک کی ازواج میں یہ دو ایسی بیویاں ہیں جن کے واقعہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مدد لینا جائز ہے۔

احمد (۶/۲۷۷) ابن حبان (۹/۳۶۱) بیہقی نے سنن کبری (۹/۷۴) اور طبرانی نے کبیر میں (۲۴/۶۱) اس کو روایت کیا۔

(۱۲) بخاری (۲/۸۳۷) ومسلم (۳/۱۵۶۹) نے روایت کیا کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مال غنیمت میں ایک اونٹنی پائی رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دوسری اونٹنی بھی عطا فرمائی تو میں نے ان دونوں کو ایک انصاری صحابی کے دروازہ پر بٹھا دیا، میں ان پر اذخر (گھاس) لادنا چاہتا تھا تاکہ اسے بیچوں، میرے ہمراہ بنو قینقاع کا ایک سونار بھی تھا، میں فاطمہ کے ولیمہ میں اس سے مدد لیتا الخ۔

(۱۳) ابو وائل سے مروی ہے انھوں نے روایت کیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں ایک شخص آئے انھوں نے عرض کی امیر المومنین میں اپنا بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوں آپ میری مدد فرمائیں، تو

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا تمھیں ایسے کلمات نہ سکھادوں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھایا اگرتم پر جبل صیر کی طرح دینار ہوں تو اللہ تعالی تم سے ادا فرمادے گا، انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا یہ دعا پڑھو:

"اللهم اكفني بحلالك عن حرامك وأغنني بفضلك عمن سواك"

ترجمہ:۔ائے اللہ مجھے حلال عطا فرما کر حرام سے دور فرما، اور اپنے فضل کے ذریعہ دوسروں سے بے نیاز فرما۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ نہ فرمایا مدد صرف اللہ ہی سے مانگو، اور اگر فرماتے بھی تو آپ کی مراد یہ ہوتی کہ حقیقی مدد اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

امام احمد (۱۵۳/۱) اور ترمذی (۵۶۰/۵) نے اسے تخریج کیا اور ترمذی نے کہا: حسن غریب ہے، اور حاکم (۷۲۱/۱) نے تخریج کرکے کہا: صحیح ہے، علامہ ذہبی نے اس کی موافقت کی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ (۱۱۸/۲) اور مناوی نے فیض القدیر (۱۱۱/۳) میں تخریج کیا۔

ان اکتشافات وتحقیقات کے بعد ابن رجب حنبلی کے اس کلام کا معنی واضح ہوجاتا ہے جسے اپنی کتاب جامع العلوم والحکم (۱۹۳/۱) میں ذکر کیا:

''اور اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ ہو' جو شخص اللہ سے مدد نہ مانگے اور دوسروں سے مدد طلب کرے، اسے اللہ اسی شخص کے حوالہ کردیتا ہے جس سے مدد لیتا ہے تو پھر وہ مدد سے محروم ہوجاتا ہے۔ حسن نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا: ''اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہ مانگو کہیں اللہ تمہیں اسی پر نہ چھوڑ دے''۔

یہ جملہ: ''جو شخص اللہ سے مدد نہ مانگے اور دوسروں سے مدد طلب کرے اسے اللہ اسی کے حوالہ کردیتا ہے جس سے مدد لیتا ہے''، بہت ہی واضح ہے، اس لیے کہ اس کا معنی مقصود یہ ہے کہ جو حقیقی مدد اللہ سے نہ مانگے اور مخلوق سے مدد طلب کرے اسے اللہ عزوجل اسی کے سہارے چھوڑ دیتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب الأم (۲۶۱/۴) میں ارشاد فرمایا کہ: (رسول اللہ ﷺ نے ۸ھ میں غزوۂ حنین کے موقعہ پر صفوان بن امیہ سے

مدد طلب کی اس سے ارباب فہم پر استمداد واستعانت کی حقیقت خوب روشن ہو جاتی ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱/۲/۱۷۱) میں ایک باب قائم فرمایا جس کا عنوان یہ ہے: " **باب الاستعانة بالنجار و الصناع في أعواد المنبر و المسجد**" (منبر ومسجد کی لکڑیوں میں بڑھئی اور معمار سے مدد لینے کا باب) اور یہ بھی فرمایا (۳/۱۰۶۱) **باب من استعان بالضُّعَفاء و الصالحين في الحرب** (جنگ میں کمزوروں اور نیکوں سے مدد لینے والوں کا باب)۔

علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۲/۱۹۸-۱۹۹) میں فرمایا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: "**فارجع فلن أستعين بمشرك**" (واپس جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے مدد طلب کی۔ علما کی ایک جماعت نے پہلی حدیث کو اطلاق پر جاری رکھا، اور امام شافعی اور دوسرے حضرات نے فرمایا: اگر کافر مسلمانوں کے اندر اچھی رائے والا ہے اور اس سے استعانت کی حاجت ہو تو اس سے مدد لی جائے ورنہ مدد حاصل کرنا مکروہ ہے اور دونوں حدیثیں انہیں دونوں حالتوں پر محمول ہوں گی۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ [الشرح-۹۴: ۷،۸]

ابن تیمیہ نے اس آیت سے استشہاد کر کے کہا کہ اللہ کے رسول نے یہ نہ فرمایا: "مجھ سے مانگو اور مجھ سے مدد طلب کرو"، مجھے معلوم نہیں اس شخص کا طریقہ استدلال کیا ہے اگر اس کی مراد یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالی ہی کی طرف رغبت کرے تو ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے لیکن اس معنی مراد پر کسی کلمہ کی دلالت ضروری ہے ورنہ یہ معنی مراد لینا باطل ہے اس لیے کہ کلمہ "رغب" کے لغوی اشتقاق اور استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا استعمال مختلف سیاق میں ہوتا ہے، اور وہ صرف اللہ عز وجل کی بارگاہ ہی کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ کی مراد ہے اور وہ قاری کو یہی ذہن دینا چاہتا ہے، اس کی روشن دلیل اور واضح شہادت وہ روایت ہے جسے امام بخاری (۵/۱۹۶۷) نے تخریج کیا کہ ثابت بنانی نے فرمایا: میں انس کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی ایک بیٹی

تھیں انس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون آئیں، انھوں نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری حاجت ہے؟ تو انس کی بیٹی نے کہا: کس قدر کم حیا ہے، ہائے بری عادت! ہائے بری خصلت! اس پر آپ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر تھیں اس لیے کہ انھوں نے رسول پاک کی طرف راغب ہو کر اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

(۸) سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے جو تصرفات ابن تیمیہ کے فہم سے بالاتر ہیں ان میں وہ آپ پر جرحیں کرتا ہے۔

بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ گذر چکا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق [1] رکھا، اس سلسلے میں ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۴/۴) میں لکھا:

(سیدہ فاطمہ کا صدیق رضی اللہ تعالی عنہا سے قطع تعلق رکھنا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر حکم لگانے والا مدح وذم کرے بلکہ مدح کے اعتبار سے اس کا قابل جرح ہونا قریب تر ہے۔) اھ

میں کہتا ہوں:

ہم مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق وسیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما دونوں کی نصرت وحمایت کریں اوران میں سے کسی کی شان میں جرح وطعن سے اجتناب کریں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے باہمی مشاجرات ومنازعات میں توقف کرنا چاہیے اوران کی شان میں جرح سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالی قیامت کے دن ان کے مشاجرات کے متعلق ہم سے پرسش نہ فرمائے گا کیوں کہ اس نے ہمیں امت پر گواہ بنا کر نہ بھیجا، شاہد امت تو حبیب مصطفیٰ ﷺ ہیں ہاں ان کے آداب اوران کی تعظیم وتکریم کے متعلق ہم سے ضرور پوچھا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے مشاجرات میں کثرت کلام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متکلم کسی ایک طرف مائل ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ اس چاہ عمیق میں گرا **نسأل اللہ سبحانہ العفو و العافیة**.

اب ہم رسول اللہ ﷺ کے بعض ان احباب کے ارشادات عالیہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جنھوں نے امت کو ان خرافات سے ڈرایا جن میں ابن تیمیہ گرفتار ہوا۔

---

(۱) اس کی کامل تحقیق ماسبق میں گزر چکی۔ (مترجم)

ثابت بن عبداللہ بن زبیر نے کہا: مہدی نے کہا: صحابہ کرام کی تنقیص شان کرنے والوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں فرمایا: وہ لوگ زندیق ہیں اس لیے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی صریح تنقیص نہیں کرسکتے تو آپ کے اصحاب کی تنقیص کرتے ہیں گویا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ: آپ کے ساتھ برے اصحاب تھے۔

(حسینی نے اکمال میں اس کو روایت کیا (۱/۶۵۰)

ابوعروہ نے کہا: ہم لوگ مالک بن انس کے پاس جمع تھے، آپ کے پاس لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تنقیص کرنے والے ایک شخص کا تذکرہ کیا تو امام مالک نے یہ پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ...﴾ ﴿...يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح -۴۸: ۲۹]

ترجمہ:۔"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (ان کے اصحاب) کافروں پر سخت ہیں" کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔(کنزالایمان)

پھر آپ نے فرمایا: "جو اپنے دل میں رسول پاک کے اصحاب سے ذرا بھی غیظ وغضب رکھے وہ اس آیت کا مصداق ہے"۔

ابونعیم نے حلیہ (۶/۳۲۷) میں اس کی تخریج کی۔

ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا: میرے ماموں معاویہ کی تنقیص کرتے ہیں امام احمد نے فورا فرمایا :اس کے ساتھ کھانا ترک کردو۔

خلال نے السنۃ (۲/۴۴۸) میں اس کی تخریج کی۔

اور امام احمد نے یہ بھی فرمایا: جو رسول پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی کی تنقیص کرے گا وہ بلا میں گرفتار رہے گا اور اس کا انجام برا ہوگا۔

خلال نے السنۃ (۲/۴۷۷) میں اس کی تخریج کی۔

اور امام احمد سے کہا گیا آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کے اصحاب کے فروگذاشت میں اس کے لیے کلام کرنا مباح ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ گھٹیا اور بے کار بات ہے ایسے لوگوں سے اجتناب کریں، اوران کے ساتھ نہ بیٹھیں، اوران کا معاملہ لوگوں پر واضح کردیں۔

خلال نے السنۃ (۵۱۱/۳، ۵۱۲) میں اس کی تخریج کی۔

خطیب نے کفایہ (۴۹/۱) میں امام احمد کے شاگرد ابوزرعہ کا یہ قول نقل کیا:

''کسی شخص کو صحابہ کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے'' اھ

حافظ لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۱۶۲/۱) میں کہا: جو کسی صحابی کے فروگذاشت کے سبب ان کی تنقیص کرے، اوران سے بغض رکھے، یا ان کے فروگذاشت کا ذکر کرے وہ مبتدع ہے یہاں تک کہ ان کے لیے دعائے رحمت کرے، اوراس کا دل ان کے لیے صاف وشفاف ہوجائے۔

وصل اللهم على أبي الزهراء وسلم تسليما كثيرا

(۹) ابن تیمیہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے فضائل کا انکار کیا۔

اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم کو جو فضائل بخشے ہیں ابن تیمیہ مسلسل ان کا انکار کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: ''**إن اللــــــه يغضب لغضبک ويرضى لرضاک**'' بے شک اللہ تمہارے غضب کی وجہ سے غضب فرماتا ہے، اور تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتا ہے'' ابن تیمیہ نے اس حدیث کے متعلق ابن المطہر کا رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۲۴۸/۴-۲۴۹) میں کہا:

''ابن مطہر کا یہ کہنا کہ سارے محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: ''اے فاطمہ بے شک اللہ تمہارے غضب کے سبب غضب فرماتا ہے، اور تمہاری رضا کے سبب راضی ہوتا ہے''۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

(۱) محدثین نے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کو روایت نہ کیا۔

(۲) حدیث کی کسی معروف ومشہور کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

(۳) نبی ﷺ سے اس کی کوئی معروف سند نہیں نہ صحیح نہ حسن۔

(۴) جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہوں کسی مخلوق کا اس سے ناراض ہونا مضر نہیں، کوئی بھی شخص ہو اھ۔

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کا اس میں کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل جگر گوشۂ رسول خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ناراضی کے سبب ناراض ہو، اور ان کی رضا کے سبب راضی ہو آخر اس انکار پر عجیب وغریب اصرار کیوں؟

(۲) کیا نبی پاک ﷺ سے مروی تمام احادیث ابن تیمیہ کی نظر میں ہیں؟

(۳) ابن تیمیہ کی گستاخی و بے ادبی اور خطا واشگاف کرنے کے لیے ہم یہ گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ: بلاشبہ یہ حدیث، حدیث کی تمام کتابوں میں مروی نہیں، مگر مجھے بتایا جائے کہ کیا کوئی ایسی حدیث ہے

جوحدیث کی تمام کتابوں میں مروی ہے؟ پھر مزید اور سنیے:

کیا ابن ابو عاصم کی آحاد ومثانی، معجم ابویعلی، حاکم کی کتاب مستدرک، اور معجم طبرانی حدیث کی عظیم الشان معروف ومشہور ومعتبر کتابوں میں سے نہیں؟ یا ابن تیمیہ کا مقصود تمام اہل بیت خصوصا سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہما کی تجہیل ہے؟

یہ حدیث کہاں کہاں مروی ہے ابن تیمیہ کے متبعین ہم سے سنیں اور سر دھنیں اور اپنے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ پر ماتم کریں، اور فیصلہ کریں کہ ابن تیمیہ کذاب ہے کہ نہیں اور تمام حدیثوں پر اسے دسترس حاصل ہے یہ غلط ہے کہ نہیں؟

ابن ابو عاصم نے اس حدیث کو آحاد ومثانی (۳۶۳/۵) میں تخریج کیا، اور ابویعلی نے تخریج کیا (۱۹۰/۱) اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کر کے اس کو صحیح کہا (۱۶۷/۳) اور طبرانی نے کبیر میں تخریج کی (۱۰۸/۱، ۲۲/ ۴۰۱) اور دولابی نے الذریۃ الطاہریۃ (۱۲۰/۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۵۶/۳) میں تخریج کی، نیز یہ حدیث جزء ابن الغطریف (۷۸/۱) اور تدوین في أخبار قزوين (۱۱/۳) میں مذکور ہے۔

اور محبّ طبری نے ذخائر العقبی (۳۹/۱)، اور ابوسعد نے شرف النبوۃ، اور امام علی بن موسیٰ رضا نے اپنی مسند، اور ابن مثنی نے اپنی معجم میں ذکر کیا۔

اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۳/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے، اور حافظ ھیثمی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اور ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے مستدرک میں حاکم کی روایت کو ضعیف کہا، اور یہ کہا کہ: حسین بن زید منکر الحدیث ہے، جس سے استدلال جائز وحلال نہیں اھ۔ یہ ذھبی کی تعلیق غریب اور جرح مبہم ہے اس لیے کہ انھوں نے اس جرح کا سبب ذکر نہ کیا اور نہ ہی اپنے اس قول (اس سے استدلال جائز وحلال نہیں) کی وجہ بتائی حسین بن زید کا منتہائے حال یہ ہے کہ ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عدی نے کامل (۳۵۱/۲) میں کہا: اہل بیت کے متعلق ان کا حاصل کلام یہ ہے اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں سوائے اس کے کہ

ان کی بعض حدیثوں میں نکارت پائی جاتی ہے۔

اور حافظ نے تقریب التہذیب (۱/۱۶۶، نمبر ۱۳۲۱) میں کہا: وہ صدوق (زیادہ سچے) ہیں کبھی خطا کرتے ہیں۔ یہ ان کا منتہائے حال ہے۔

حافظ ناقد بصیر دارقطنی نے اپنی سوالات برقانی (۱/۲۲) میں حسین بن زید بن علی بن حسین عن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی (اس سند) کے متعلق فرمایا: سب ثقہ ہیں اور آپ کی یہ توثیق کافی ہے، امام حاکم اور ضیاء مقدسی نے بھی آپ کی توثیق فرمائی کیوں کہ آپ الاحادیث المختارہ میں ان کی روایتیں ذکر کرتے ہیں تو ان کی حدیث کم از کم حسن ہے جیسا کہ حافظ ھیثمی نے اس کو حسن کہا۔

اور ذہبی پر یہ تہمت والزام ہے کہ وہ فضائل اہل بیت میں وارد حدیثوں میں شدت اختیار کرتے ہیں اور کبھی بے غبار اور پاک وصاف وسالم راویوں کی بھی تضعیف کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علی بن صالح انماطی کے ترجمہ کے تحت لسان (۴/۲۳۵) میں ذکر کیا کہ ذہبی نے انہیں ایک ایسی حدیث میں متہم کیا جس سے وہ پاک اور بری ہیں، ان کی اصل عبارت کا معنی ومضمون یہ ہے:

''ذہبی سے پیشتر ان محدثین کی تحقیق ہونی چاہئے جن کی ذہبی تضعیف کرتے ہیں''

ذہبی کے شیخ حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۵/۲۵۰) میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں اس حدیث سے استشہاد کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۸/۵۶) میں استدلال واجتماع کے طور پر ذکر کیا ہے اور ان دونوں حضرات نے ان کی تضعیف نہ فرمائی۔

(۴) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا: ''جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہوں اس سے کوئی ناراض ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، ناراض ہونے والا کیسا ہی ہو'' ہم کہتے ہیں: کہ یہ ایک ایسا کلمہ حق ہے جس سے باطل کا قصد وارادہ ہے، کیوں کہ یہاں پر یہ معاملہ نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ناراضی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ جس کو اپنے بارے میں خود یہ معلوم نہیں کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے، یا دوزخ اسے یہ حکم نہیں کہ ان حضرات کے مشاجرات میں کلام کرے اور ان کے بارے میں فتوی دے جن کا جنتی ہونا قطعی

ویقینی ہے، اورجن کے جنتی ہونے کی بشارت وشہادت موجود ہے، خاص کرجگر گوشۂ رسول ﷺ اورآپ کے صاحب صدیق رضی اللہ تعالی عنہما کے مشاجرات میں، دراصل یہاں معاملہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی آل کے آداب کا پاس ولحاظ لازم وضروری ہے۔

بخاری (۱۳۶/۳) ومسلم (۱۳۸/۳) کی روایت میں ہے، کہ سیدہ فاطمہ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے''

بخاری (۱۳۶/۳) میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''**ارقبوا محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم في أهل بيته**'' محمد ﷺ کا آپ کے اہل بیت کے بارے میں پاس ولحاظ رکھو۔

اللہ عزوجل نے سورۂ بیّنہ میں فرمایا:

رضي الله عنهم ورضوا عنه (البیّنۃ ۸) اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

صرف یہ نہ فرمایا ''**رضي الله عنهم**'' (اللہ ان سے راضی) بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ''**ورضوا عنه**'' (اور وہ اللہ سے راضی)

کیا اس ارشاد کے بعد یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے حبیب اور آپ کے خلیفہ، اللہ کے حبیب ﷺ کی شہزادی اور آپ کی پارۂ جگر کی رضا جوئی نہ فرمائیں گے، یا اس اختلاف کے سبب آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں گے اگرچہ آپ کے ساتھ حق ہو۔ تو پھر ابن تیمیہ کے اس کلام: ''ناراض ہونے والا کیسا ہی شخص ہو'' کا کیا مقصد ہے؟

(۵) ہم ابن تیمیہ کے متبعین سے یہ بھی کہتے ہیں کیا بخاری (۱۳۶۱/۳) میں مسور بن مخرمہ کی یہ روایت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں، جوانہیں ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا''۔

وصل اللهم على أبي الزهراء التي كان يقوم لها ويقبلها ويقول لها ''يا أمتي'' وسلم تسليما كثيرا كثيرا

(۱۰) ابن تیمیہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جرأت و بے باکی کہ اس نے آپ سے متعلق دو فرضی چیزوں کی صحت تسلیم کر کے اس پر تبصرہ کیا۔

ابن تیمیہ کو یہ تسلیم ہے کہ صحابیہ جلیلہ ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا جھوٹی اور دروغ گو ہیں۔

فرض اول:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں عمداً خطا کی ہے اس لیے وہ زندیق ہے تو اس پر اس کے متبعین چراغ پا ہوتے ہیں، اور ان کا جوش غضب اس درجہ عروج پر ہوتا ہے کہ وہ ابن تیمیہ کو خاطی اور گستاخ و بے ادب قرار دینے والے کو گستاخ و خطا کار ٹھہراتے ہیں، لیکن جب ابن تیمیہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خطا کار ٹھہراتا ہے اور آپ کی شان میں توہین آمیز کلمات استعمال کرتا ہے تو اس پر ان کا جوش غضب نظر نہیں آتا۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۳۶/۴، ۲۳۷) میں بعض ان اقوال کا جائزہ لیا جن میں یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فدک ہبہ فرمایا، اور سیدہ جلیلہ ام ایمن نے اس کی شہادت بھی دی، جیسا کہ ان اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کہا:

(''چوتھی وجہ: یہ کہنا کہ: آپ ام ایمن کو لے کر آئیں تو انھوں نے آپ کے حق میں شہادت دی، اس پر ابوبکر نے فرمایا: کہ کسی عورت کا قول نہ لیا جائے گا، حالاں کہ تمام محدثین نے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام ایمن جنتی عورتوں میں سے ہیں'')

ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب منہاج (۲۳۸/۴) میں ایک صفحہ یا دو صفحہ کے بعد اس کا رد کرتے ہوئے کہا:

''اگر خدیجہ و فاطمہ و عائشہ اور ان کی طرح ایسی عورتیں جن کا جنتی ہونا معلوم ہے شہادت دیں تو ان

میں سے کسی کی شہادت کسی مرد کا نصف میراث، اوراس کی دیت کسی مرد کا نصف دیت ہوگی، اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

توکسی عورت کا جنتی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ اس کی شہادت بھی لی جائے اس لیے کہ اس سے غلطی ہوسکتی ہے، ایسا کیوں نہ ہوگا کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کر کے جنتی ہوجاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کے اس کلام میں دو خرابیاں ہیں جو نہایت قبیح اور سخت تر ہیں۔

پہلی خرابی: یہ ہے کہ اس میں ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں سخت بے ادبی ہے، کیوں کہ ابن تیمیہ نے آپ کی شان میں یہ تسلیم کیا اور کہا'' کہ کسی عورت کا جنتی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ اس کی شہادت بھی لی جائے، اس لیے کہ اس سے غلطی ہوسکتی ہے، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کر کے جنتی ہوجائے''۔

دوسری خرابی: جب ام ایمن نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں جھوٹی شہادت دی تو اس کا معنی یہ نکلا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک یہاں دو ۲ احتمالوں میں سے ایک احتمال ضرور ہے:

<u>پہلا احتمال</u>: یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا والعیاذ باللہ تعالی جھوٹی ہیں، اور ام ایمن نے بھی آپ کے حق میں غلط اور جھوٹی شہادت دی، اور ابن تیمیہ کی نظر میں یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ وہ خود ہی کہہ رہا ہے: ''کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کرلے اور جنتی ہوجائے''۔

<u>دوسرا احتمال</u>: یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جھوٹا اور غلط دعوی نہ کیا، لیکن ام ایمن نے کذب ودروغ سے کام لیا اور فاطمہ نے اس کذب کی تصدیق کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ پتہ نہ تھا کہ کیا کریں اور کیسا تصرف کریں اور معمولی شبہ کی بنا پر کافی مشقتیں اور دشواریاں پیدا ہوگئیں، اور امام علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی آپ کی موافقت ومطاوعت کر بیٹھے اس میں سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما کی بھی تنقیص شان ہے۔

بہرحال ابن تیمیہ کے نزدیک ان دونوں احتمالوں میں ام ایمن صحابیہ جلیلہ جھوٹی ہیں جب کہ آپ کو نبی

پاک ﷺ کی پرورش کی سعادت حاصل ہے۔اور پہلے احتمال میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا والعیاذ باللہ تعالیٰ جھوٹی ہیں، یہ دونوں احتمال تنقیص شان سے خالی نہیں۔

ہم اس مقام پر ابن تیمیہ کی غلط باتوں میں اس کی اتباع کرنے والوں سے یہ ضرور کہیں گے کہ اے قلب وبصیرت کے اندھو! ذرا دیکھو ابن تیمیہ تمھیں کہاں لے جارہا ہے۔

ہم قارئین کرام سے یہ عرض کریں گے کہ صحابیہ جلیلہ ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا وہ ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ کی پرورش کا شرف حاصل ہوا،اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اقدس کی بعثت کی راتوں میں آپ سے عقد فرمایا،اور آپ ہی کے شکم اطہر سے حضور اقدس ﷺ کے محبوب نظر اسامہ ابن زید پیدا ہوئے،اورام ایمن نے جب ہجرت کی تو آپ کو پیاس کا احساس ہوا اورآپ کے پاس ذرا بھی پانی نہ تھا آپ روزے سے تھیں آپ مشقت وجانفشانی میں پڑ گئیں تو سفید رسی لے کر آسمان سے آپ کے اوپر پانی کا ایک ڈول کھینچا گیا جس سے آپ نے اپنی پیاس بجھائی، آپ کہتی تھیں:اس کے بعد سے مجھے پیاس کا احساس نہ ہوا، اور سخت کڑی دوپہر میں جب روزے میں پیاس لگتی تو بھی آپ کو پیاس کا احساس نہ ہوتا۔(مصنف عبدالرزاق ۳۰۹/۴)،اور ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۲۴/۲)،اور حافظ کی الإصابہ (۱۶۹/۸)۔

جگر گوشۂ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جرح سے کیا ابن تیمیہ کی پیاس بجھ جائے گی؟

فرض ثاني:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۶۴/۴) میں کہا:''فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے ہبہ اور شہادت وغیرہ کا دعوی کیا،اگر یہ صحیح ہے تو استدلال کرنے والوں کی جرح مدح سے بہتر ومناسب ہے''۔

میں کہتا ہوں:ابن تیمیہ نے جگر گوشۂ رسول ﷺ کی جو کچھ تنقیص شان کی ہے اس کے متعلق ابن تیمیہ کے اصحاب کیا کہیں گے؟ کیا یہ کہیں گے کہ ہبہ اور شہادت مذکورہ کا دعوی بے اصل وبے بنیاد ہے،اگر وارد بھی ہو تو اس کی اسناد باطل،یا حد درجہ ضعیف ہے،اور سیدہ فاطمہ نے یہ دعوی نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فدک ہبہ فرمایا،

اور اگر اسناد صحیح ہے تو ہم پر یہ واجب ہے کہ سیدہ فاطمہ اور سیدنا ابوبکر صدیق کے مشاجرات کے بارے میں توقف کریں۔

ذرا متانت وسنجیدگی سے غور فرمائیں'' کیا ابن تیمیہ کا یہ کلام جگر گوشہ رسول ﷺ کی شان میں احترام وادب کا ہے، کیا کوئی شخص ابن تیمیہ کو لگام لگانے والا نہیں کہ اس کے نزدیک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جرح کرنا ہی بہتر ہے جیسا کہ ابھی اس کا یہ کلام گزرا: اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو استدلال کرنے والوں کے لیے مدح کی بہ نسبت جرح کرنا زیادہ لائق اور مناسب ہے،،۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لیے یہ غیرت کا مقام ہے، جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ابن تیمیہ نے نبی ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کو ایذا دی ہے تو اس کا حکم کم از کم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ زندیق ہے جیسا کہ اس کے زمانے کے علما اور حکام وسلاطین اسلام نے اس پر یہی حکم لگایا ہے کہ وہ زندیق ہے۔

ہم قارئین کرام کے یہ بھی گوش گذار کر دینا چاہتے ہیں کہ جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کو فدک عطا فرمایا وہ حدیث بہت ضعیف ہے اس کو ابو یعلی (۳۳۴/۲) اور ابن سعد نے طبقات کبری (۳۱۵/۲،۳۱۶) میں روایت کیا، اور حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۴۹/۷) میں ابو یعلی کی حدیث کو ضعیف کہا، اور حافظ ابن حجر نے میزان الاعتدال (۱۶۴/۵،۱۶۵) میں ایسا ہی ذکر کیا اور کہا: یہ باطل ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی یہ حدیث روایت کی۔

رہ گئی طبقات میں ابن سعد کی حدیث تو اس میں محمد بن عمر واقدی ہیں اور وہ اپنی جلالت شان کے باوجود متروک [1] ہیں جو لائق استدلال نہیں جیسا کہ علم رجال میں ثابت ہو چکا ہے۔

(۱) أقول وباللّٰہ التوفیق: شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے اگرچہ جمہور اہل اثر نے ان پر کلام کیا محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے یہی افادہ فرمایا جیسا کہ رقم طراز ہیں:

وصل اللهم على من أنزل عليه ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوْا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ﴾ [الاسراء-۱۷:۵۳] اے اللہ! اس ذات پر اپنی رحمت نازل فرما جن کی شان میں یہ آیت پاک اتری ''وعلى اله وسلم تسليما كثيرا'' اور آپ کی آل پر خوب سلامتی فرما۔

''امام واقدی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں، امام واقدی کو جمہور اہل اثر نے چنیں و چناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتب فن میں مذکور، لاجرم تقریب میں کہا: متروک مع سعة علمه (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے)۔ اگرچہ ہمارے علما کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے كما أفاده الإمام المحقق في فتح القدير (فتح القدير، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۶۹)'' جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے''۔ بایں ہمہ بجرح شدید ماننے والے بھی انھیں سیر و مغازی و اخبار کا امام مانتے، اور سلفاً و خلفاً ان کی روایات سیر میں ذکر کرتے ہیں كما لايخفي على من طالع كتب القوم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کتب کا مطالعہ کیا ہے)۔ میزان میں ہے:

''كان إلى حفظه المنتهى في الأخبار والسير والمغازي والحوادث وإمام الناس والفقهه وغير ذلك'' (ميزان الاعتدال نمبر ۷۹۹۳ ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/۶۶۳) یہ اخبار و احوال علم سیر و مغازی حوادثات زمانہ اور اس کی تاریخ اور علم فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں۔

''حيث قال في باب الماء الذي يجوز به الوضوء عن الواقدي قال كانت بئر بضاعة طريقا للماء إلى البساتين وهذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدي

ترجمہ:۔ جہاں انھوں نے باب الماء الذي يجوز به الوضوء میں واقدی سے نقل کیا کہ بضاعۃ کے کنوئیں سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا ہمارے نزدیک حجت کے لیے یہی کافی ہے کیوں کہ ہم نے واقدی کی توثیق کر دی ہے۔

أما عند المخالف فلا لتضعيفه إياه اهـ وقال في فصل الأسار قال في الإمام جمع شيخنا أبو الفتح الحافظ أول كتابه المغازي والسير من ضعفه ومن وثقه ورجح توثيقه وذكر الأجوبة عما قيل فيه اهـ ۱۲ منه (م)

ترجمہ:۔ باقی مخالف کے نزدیک حجت نہیں کیوں کہ وہ اس کی تضعیف کا قائل ہے اھ اور فصل الاسار میں کہا کہ امام کے

وارضَ اللھم علی أحبابه الذین قالو امحبةوأدب وصول بلاتعب

ترجمہ:۔اے اللہ! رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ان احباب سے راضی ہوجنھوں نے کہا: محبت وادب بے مشقت حاصل ہوتی ہے۔

بارے میں ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی کتاب المغازی والسیر کی ابتدا میں ان تمام لوگوں کو جمع کیا ہے جنھوں نے ان کی توثیق کی یا ان کی تضعیف کی اوران کی توثیق کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر واردشدہ اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے اھ ۱۲ منہ

اب جب کہ یہ روشن ہوگیا کہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں اوران کی توثیق راجح ہے تو پھر انھیں متروک قرار دے کر ہم اس پر کلام نہ کریں گے بلکہ درحقیقت معاملہ یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو فدک ہبہ نہ فرمایا جیسا کہ اس کی تائید درج ذیل ابوداؤد شریف کی حدیث سے ہوتی ہے:

” عن المغیرة قال إن عمر بن عبدالعزیز جمع بني مروان حین استخلف فقال إن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم كانت له فدک فكان ینفق منها ویعود منها علی صغیر بني هاشم ویزوج منها أیمهم وأن فاطمة سألته أن یجعلها لها فأبی فكانت كذلک في حیاة رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم حتی مضی لسبیله فلما أن ولّي أبو بكر عمل فیها بماعمل رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم في حیا ته حتی مضی لسبیله فلما أن ولّي عمر بن الخطاب عمل فیها بمثل ما عملا حتی مضی لسبیله ثم أقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزیز فرأیت أمرا منعه رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فاطمة لیس لي بحق وإني أشهدكم أني رددتها علی ماكانت یعني علی عهد رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم وأبي بكر و عمر “. (مشکوۃ المصابیح ص ۳۵۶ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔”حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کیا اوران سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اوراس سے مجرد مرد وعورت کا نکاح بھی کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور سے سوال کیا کہ فدک

انھیں کے لیے مقرر کردیں تو حضور نے انکار کردیا تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے، پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ویسا ہی کیا تھا جیسا کہ حضور اور ابوبکر نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر بنا پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کردیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے زمانۂ مبارک میں''۔

یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو باغ فدک ہبہ نہ فرمایا تھا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ سقیفۂ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے مجمع پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیر کو نہ دیکھا، انھیں بلوانے کے بعد فرمایا: کہا جاتا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے، اور حواری ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی لاٹھی ٹوٹ جائے، حضرت زبیر نے کہا خلیفۂ رسول اللہ! پھر کھڑے ہو کر آپ کی بیعت کی، پھر حاضرین پر نظر ڈالی تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو نہ دیکھا آپ کو بلوانے کے بعد فرمایا: کہا جاتا ہے کہ تم رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے، اور حضور اقدس کے داماد ہو پھر یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی لاٹھی ٹوٹ جائے، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اے خلیفۂ رسول اللہ! پھر بیعت کر لی۔ (تاریخ الخلفا مصری بحوالہ ابن سعد حاکم، بیہقی ص ٦٩)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہما نے یہ فرمایا کہ ''ہمیں اس بات کی تکلیف ہوئی کہ ہمیں مشورہ میں شریک نہ کیا گیا جب کہ ہم ابوبکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار جانتے تھے اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے یار غار ہیں، ہم آپ کا فضل وشرف خوب جانتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں انھیں نماز پڑھانے کا حکم فرمایا''۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ مغازی موسی بن عقبہ وحاکم ص۷۰)

علاوہ ازیں خود سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ فرمایا: کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، اور میں موجود تھا، غائب نہ تھا، اور نہ مجھے کوئی بیماری تھی، اس لیے ہم نے اپنی دنیا کے لیے وہی پسند فرمایا جو رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ ابن عساکر ص۶۴)

ان سب سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شروع ہی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تسلیم کر لی تھی نہ کہ چھ ماہ بعد بیعت کی اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ ''جب مرتدین سے قتال کے لیے ابوبکر باہر نکل پڑے اور اپنی سواری پر بیٹھ گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ! کہاں؟ میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا تھا اپنی تلوار نیام میں کریں، اپنی ذات سے ہمیں رنجیدہ نہ کریں، مدینہ منورہ لوٹ چلیں، بخدا اگر ہم آپ کو کھو کر رنجیدہ و غمگین ہو گئے تو پھر کبھی بھی اسلام کا نظام درست نہ ہوگا''۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ دارقطنی ص۷۵)

ہر شخص جانتا ہے کہ لشکر اسامہ کی روانگی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق بلا تاخیر مرتدین سے جہاد کے لیے نکلے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس وقت آپ کو رسول اللہ کا خلیفہ کہا، کیا یہ ان کی خلافت کو تسلیم کرنا اور ان کی بیعت کرنا نہیں؟ خلیفہ تسلیم کر لینے کے بعد بیعت نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم کی روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے چھ ماہ کے بعد بیعت نہ کی بلکہ شروع ہی میں آپ کی بیعت فرمالی تھی اور آپ کا خلیفۂ رسول ہونا تسلیم کر لیا تھا اس لیے اب انکار کی کوئی راہ نہیں۔

پھر یہ گزر چکا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خود یہ فرمایا کہ: ابوبکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں میری موجودگی میں انھیں نماز پڑھانے کا حکم فرمایا جب کہ مجھے کوئی

بیماری بھی نہ تھی اس لیے ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسے پسند کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سیدنا صدیق اکبر کو اپنے سے زیادہ خلافت کا اہل جانتے تھے، اور آپ کی خلافت کو برحق جانتے تھے، ان ساری چیزوں کے باوجود ابتدا میں بیعت نہ کرنے کا کیا معنی؟۔
رہ گیا ام المومنین حضرت عائشہ کا یہ ارشاد: ''**ولم يكن يبايع تلك الأشهر**'' کہ حضرت علی نے ان مہینوں تک بیعت نہ کی تھی یہ انھوں نے اپنے علم و دانست کے اعتبار سے فرمایا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث ابھی گزری آپ نے فرمایا: جب مرتدین سے قتال کے لیے ابوبکر باہر نکل پڑے تو حضرت علی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر کہا اے خلیفۂ رسول اللہ کہاں؟ اس سے اچھی طرح واضح و روشن ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کے پاس حضرت علی آمد و رفت رکھتے اور مشورے دیتے اور اپنی ذاتی وجاہت کے سبب اسے منوا بھی لیتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال و جدائی کا کافی اثر تھا آپ کے غم جاں گسل کے سبب چوں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سخت بیمار پڑ گئیں اور علالت کا یہ سلسلہ دراز رہا حضرت علی آپ کی تیمارداری میں اس درجہ مصروف تھے کہ سیدنا صدیق اکبر کے دربار خلافت میں تشریف آوری کا موقعہ نہ پا سکے جس سے لوگوں نے سمجھا کہ شاید حضرت علی کو حضرت صدیق اکبر کی خلافت منظور نہیں اس لیے لوگوں کے اس سوئے ظن کو رفع کرنے کے لیے حضرت فاطمہ کے وصال کے بعد دوبارہ بیعت فرمائی ورنہ آپ ابتدا ہی میں بیعت فرما چکے تھے جیسا کہ گزرا۔
بفرض غلط اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے چھ ماہ تک بیعت نہ فرمائی تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ کے نزدیک سیدنا صدیق اکبر کی خلافت باطل تھی اس لیے بیعت نہ کی ایسی کوئی روایت نہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ حضرت علی نے کبھی یہ فرمایا کہ سیدنا صدیق اکبر خلافت کے اہل نہیں، یا ان کی خلافت باطل و نادرست ہے، ہاں بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ خانہ نشین ہو گئے تھے مگر یہ ناراضی کی بنا پر نہ تھا بلکہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی شدت علالت اور ان کی دلجوئی اور تیمارداری کے سبب تھا ظاہر ہے سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت کا معاملہ کوئی پوشیدہ اور راز دارانہ نہ تھا بلکہ آپ کی خلافت کا معاملہ علانیہ پیش آیا جس کا علم حضرت علی کو تھا ایسے موقعہ پر باب مدینۃ العلم، خیبر شکن حضرت علی شیر خدا کا سکوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کی خلافت صحیح و درست تھی اگر آپ کے نزدیک آپ کی خلافت

باطل ونادرست ہوتی تو ضرور اس کا اعلان فرماتے ایک دینی مقتدا ایک باطل امر پر ساکت وخاموش نہ رہے گا، شرع میں کتنے ایسے مقامات ہیں جہاں سکوت، خوشی ورضا کے قائم مقام ہوا کرتا ہے بلکہ شرع کی ایک اہم بنیاد حدیث تقریری ہے جس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ کہا یا کیا اور حضور نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ سکوت فرمایا تو اسے بھی حدیث رسول ہی کا مقام حاصل ہے اور احکام میں قابل حجت اور لائق استدلال ہے۔

علاوہ ازیں اگر حضرت علی کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت باطل ہوتی تو وہ چھ ماہ کے بعد قطعی بیعت نہ فرماتے جب کہ سیدنا صدیق اکبر کے خلاف آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

''حضرت ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ سیدنا صدیق اکبر خلیفہ منتخب ہوگئے ہیں تو حضرت علی کے پاس مدینہ طیبہ آئے اور کہا کیا معاملہ ہے کہ خلافت قریش کی اس شاخ میں ہے جو سب سے کم اور کمزور ہے یعنی ابوبکر کا خاندان بنی تمیم، اگر آپ چاہیں تو ان کے خلاف سواروں اور پیادوں کو بھردوں، حضرت علی نے یہ سن کر فرمایا: تو نے عرصہ دراز تک اسلام کی مخالفت کی اس سے اسلام کا کوئی نقصان نہ ہوا، ہم نے ابوبکر کو اس کا اہل پایا''۔ (تاریخ الخلفا مصری ص ٦٦)

اس روایت نے اس وہم کا دروازہ ہی بند کردیا کہ آپ نے اپنی کمزوری اور بے بسی کے سبب از راہ تقیہ بیعت فرمائی، اگر آپ کو آپ کی خلافت تسلیم نہ ہوتی تو ضرور سیدنا صدیق اکبر کے خلاف آمادہ ہو کر علی الاعلان آپ کی خلافت کا انکار کرتے اور چھ ماہ کے بعد لوگوں کی بدگمانی دور کرنے کے لیے دوبارہ بیعت نہ فرماتے۔

ان روایتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا ہی میں سیدنا ابوبکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی اور آپ کا خلیفہ برحق ہونا تسلیم کرلیا تھا آپ نے چھ ماہ بعد بیعت نہ فرمائی بلکہ حضرت فاطمہ کی تیمارداری کی غایت مصروفیت کے سبب لوگوں کے مابین پھیلی ہوئی بدگمانی دور فرمانے کے لیے چھ ماہ کے بعد عام بیعت فرمائی تا کہ لوگوں کے شبہات زائل ہوجائیں۔ (مترجم)

(۱۱)ابن تیمیہ امت کو ہلاکت میں ڈالتا ہے

ابن تیمیہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قطع تعلق فرما لیا، اور آخری دم تک آپ سے کلام نہ کیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ام المومنین عائشہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے۔

ابن تیمیہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ سیدہ عائشہ نے خود اسی حدیث میں فرمایا: علی فاطمہ کے نقطۂ حیات پر تھے۔

کہ جب فاطمہ کا وصال ہوگیا تو آپ نے لوگوں کے چہرے سے اظہار نفرت محسوس کی، اس لیے ابوبکر سے بیعت ومصالحت کی درخواست کی، ان مہینوں تک آپ نے بیعت نہ کی تھی، ابوبکر کے پاس آپ نے پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں اور آپ کے ہمراہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہ آئے، حضرت عمر کی آمد کی ناپسندید گی میں آپ نے ایسا کہا، حضرت عمر نے ابوبکر سے کہا بخدا آپ تنہا ان کے پاس نہ جائیں، ابوبکر نے فرمایا: میرے ساتھ وہ کچھ بھی نہ کریں گے، بخدا میں ضرور ان کے پاس جاؤں گا، بہر حال ابوبکر آپ کے پاس پہنچے تو علی بن ابو طالب نے فرمایا: اے ابوبکر آپ کی فضیلت اور جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا مجھے خوب معلوم ہے اور اللہ نے آپ کو جو بھلائی بخشی اس میں ہمیں آپ سے کوئی حسد نہیں، لیکن آپ نے امر خلافت میں ہم پر اپنے آپ کو ترجیح دی جب کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم بھی اس کے حق دار ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہمیں رشتہ وقرابت حاصل ہے، آپ ابوبکر سے برابر گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ ابوبکر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں پھر ابوبکر نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے رسول ﷺ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔الخ

اور زہری سے باسناد صحیح مروی ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا: علی نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہ کی تو زہری نے کہا:

نہیں نہیں بنو ہاشم کے کسی شخص نے آپ کی بیعت اس وقت تک نہ کی جب تک کہ علی نے ان کی بیعت نہ

کی۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو وہ ساری چیزیں معلوم ہیں جو گزریں اس کے باوجود اپنی کتاب منہاج (۴-۲۵۷، ۲۵۸) میں سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما کی شان میں طعن وتشنیع کی جیسا کہ اس نے کہا:

''اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما ظالم تھے، انھوں نے مال کو اپنے لیے خاص کر رکھا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی اطاعت اور ان کے ظلم پر صبر ضروری ہے''۔

اس شخص نے سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما وغیرہما کی شان میں یہ طعن کیا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور جماعت سے الگ تھلگ رہ کر جماعت میں رخنہ اندازی کی، اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے اس لیے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں اس شخص کی یہ تشنیع رافضیوں کی تشنیع سے بھی بڑھ کر ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو یہ معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدّیق سے قطع تعلق فرمالیا تھا اور آخری دم تک کلام نہ فرمایا اور امام علی نے چھ ماہ تک آپ کی بیعت نہ کی جیسا کہ اس پر سیدہ عائشہ اور امام زہری وغیرہما کا قول نص صریح ہے، جیسا کہ خود اس نے اپنی کتاب منہاج (۸-۳۳۳، ۳۳۴) میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، جب ابن تیمیہ کو یہ سارے حقائق معلوم ہیں تو اس اسلوب کا کیا معنی ہے؟ اور اس کے پس پردہ اس کا کیا مقصود ہے؟ وہ صراحۃ کیا کہنا چاہتا ہے اور نہیں کہہ پا رہا ہے؟

اس پیچیدہ اسلوب کا سنگین اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ جاہل اور عام طبقہ کے لوگوں میں یہ شعور بیدار کرنا چاہتا ہے کہ جب کوئی عام انسان ابن تیمیہ کی گزشتہ عبارت مطالعہ کرے تو یہ کہنے کی جرأت وجسارت کرے کہ واقعی سیدہ فاطمہ اور حضرت علی کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ: ''انھوں نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور جماعت سے الگ تھلگ رہ کر جماعت میں رخنہ اندازی کی'' اس لیے کہ فاطمہ نے دنیا سے کوچ فرمایا اور ابوبکر سے آپ کا قطع تعلق برقرار رہا، اور علی نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہ کی، یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔

اسی ابن تیمیہ نے کہا: ''فاطمہ اور علی وغیرہ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں ہیں ان میں سے بعض تو گناہ ہیں اس لیے یہ حضرات معصوم نہیں، بلکہ یہ لوگ اولیاء اللہ اور جنتی ہوتے ہوئے گنہگار ہیں، اللہ عزوجل ان کے گناہ بخش دے گا'' اس کلام سے ابن تیمیہ کا مقصود عوام میں بے چینی اور بدامنی پیدا کرنا، اور انھیں تباہ و برباد کرنا اور اہل بیت اطہار کی تنقیص شان پر آمادہ کرنا ہے، اس طرح فساد کے ایسے راستے کھل جائیں گے جنھیں بند کرنا بس سے باہر ہوگا جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۹۹/۱۶) میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''بعض لوگ جن کا اعتداد وشمار نہیں اس طرف گئے کہ صحابہ اور غیر صحابہ کا حال برابر اور یکساں ہے اس لیے ان کی عدالت کی تفتیش لازم وضروری ہے بعض لوگوں نے ان کے ابتدائی حالات میں فرق کیا، اور یہ کہا: کہ وہ لوگ شروع میں عادل تھے بعد میں ان کے حالات بدل گئے، ان کے درمیان جنگیں ہوئیں، اور خونریزیاں دیکھنے میں آئیں اس لیے تفتیش وتحقیق از بس لازم وضروری ہے''۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ بہت سے عوام اس بلا میں گرفتار ہیں اور اس وقت سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کیا اس توہین آمیز اسلوب سے خدائے رحمٰن کی رضا وخوشنودی حاصل ہوگی یا شیطان لعین کی؟ ابن تیمیہ کی خرافات آمیز بحثوں میں امعان فکر اور تعمق نظر کی ضرورت ہے۔

(۱۲) ابن تیمیہ منافقوں اور زندیقوں کا دل ٹھنڈا کر رہا ہے۔

اس نے ایسی فکر پیش کی، اور ایسے کلام کی جرأت کی جو کسی منافق نے نہ کی، وہ جرأت و جسارت یہ ہے کہ شہزادئ رسول ﷺ میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں ہیں۔

ابن تیمیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے قطع تعلق پر تبصرہ کیا، اور عوام کو ایسی دعوت فکر دی جس میں انہیں پڑنا جائز نہیں، اس کی کتاب منہاج (۴-۲۴۳،۲۴۴) کے حوالہ سے ابھی گزرا کہ اس نے کہا:

''ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ فاطمہ، اور ان کے علاوہ صحابۂ کرام کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں'':

۱۔ان میں سے ایک تو ان کا جھوٹ ہے۔۲۔بعض کے متعلق تاویل کی جاتی ہے۔۳۔بعض جرم اور گناہ ہیں اس لیے یہ لوگ معصوم نہیں، بلکہ اولیاء اللہ اور جنتی ہوتے ہوئے ایسے گناہ گار ہیں جن کے گناہ اللہ بخش دے گا''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) میں نہیں جانتا شہزادئ رسول ﷺ کے بارے میں کون سے کثیر عیب وطعن منقول ہیں، چاہے کذب ودروغ ہو، یا جس کی تاویل کی جاتی ہو، یا جرم وگناہ ہو، کس بدکار نافرجام نے انہیں ذکر کیا۔

کیا ابن تیمیہ کا یہ اعتقاد نہیں کہ اللہ عزوجل اپنے نبی پاک ﷺ کی آپ کی شہزادی کے معاملہ میں ستر پوشی فرما رہا ہے اس لیے آپ کسی عیب وطعن میں گرفتار نہ ہوں گی۔

بر بنائے مذہب ابن تیمیہ مجھے بتایا جائے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف منسوب عیب وطعن کے بارے میں اللہ تعالی آپ سے کیا معاملہ فرمائے گا؟

ابن تیمیہ کی شہادت ضرور لکھی جائے گی، اور خدائے قادر وقہار عزیز وجبار اس سے ضرور ضرور سوال

فرمائے گا۔

(۲) میں نہیں جانتا کہ ابن تیمیہ اپنے اس گزشتہ کلمہ "نحن" (ہم) سے کیا مراد لے رہا ہے، کیا قاری کو کچھ خبر ہے کہ "القادح" کا معنی ومفہوم کیا ہے؟

ابن منظور نے لسان العرب (۵۵۵/۲) میں کہا: **القدح** اور **القادح** کا معنی کھانے والا کیڑا جو درختوں اور دانتوں میں لگ جاتا ہے، اور **القادح** کا معنی گوشت کا بدبودار ہونا، یا بدبودار کرنا، یہ دونوں صفت غالبہ ہیں اور **القادحة**: وہ کیڑا جو دانت اور درخت کو کھائے بولا جاتا ہے: **قد أسرعت في أسنانه القوادح** کیڑوں نے بڑی تیزی سے اس کے دانت کھا لیے۔ **الخ**

اور صاحب **المصباح المنير** (۴۹۱/۲) نے کہا: **قدح فلان في فلان قدحا،** باب فتح سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ فلاں نے فلاں کو عیب لگایا، اور اس کی تنقیص کی، اور اسی سے ہے: "**قدح في نسبه وعدالته**" یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کے نسب وعدالت میں عیب وطعن کیا جائے اور اس کی تنقیص کی جائے اور ایسی چیز ذکر کی جائے جس کا اثر انقطاع نسب اور انکار شہادت پر پڑے۔

(۳) ذرا غور فرمائیں جب خالد بن ولید اور عمار بن یاسر میں تھوڑی سی مشاجرت (رنجش) ہوگئی تو خالد بن ولید سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من ينتقص عمارا ينتقصه الله**" "جو عمار کی تنقیص کرے گا اللہ اس کی تنقیص فرمائے گا" تو اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو جگر گوشۂ رسول ﷺ کی تنقیص شان کرے؟

(۴) بر بنائے مذہب ابن تیمیہ جب خاتون جنت شہزادی رسول ﷺ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں تو امت کی باقی خواتین اسلام کا کیا حال ہوگا۔

(۵) جب ابن تیمیہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اس طرح بکواس کر رہا ہے تو حاکم بامر اللہ بن کر بقیہ اولیا، اور صالحین کی شان میں نہ جانے کیسی گستاخی اور زبان درازی کرے گا، اور نہ جانے

کیا حکم لگائے گا۔

ابن تیمیہ کا طرز و اسلوب مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ طعن و تشدد کرنے والے بد مذہبوں کا رشتہ محبت اس سے کیوں ہے؟

(۶) شاید ابن تیمیہ کے متبعین کو امام احمد کا یہ قول معلوم نہیں جسے خلال نے السنة (۴۷۷/۲) میں ذکر فرمایا:

''امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص شان کرے گا وہ بلا میں گرفتار رہے گا، اور اس کا انجام وحشر برا ہوگا جب اللہ کے رسول ﷺ کے اصحاب کا قصد وارادہ کیا جائے جو تمام انسانوں سے افضل و برتر ہیں تو وہ تمہیں (دوسروں کی بہ نسبت) کافی ہیں''۔

خلال کی السنة (۵۱۱/۳، ۵۱۲) میں ہے کہ امام احمد سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے فروگذاشت میں اس کے لیے کلام کرنا مباح ہے تو آپ نے فرمایا:

''یہ ایک بری اور گھٹیا بات ہے ایسے لوگوں سے لوگوں کو اجتناب کرنا چاہئے، ان کے ساتھ نشست و برخاست ختم کر دینا چاہئے، اور لوگوں پر ان کا معاملہ واضح کر دینا چاہئے۔

اور خلال نے السنة (۴۴۸/۲) میں یہ بھی ذکر کیا کہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا: اے ابوعبداللہ! میرا ایک ماموں امیر معاویہ کی تنقیص شان کرتا ہے تو ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) نے فورا فرمایا: اس کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھو۔

(۷) امام احمد بن حنبل کے پیش کردہ اقوال کی روشنی میں ہمارا سوال یہ ہے:

جو شخص سیدہ فاطمہ کی شان میں عیب اور طعن و تشنیع کی باتیں ثابت کرے، اور یہ کہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہت سی طعن و تشنیع کی باتیں منقول ہیں۔

الف۔ آپ سے جھوٹ صادر ہوا۔

ب۔ اور بعض طعن وتشنیع کی باتوں میں تاویل کی جاتی ہے۔

ج۔ اور بعض گناہ اور جرم بھی آپ سے سرزد ہوئے اس لیے آپ معصوم نہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آپ معصوم نہیں یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے ایک باطل کا قصدوارادہ ہے، ایسے دلیرو بے باک شخص کا کیا حکم ہے؟ برائے کرم ہمیں افادہ فرمائیں اللہ عزوجل آپ کو افادہ فرمائے۔

(۸) اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ ابن تیمیہ کے متبعین کس قدر تباہ وبرباد ہیں تو اسے اس کے ریزہ خواروں سے یہ کہنا چاہئے کہ ابن تیمیہ کے بقول: ''سیدہ فاطمہ کے متعلق عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں''۔

الف۔ آپ سے جھوٹ صادر ہوا

ب۔ بعض عیب وطعن کی باتوں میں تاویل کی جاتی ہے

ج۔ ان میں بعض جرم اور گناہ ہیں۔

یہ کہنے کے بعد ان کا ردعمل ملاحظہ کرنا چاہئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ان سے یہ کہنا چاہئے کہ ابن تیمیہ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت ساری باتیں منقول ہیں، اس میں سے بہت سی بلائیں، بدعتیں، خامیاں اور برائیاں ہیں۔

الف۔ ان میں سے بعض تو جھوٹ ہیں،

ب۔ اور بعض میں تاویل کی جاتی ہے،

ج۔ اور بعض جرائم وحقائق ہیں اس سے لغزش وخطا ہوئی اور فتنہ وفساد اور گستاخی وگمراہی ظاہر ہوئی، کیا اللہ تعالی اسے بخش سکتا ہے؟۔

اس کے بعد اس کے ان ریزہ خواروں کا ردعمل اور شدت غیظ وغضب اور چہرہ کا جغرافیہ دیکھا جائے، فوراً علما کے احترام پر مشتمل وافر آیات واحادیث پیش کریں گے، ان لوگوں کا عجب حال ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ

کے اہل بیت اطہار،اوراصحاب کرام کی شان میں اس کی ساری گستاخیاں،زبان درازیاں، بیبا کیاں اور بے ادبیاں بالکلیہ بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں انسان کوراہ نجات اختیار کرنا،استقامت پر مضبوطی سے قائم رہنا،اورمعاندین کی ریشہ دوانیوں سے دور رہنا ازبس ضروری ولازم ہوجاتا ہے۔

و صل اللھم علی سیدنا محمد و علی اٰل بیتہ الطاھرین

اے اللہ! ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اطہار پر صلاۃ وسلام نازل فرما۔

(۱۳)ابن تیمیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما کی خفگی وناراضی کو منافقین کی ناراضی وخفگی سے تشبیہ دی ہے۔

ابن تیمیہ نے جی بھر کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں طعن وتشنیع کی، اوران طعن وتشنیع کے کلمات سے منافقوں اور گمراہوں کا سینہ خوب ٹھنڈا کیا، اور یہ کہا کہ آپ نے صبر کو بالائے طاق رکھ دیا اور مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ اندازی کی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے غصہ وغضب پر دل کھول کر تبصرے کیے اور رافضی کا کلام رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۲۴۶/۴) میں کہا:

''ہر عاقل جانتا ہے کہ جب عورت (ہم اہل سنت وجماعت کہتے ہیں اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا حامی ونگہبان اللہ ہے، ذرا ابن تیمیہ کا ادب اور اس کے الفاظ دیکھیے) کسی حاکم سے کوئی مال طلب کرے اور وہ اسے اس لیے نہ دے کہ وہ اس کی نظر میں اس مال کی مستحق ہی نہیں، اس حاکم نے وہ مال خود بھی نہ لیا، اور اپنے خویش واقارب کو بھی نہ دیا، بلکہ تمام مسلمانوں کو دیا، اور یہ کہا جاتا ہے کہ طالب کو حاکم پر جب غصہ آتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس لیے اس پر غصہ ہوتا ہے کہ اس نے اسے مال نہ دیا اور حاکم نے اس سے یہ کہا کہ وہ تمہارا حق نہیں، بلکہ دوسرے کا حق ہے، تو کیا اس غصہ میں طالب کی تعریف ہوگی، اگر وہ مظلوم محض ہے تو محض طلب دنیا کے لیے''۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا محافظ وپاسبان اللہ عزوجل ہے ابن تیمیہ کی نظر میں تو آپ محض مظلوم ہیں، اور آپ کا غصہ وغضب خالص طلب دنیا کے لیے ہے۔ اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا کیا معاملہ ہے کہ آپ ابن تیمیہ کے نزدیک......

''اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس حاکم پر تہمت جو اپنے لیے کچھ نہ لے، اس طالب کی تہمت سے بعید تر ہے جو طالب اپنے لیے کچھ لے رہا ہے، ایسا کیسے ہوسکتا ہے جو اپنے لیے مال نہ مانگے اس پر تہمت لگائی جائے، اور جو اپنے لیے مال مانگے اسے تہمت سے پاک اور بری کر دیا جائے، حاکم تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کے لیے روک رہا ہوں اس لیے کہ میرے لیے یہ حلال نہیں کہ میں مستحق کا حق اسے نہ دے کر غیر مستحق کو دے دوں، اور طالب صرف یہ کہہ رہا ہے مجھے صرف اس لیے غصہ آ رہا ہے کہ اس مال میں تھوڑا حصہ ہمارا بھی ہے''۔

ہم کہتے ہیں: شہزادی رسول سیدہ فاطمہ اپنے وصال تک ابوبکر صدیق سے نار[1]اض رہیں، ابن تیمیہ کو بخاری و مسلم کی حدیث کا اعتراف بھی ہے دراصل آپ کی ناراضی کا سبب یہ اختلاف تھا کہ آپ اپنے والد ﷺ کی وارث ہیں، تو کیا سیدہ فاطمہ کی شان میں ایسی باتیں کرنے والا اور انہیں آپ کے مناقب میں شمار کرنے والا جاہل انسان نہیں؟ کیا اللہ عزوجل نے منافقوں کی مذمت میں یہ ارشاد نہ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ٥ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ﴾ [التوبہ–۹: ۵۹]

ترجمہ:۔ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقہ بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو بھی وہ ناراض ہیں۔اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے۔اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشہ رسول ﷺ آپ کا حامی ونگہبان، اور حافظ و پاسبان اللہ ہے، کیا ابن تیمیہ

(۱) ہم گزشتہ اوراق میں تحقیق وتفصیل کے ساتھ یہ واضح کر چکے کہ شہزادیٔ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا دم وصال تک اصدق الصادقین ،سید المتقین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض رہنا سخت محل نظر ہے۔(مترجم)

کے نزدیک آپ کا مقام ومرتبہ اور آپ کی شان یہی ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق سے آپ کی کے معاملہ میں آپ کو کیسی چیزوں سے تشبیہ دے رہا ہے

''اللہ عزوجل نے اس آیت میں ایک ایسی قوم کا ذکر فرمایا جو پانے پر خوش رہتی ہے، اور نہ ملنے پر ناراض وخفا رہتی ہے اللہ نے اس پر ان کی مذمت فرمائی''۔

ہم کہتے ہیں: ابن تیمیہ کو خوب معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ غصہ وناراض ہیں۔

آخر کس نے فاطمہ کی اس پر تعریف کی جس میں ان منافقین سے انہیں مشابہت حاصل ہے کیا یہ فاطمہ کے بارے میں عیب وطعن نہیں؟۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشہ رسول ﷺ آپ کا اللہ ہے، بخدا صرف آپ کے بیٹے حسین ہی شہید نہیں بلکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ابن تیمیہ کے سنان قلم سے سالم ومحفوظ نہیں۔

ہم کہتے ہیں: بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ اپنی ان عظیم گستاخیوں کے باوجود آپ کو کیوں رضی اللہ تعالی عنہا کہہ رہا ہے، یہ تقیہ کے سوا کچھ نہیں۔

''فاطمہ نے نبی ﷺ سے مال طلب کیا تو آپ نے انہیں نہ دیا جیسا کہ صحیحین میں علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ''حدیث الخادم'' (خادمہ طلب کرنے کی حدیث) میں یہ مذکور ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور آپ کی بارگاہ میں ایک خادم کی درخواست پیش کی تو آپ نے انہیں خادمہ نہ دیا، اور تسبیح سکھائی''۔

ابن تیمیہ کی بات ختم ہوئی۔

ابن تیمیہ کی ان گستاخانہ عبارتوں کے درمیان کہیں کہیں ہمارے جملہ معترضہ آ گئے ہیں دراصل وہ ہمارے غم واندوہ کے کلمات ہیں، نہ کہ تعلیق وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

وصلى الله على سيدنا محمد وبضعته الشريفة وجميع أهل بيته وسلم تسليما كثيرا وأخزى الله من جرحهم ومن اٰذاهم ومن تطاول عليهم.

ترجمہ:۔اللہ عزوجل ہمارے سردار محمد اور آپ کی جگر گوشہ اور آپ کے تمام اہل بیت پر خوب خوب صلاۃ وسلام نازل فرمائے اور آپ کی شان میں طعن وتشنیع اور زبان درازی، اور آپ کی ایذا رسانی کرنے والوں کو ذلیل وخوار کرے۔

(۱۴) کیا کسی مومن کے لیے یہ روا ہے کہ سیدہ فاطمہ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں جہالت کی تہمت لگائے؟

ابن تیمیہ نے ذکر کیا کہ امام علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تدفین رات میں فرمائی، اور شیخین کریمین ابوبکر وعمر کو اس وجہ سے خبر نہ دی کہ سیدہ فاطمہ نے ابوبکر صدیق سے قطع تعلق کر لیا تھا یہ ذکر کرنے کے بعد کہا:

''اس کی حکایت اور اس سے استدلال صرف جاہل انسان ہی کرے گا''

تدفین کا یہ کام صرف نبی کریم ﷺ کے آل بیت علی، آپ کے بھائی عقیل، عباس، آپ کے بیٹے عبداللہ اور فضل رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے سرانجام دیا۔

ابھی ہم ایک تحقیقی جائزہ پیش کریں گے کہ ابن تیمیہ کی یہ بہت بڑی گستاخی اور دریدہ ذہنی ہے، اور یہ شخص اہل بیت کی عداوت و گستاخی میں تنہا نہیں رہنا چاہتا، بلکہ صحابہ کے درمیان پیدا شدہ امور میں جہلا اور عوام کی کثیر تعداد کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیزوں میں غور وخوض سے منع فرمایا جیسا کہ اہل سنت و جماعت کے علمائے سلف وخلف نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

ابن تیمیہ اپنے دجل وفریب اور مکر وچالبازی کے ذریعہ اپنے تلامذہ اور عام قارئین کو سیدہ فاطمہ یا سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما یا دونوں کی تجہیل میں شریک کرنا چاہتا ہے۔

لاحول ولاقوۃ إلاباللہ العظیم پڑھیے، اور ابن تیمیہ کی منہاج (۲۴۷/۴، ۲۴۸) میں لکھے ہوئے ان سطور کا بنظر غائر مطالعہ کیجیے:

''اور اسی طرح یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ رات میں ان کی تدفین کی جائے، اور ان لوگوں میں سے کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ فاطمہ کے متعلق اس کی

حکایت اوراس سے استدلال جاہل انسان ہی کرے گا جو فاطمہ کی شان میں نازیبا راہیں کھولنا چاہتا ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تو سعی مشکور کی بہ نسبت جرم بخشیدہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ مسلمان کا دوسرے کی نماز جنازہ پڑھنا ایک مزید کار خیر ہے جس کا اجر وثواب اسے ملتا ہے اور افضل الخلق کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا کہ بدتر مخلوق اس کی نماز جنازہ پڑھے''۔

تعقبات

(۱) ابھی گذر چکا کہ فاطمہ کے متعلق مذکورہ واقعہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے جس کا خود ابن تیمیہ کو بھی اقرار ہے، کیوں کہ اس نے کہا: ''سیدہ فاطمہ کی تدفین رات میں ہوئی تا کہ ابوبکر کو اس کا علم نہ ہوا ایسا اس وجہ سے ہوا کہ سیدہ فاطمہ

کا آخری دم تک ابوبکر سے قطع تعلق رہا'' اس ثابت شدہ تاریخی حقیقت کا انکار کرنے والا ابن تیمیہ کے نزدیک جب جاہل ہے تو ان حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے جنھوں نے خود یہ کام کیا، اور اس کی وصیت فرمائی، یہی بیت القصید ہے کیوں کہ سیدہ فاطمہ یا حضرت علی یا دونوں نے یہ چاہا کہ ابوبکر علی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور انہیں بالکل اس کا علم نہ ہو۔

ابن تیمیہ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ جگر گوشۂ رسول ﷺ نے جب داعی اجل کو لبیک کہا تو حضرت علی نے رات میں پوشیدہ طریقہ پر آپ کی تدفین فرمائی، آپ نے اہل بیت کے صرف مخصوص افراد ہی کو خبر دی جو تقریبا پانچ تھے عباس نبی پاک کے چچا، اور آپ کے دونوں بیٹے عبداللہ اور فضل اور عقیل۔

علی زین العابدین نے کہا: ''میں نے ابن عباس سے پوچھا آپ حضرات نے فاطمہ کی تدفین کب فرمائی؟'' تو فرمایا: ''رات کے سناٹے میں آپ کو دفن کیا گیا، اور آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی، اسی لیے مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ ذکر کرنے کی کوشش کی کہ سیدہ فاطمہ کی قبر کہاں ہے جب کہ نبی پاک ﷺ کی دیگر اولاد اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہم کی قبریں معروف ومشہور ہیں، اور اسی طرح کبار صحابہ کی قبریں کہ یہ حضرات جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، ان روشن حقائق کا یقینی علم رکھتے

ہوئے اسلوب میں پیچیدگی کیوں؟''

اس مقام پر ابن تیمیہ کا کوئی ریزہ خوار اس کی حمایت میں یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے ابن تیمیہ کو اس تاریخی حقیقت کا علم نہ رہا ہو، یا بھول گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بخاری (۱۵۴۹/۴) ومسلم (۱۳۸۰/۳) وغیرہما کی اس روایت کو نہ بھولا ہے، اور نہ ہی اس سے غافل ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے اختلافی مسئلہ کے بارے میں فرمایا: ''فاطمہ اس معاملہ میں ابوبکر سے ناراض ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کرلیا، اور آخری دم تک آپ سے بات چیت نہ کی یہاں تک کہ فاطمہ کا وصال بھی ہوگیا، آپ نبی پاک ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں، جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے شوہر علی نے آپ کو رات میں سپرد خاک فرمایا، اور ابوبکر کو اس کی اطلاع نہ دی، خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۸-۳۳۳،۳۳۴) میں ایک دوسرے مقام پر اسی حدیث مذکور سے استدلال بھی کیا جس سے صاف ظاہر وباہر ہے کہ اسے اس روشن واقعہ کا علم ہے، وہ اس سے غافل نہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انکار کر کے سابقہ الفاظ سے گستاخی وبے ادبی کرتا ہے، اور بغیر محاسبہ کیے خطا کار اور قصوروار ٹھہراتا ہے، پھر پلٹ کر اپنے انکار کردہ کو ثابت بھی کرتا ہے جیسا کہ گذر چکا کہ جس کا انکار کیا ہے خود اسی کو اپنی کتاب منہاج (۳۳۳/۸-۳۳۴) میں ثابت بھی کیا ہے، تو کیا یہ خبط الحواس شیخ الاسلام ہے؟ اے اللہ! یہ صرف اپنے اصحاب، اور ان لوگوں کا شیخ الاسلام ہے جن پر اس کا حال روشن نہیں، اور اس کے بارے میں اس لیے حسن ظن رکھتے ہیں کہ قدیم علمی خاندان سے اس کا رشتہ ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کا قول مذکور: ''اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو سعی مشکور کی بہ نسبت جرم بخشیدہ زیادہ بہتر ہے'' یہ مضحکہ خیز اور خندہ انگیز ہے اس لیے کہ اس نے آٹھویں صدی ہجری میں اچانک تحدید وبشارت کا کام شروع

کر دیا:

الف۔ علی اور فاطمہ اور نبی پاک کے چچا عباس اور عبداللہ اور فضل اور عقیل رضی اللہ تعالی عنہم کے گناہوں کی تحدید کر رہا ہے۔

ب۔ اہل دنیا وآخرت کے سرداروں کو یہ بشارت وخوش خبری دے رہا ہے کہ ان کا گناہ بخش دیا جائے گا تو اہل بیت کو ابن تیمیہ کی اس بشارت پر خوش ہونا چاہئے۔ ماشاء اللہ کوئی عجب نہیں کہ ابن تیمیہ کی اندھی تقلید کرنے والے اس کی یہ بوکھلاہٹ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ابن تیمیہ اس کے باوجود اللہ کی جانب سے مبعوث ہوا ہے۔

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن عبدالہادی کو دیکھیے اس نے اپنی کتاب ''العقود الدریۃ'' میں جب ابن تیمیہ کے متبعین کی تعریف وتوصیف ذکر کی تو اس نے اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات کہی جو انسان کے خیال میں آتی ہے، یہ سادہ لوح اہل بیت کے جن فضائل وخصائص کا انکار کرتے ،اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل بیت کی شان میں مبالغہ آرائی ہے جب ان کے پیشوا ابن تیمیہ کی بات آتی ہے تو اسے اہل بیت کے انہیں فضائل وخصائص کا مصداق بناتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے ایک نیاز بردار نے کہا جیسا کہ ابن عبدالہادی نے العقود الدریۃ (۱-۳۲۴،۳۲۵) میں نقل کیا: ''اللہ اس (ابن تیمیہ) کے ذریعہ دلوں کے تالے (بندشیں) کھولے، اور عقلوں سے شبہات کی تاریکیاں اور حیرت انگیز گمراہیاں زائل فرمائے، کیوں کہ عقل ان فرقوں کے درمیان حیرت واستعجاب میں ہے، اسے دین رسول کی حقیقت کا صحیح سراغ نہیں مل رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں: ہر شخص دعوی کرتا ہے کہ وہ دین رسول پر قائم ہے، یہاں تک کہ اللہ نے اس شخص کے وسیلہ سے اپنے اس دین کی حقیقت روشن فرمادی جسے آسمان سے اتارا اور اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا''۔

پھر اس کے تھوڑے بعد کہا:

اور اللہ نے اس نور محمدی (ابن تیمیہ کے نور) کے ذریعہ بندوں کی گمراہیوں اور بے اعتدالیوں کو واشگاف

فرمایا، تو تم یہ جاننے لگے کہ کون صراط مستقیم پر قائم ہے، اور کون برگشتہ راہ ہے، کس کا مذہب صحیح، اور کس کا فاسد ہے''

ابن عبد الہادی نے العقود الدریۃ (۳۲۸/۱) میں اس کے بعض متبعین کا یہ کلام نقل کیا:

''ہمارے اس زمانہ میں اس شخص کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا جس کے اقوال وافعال سے نبوت محمدی اور اس کی سنت روشن ہو''۔

اور اسی شخص نے اس کے تھوڑا بعد کہا: اس کے دل کی حفاظت کرو، کیوں کہ ایسی شخصیتیں کبھی ملکوت السماء میں عظیم دعوے کرتی ہیں۔الخ

میں کہتا ہوں: اس آخری جملہ ''ملکوت السماء میں عظیم دعوے کرتی ہیں'' پر غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ کس کا اسلوب ہے؟

میں کہتا ہوں: کاش ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اس کا خطبہ پڑھنے اور گن گانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور صالحین عظام کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتے، مگر یہ سعادت انھیں کہاں نصیب، ان کے نزدیک تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی تعریف وتوصیف اور ادب برآری شرک وبدعت، اور ابن تیمیہ کی مدح خوانی سنت ہے۔ **فلاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم**

وصل اللهم على سيدنا محمد الذي قال لبضعته الشريفة فيما أسره لها ''أنتِ أسرع أهلي لحوقابي'' وسلم تسليما كثيراً كثيرًا

(۱۵)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے یہ دعوی کرتا ہے

کہ نبی پاک کی ازواج مطہرات کا اجر عظیم اس وجہ سے نہیں کہ آپ نے انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لیا، اور اپنی زوجیت سے مشرف فرمایا، بلکہ یہ ان کے تقوی کی بدولت ہے۔

نبی پاک ﷺ کی عظیم نسبت، اور آپ کی قرابت ومصاہرت کو گھٹانے کے لیے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۱۶/۸) میں کہا:

''اسی تقوی کی بدولت نبی پاک کی ازواج کو اجر عظیم حاصل ہوا اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اعمال صالحہ کیے، یہ اجر صرف مصاہرت ونکاح کے سبب نہیں، بلکہ کمال اطاعت کی بدولت ہے جیسا کہ اگر وہ کوئی کھلا ہوا برا کام کرتیں تو قبح معصیت کے سبب ان کا عذاب بھی دونا دون ہوتا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے ایسی بات کہی کہ اس سے پہلے کسی مسلمان نے نہ کہی۔ کیا ابن تیمیہ کو خبر نہیں کہ مسلمان نماز فرض کے اندر تشہد میں نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر ۵/ بار درود بھیجتے ہیں نوافل وسنن مزید براں ہیں، اس وقت مسلمانوں کی تعداد کروڑوں کے قریب ہے تو ایک دن میں آپ کی ازواج پر ۵/کروڑ درود بھیجا جاتا ہے، ذرا دیکھیں ان ازواج پر کس قدر درودوں کی ڈالیاں نچھاور کی جارہی ہیں، درودوں کا یہ حسین سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ زمین قائم رہے گی، اور اس پر اللہ کی وراثت باقی رہے گی۔ یہ شرف ان ازواج کو کہاں سے ملا صرف اور صرف حضور اقدس کی شرف زوجیت ہی کا صدقہ ہے۔

بخاری (۱۲۳۲/۳) اور مسلم (۳۰۶/۱) میں ہے کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں تو فرمایا: ''**اللهم صل على محمدوأزواجه وذريته كما صليت على آل إبراهيم، وبارك**

علی محمد وأزواجه وذريته كما باركت علی آل إبراهيم، إنك حميد مجيد"
درود کے لیے چاہیں تو اسی مذکورہ صیغہ کا استعمال کریں یا یہ پڑھیں:"**اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد كما صليت علی إبراهيم وعلی آل إبراهيم إلی آخره** ، آپ کی ازواج طاہرات اس درود میں داخل ہیں۔

ذرا صحابہ کرام کے وفور عشق ومحبت، کمال شوق ووارفتگی اور دین کی شیفتگی ملاحظہ کیجئے انھوں نے غزوۂ بنو مصطلق کے سارے قیدیوں کو آزاد کردیا اور یہ کہا: یہ قیدی صحابہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نبی پاک نے جویریہ بنت الحارث سے عقد نکاح فرمایا[(۱)]

خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے رشتہ مصاہرت پر فخر فرمایا اور اسے اپنے مناقب میں شمار کیا۔

بخاری نے اپنی صحیح (۱۴۲۹/۳) میں عروہ ابن زبیر سے روایت کیا کہ عبیداللہ بن عدی بن خیار نے انہیں یہ خبر دی کہ میں عثمان کے پاس پہنچا تو آپ نے تشہد پڑھا پھر کہا:

> "رہا حمد وصلاۃ کے بعد تو اللہ نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، اور میں ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اللہ ورسول کی دعوت پر لبیک کہا، اور اس دین پر ایمان لائے جس کے ساتھ محمد ﷺ مبعوث ہوئے، پھر میں نے دو مرتبہ ہجرت کی، اور مجھے رسول اللہ ﷺ کا داماد ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی بیعت کی سعادت سے بھی بہرہ اندوز ہوا، خدا کی قسم! میں نے آپ کے حکم سے سرتابی نہ کی اور نہ ہی آپ کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کی یہاں تک کہ آپ رفیق اعلی سے جا ملے۔

بعض آثار میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"**سألت ربي أن لا أتزوج إلی أحد من**

(۱) غزوۂ بنی مصطلق کے قیدیوں کے واقعہ کی روایت درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی، امام محمد نے اپنی مسند (۲۷۷/۶)، ابوداؤد نے اپنی سنن، (۲۲/۴) اور ابن حبان نے اپنی صحیح، (۳۶۱/۹)، ابن جارود نے منتقی، (۱۷۶/۱) اور ابن حجر نے درایہ (۴۹۲/۲)۔

أمتي،ولا يتزوج إلى أحد من أمتي إلا كان معي في الجنة فأعطاني ذلك''میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے کسی سے شادی و نکاح نہ کروں اور نہ میری امت میں سے کوئی مجھ سے نکاح کرے مگر وہ میرے ساتھ جنت میں رہے تو اللہ نے مجھے یہ فضیلت وسعادت عطا فرمائی(۱)۔

نبی کریم ﷺ کی شان گھٹانے والے مبتدعین کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور سوچتے کہ اللہ کی بارگاہ سے انہیں کیا ہاتھ آئے گا۔

---

(۱) اس حدیث ''سألت الله ألّا أتزوج إلى أحد'' کی تخریج حاکم نے ابن ابی اوفی سے کی اور اس کو صحیح کہا (۳/۱۴۸) اور ذہبی نے ان کی موافقت کی اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷) میں کہا کہ طبرانی نے اوسط میں اس کو روایت کیا اور اس میں عمار بن سیف ہیں اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف کہا اور ابن معین نے ان کی توثیق کی اور ان کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۱۶)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے یہ دعوی کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا نسب اور آپ کی قرابت کام نہ آئے گی۔

رسول پاک نے جس زمانہ کے بارے میں یہ بشارت بخشی کہ وہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل ہے، اس زمانہ کے لوگ صالحین اور علما کی معرفت سے شرف و برکت کا اکتساب کرتے، ان کا فیض قرب حاصل کرتے، ان کی دست بوسی کرتے، اور ان سے دعا کی خواہش وتمنا کرتے۔ ان کے نزدیک یہ ادب کا کم تر درجہ تھا، یہ حضرات رسول پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت کو تعظیم وتوقیر کی نظر سے دیکھتے، اور جب یہ حضرات حضور کے اہل بیت کی زیارت کو جاتے تو آپ نے اپنے اہل بیت کے لیے جو دعا فرمائی تھی اس دعا سے شرف و برکت حاصل کرتے، ان حضرات کی خواہش وتمنا یہ ہوتی کہ آپ کے اہل بیت میں سے ہوتے، مسلمانوں کی جماعت رسول پاک کی قرابت اور آپ کے مقدس نسب کی تعظیم کرتی، یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نکلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور ابن تیمیہ کے درمیان کسی جرم اور خون کا بدلہ تھا کہ ابن تیمیہ اہل بیت کی کوئی خصوصیت پاتا ہے فوراً اس کا انکار کرتا اور اس پر گونا گوں اعتراض کرتا، یا اس کی تنقیص شان کرتا، یا اس کے معنی میں تحریف کرتا ہے، ان کی شان میں اس کے گستاخانہ کلمات وتعبیرات مزید براں ہیں کسی معاملہ میں اختلاط پاتا تو دل کھول کر خوب بکواس کرتا ہے۔

ابن تیمیہ نے نبی کریم ﷺ کے خصائص وکمالات، اور آپ کے اہل بیت کرام کے فضائل ومناقب کے سلسلے میں خوب بڑھ چڑھ کر موشگافیاں کیں۔

اس وقت ہمارا مطمح نظر یہ واشگاف کرنا ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نبی پاک ﷺ، اور آپ کے اہل بیت کرام، اور ازواج مطہرات امہات المومنین، اور آپ کی ذریت اور آپ کے داماد میں سے کسی سے اکتساب برکت کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ نفع، جب کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور ذریت پر مسلمان فرض ونفل

نمازوں کے اندر تشہد میں درود بھیجتے ہیں، اور قیامت تک بھیجتے رہیں گے، ان حضرات کی برکت کے باب میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ابن تیمیہ ان سے یکسر تجاہل کر رہا ہے۔

ابن تیمیہ نے دقائق التفسیر (۴۸/۲) میں کہا:

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کام آنے والی ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز کام نہ آئے گی، نہ قرابت اور نہ قرب ومجاورت وغیرہ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اے فاطمہ بنت محمد! میں تمہیں اللہ سے کچھ نفع نہ دے سکوں گا، اے صفیہ: رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا، اے عباس رسول اللہ ﷺ کے چچا! میں اللہ سے تمہاری کچھ بھی کفایت نہ کر سکوں گا''۔

اور اپنی کتاب منہاج (۷/۷۸) میں کہا:

''اسی لیے آپ افضل الخلق ہیں، آپ کے اولیا اصحاب تقوی ہیں، رہے آپ کے اقارب تو ان میں مومن وکافر اور نیک وفاجر لوگ ہیں، اگر ان میں کوئی صاحب فضیلت ہے جیسا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ، جعفر، حسن اور حسین تو ان کی یہ فضیلت ان کے ایمان وتقوی کے سبب ہے، اور اسی لحاظ سے یہ حضرات نبی پاک کے اولیا ہیں، صرف نسب کی بنیاد پر فضیلت نہیں اس لیے کہ آپ کے اولیا کا درجہ آپ کی آل سے عظیم تر ہے''

میں کہتا ہوں:

ذرا ابن تیمیہ کا مغالطہ ملاحظہ کریں اور غور فرمائیں کہ اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت سے کس درجہ کدورت ہے، ہم اس کے رد میں کہتے ہیں:

(۱) اس نے یہ کہا کہ: ''آپ کے اولیا کا درجہ آپ کی آل سے فزوں تر ہے'' مجھے بتایا جائے کیا حضور کی آل اولیا میں سے نہیں ہیں؟ لو مجھ سے سنو سیدہ خدیجہ اپنے عالم کی ساری عورتوں کی سردار، اور سارے عالم کی چار بزرگ ترین عورتوں میں سے ایک ہیں، جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی

سردار ہیں، حسنین کریمین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، اوران دونوں کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بھی بزرگ ترین ہیں، اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ ساری چیزیں ثابت شدہ ہیں۔

محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تمام عورتوں پرفضیلت ایسی ہے جیسا کہ ثرید کھانے کی فضیلت تمام کھانوں پر، آپ محبوبۂ محبوب رب العالمین ہیں، حضور اقدس کی تمام ازواج طیبات آپ کے ساتھ جنت میں جلوہ آرا اور جمال نشیں ہوں گی، آپ کی ذریت پرتمام مسلمان اپنی نمازوں میں درود بھیجتے ہیں۔

بخاری (۱۲۳۲/۳) ومسلم (۳۰۶/۱) میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم آپ پرکس طرح درود بھیجیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: یہ پڑھو ''**اللھم صل علی محمد وأزواجه وذريته كماصليت على آل إبراهيم وبارك على محمدوأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد**''

لواورسنو نبی پاک ﷺ کے چچا عباس، اورآپ کی اولاد، اور جعفر بن ابوطالب اورآپ کی اولاد، اور نبی پاک ﷺ کے چچا شیر خدا حمزہ کی فضیلت مزید برآں ہے، یہ سارے حضرات نبی پاک کے قرابت دار اور آپ کے پاکیزہ نسب سے ہیں، مجھے بتایا جائے کیا کوئی ایسی دلیل ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حضرات اللہ عزوجل کے اولیا نہیں۔

(۲) جب نبی کریم ﷺ سے اہل بیت پاک کی قرابت کام آنے والی نہیں تو ہرروز مخلوق کا کروڑہا کروڑ درود انہیں کہاں سے حاصل ہورہا ہے؟ یہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا فیض ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ مسلمانوں کی تعداد کروڑہا کروڑ ہے، شب و روز پانچ نمازیں فرض ہیں، اورسال میں ۳۶۵ یا ۳۶۶ دن ہوتے ہیں تو ایک سال میں صرف فرض نمازوں کی تعداد ۱۸۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ہے تو ہرروز ہرصدی میں ان فرائض وسنن کا کیا حال ہوگا جن کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

تشہد میں یہ درود پڑھا جاتا ہے ''**اللھم صل على محمدوعلى آل محمد كماصليت على**

إبراهيم وعلى آل إبراهيم ۔إلى آخر هذه الصيغة یا سابقہ صیغہ سے درود بھیجا جائے۔
ارباب عقل ودانش مجھے بتائیں کیا نبی پاک ﷺ کی قرابت کام نہیں آرہی ہے؟ اے اللہ! تو مجھے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فیض کرم سے محروم ومجوب نہ فرما اور آپ کے خیر سے ہمارا رشتہ وتعلق منقطع نہ فرما۔

(۳) ابن تیمیہ جس نے امام احمد کے مذہب کے ساتھ برا سلوک کیا، اور جس کے اصحاب کا یہ خیال ہے کہ ابن تیمیہ کو امام احمد کے اصحاب سے زیادہ امام احمد کے اقوال ونقول کا علم ہے۔اے کاش! ابن تیمیہ کا رشتۂ ادب امام احمد کے اس قول کے ساتھ قائم رہتا جسے خلّال نے السنۃ (۲/۴۳۲) میں نقل کیا کہ عبدالملک بن عبدالحمید میمونی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے سوال کیا۔ کہ کیا نبی کریم ﷺ نے یہ نہ ارشاد فرمایا: ''**كل صهر ونسب ينقطع إلا صهري ونسبي**'' ''یعنی میری قرابت ونسب کے سوا تمام قرابت ونسب کا انقطاع ہو جائے گا'' تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، میں نے پوچھا: اور یہ معاویہ کے لیے بھی ہے؟، تو فرمایا: ہاں انہیں بھی آپ کی قرابت ونسب کا شرف حاصل ہے، وہ کہتے ہیں میں نے احمد ابن حنبل سے یہ فرماتے سنا: آپ کی قرابت ونسب کا فیض معاویہ اور ان سب کے لیے ہے ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں''۔

جب سیدنا امیر معاویہ کو قرابت کا شرف حاصل ہے، اور امام احمد نے آپ کے بارے میں یہ فرمایا کہ: امیر معاویہ اور ان سب کے لیے شرف قرابت ہے اور آپ نے نبی پاک ﷺ کے اہل قرابت کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والوں کے ساتھ گستاخی و بے ادبی سے عافیت کا سوال کیا تو پھر سیدہ فاطمہ ،سیدہ خدیجہ،سیدہ عائشہ، نبی پاک کی بقیہ ازواج طاہرات ،حسنین کریمین، رسول اللہ ﷺ کی ذریت، اور آپ کے بقیہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی بلند شان کا کیا کہنا۔

(۴) ابن تیمیہ اور اس کے ریزہ خوار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی اس روایت کے بارے میں کیا کہیں گے جس میں یہ ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ''**كل سبب ونسب ينقطع**

يوم القيامة إلا سببي ونسبي ”یعنی قیامت کے دن میرے اسباب وانساب کے علاوہ تمام اسباب وانساب منقطع ہوجائیں گے[(۱)]

مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”**أنه ينقطع يوم القيامة الأنساب والأسباب إلا نسبي وسببي**“”یعنی قیامت کے دن میرے اسباب وانساب کے علاوہ تمام انساب واسباب منقطع ہوجائیں گے“ [(۲)]

یہ نص قطعی ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں، ابن تیمیہ نے بالکلیہ اس نص قطعی سے تجاہل کیا تقریبا چار ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں کہیں اسے ذکر نہ کیا۔

---

(۱) ”کل سبب ونسب“ والی حدیث کو امام احمد بن حنبل، اور حاکم، اور ضیا مقدسی، حافظ ذہبی، اور حافظ ہیثمی اور حافظ سیوطی وغیرہم نے صحیح کہا اور فضائل اہل بیت میں وارد خاص احادیث کے بارے میں البانی نے اپنے تشدد کے باوجود اس کو صحیح کہا جیسا کہ ابن بشیر نے کہا یہ حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے کثیر طرق سے وارد ہے، اور مسور بن مخرمہ اور ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر سے۔

رہی عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حدیث تو اس کو بزار (۱/۳۹۷) اور ابن سعد نے طبقات (۸/۴۶۳) اور طبرانی نے کبیر (۳/۴۴،۴۵) اور اوسط (۶/۳۵۷) میں تخریج کی اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۲۷۱،۲۷۲) میں کہا: اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور صیداوی نے معجم الشیوخ (۱/۳۳۸) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲/۳۴، ۷/۳۱۴) اور دیلمی نے مسند الفردوس (۳/۲۵۵) اور ضیا نے مختارہ (۱/۱۹۷، ۱۹۸، ۳۹۸) میں جیسا کہ امام احمد نے اس کی تخریج کی (۴/۳۲۳، ۳۳۲) اور حاکم نے مستدرک (۳/۱۷۲) میں اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے کہا صحیح ہے۔

(۲) مسور کی حدیث طبرانی نے کبیر (۲۰/۲۵، ۲۷) اور بیہقی نے سنن کبری (۷/۶۴) میں تخریج کی اور عبداللہ بن زبیر کی حدیث طبرانی نے اوسط (۴/۲۵۷) اور ابن عباس کی حدیث طبرانی نے کبیر (۱۱/۲۴۳) میں تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۷۳) میں کہا اور اس کے رجال ثقہ ہیں، بیہقی نے کبری میں (۷/۶۳) تخریج کی۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۴/۱۹۵۵) اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۲۵۷) میں اور ان دونوں کے علاوہ نے تخریج کی کہ عمر بن خطاب نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے چالیس ہزار مہر پر نکاح فرمایا۔

(۵) مدارس کے طلبہ کو امام مسلم (۱/۱۹۵،۱۹۶) وغیرہ کی وہ روایت معلوم ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''**أهون أهل النار عذابا أبا طالب،وهو منتعل بنعلين يغلي منهما دماغه**'' ''تمام جہنمیوں میں سب سے آسان اور ہلکا عذاب ابوطالب[1] کا ہوگا ان کے پیروں میں (آگ) کے دو نعل ہوں گے جن سے ان کا دماغ ابلے گا'' اور فرمایا: ''**وجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح**'' ''میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اسے میں نے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا'' سبحان اللہ! امام مسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی زندیق یہ نہ کہے کہ تخفیف عذاب کا سبب عمل ہے اس لیے سابقہ دو حدیثوں کے بعد فرمایا: ''**باب الدليل على أن من مات على الكفر لا ينفعه عمل**'' کہ اس باب میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس کا خاتمہ کفر پر ہوا اس کا کوئی عمل اس کے کام نہ آئے گا''۔

پھر ذکر فرمایا کہ عائشہ صدیقہ نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا، اور مسکین کو کھانا کھلاتا تو کیا اسے اس کا نفع ملے گا، اس پر حضور نے فرمایا: ''**لا ينفعه إنه لم يقل يوما رب اغفر لي خطيئتي يوم الدين**'' ''اس کا یہ عمل اسے کوئی

---

(۱) عباس بن عبد المطلب نے نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے اپنے چچا کو کیا فائدہ پہنچایا؟ وہ آپ کی حمایت کرتے تھے اور حضور کے لیے لوگوں سے جھگڑتے تھے، حضور نے فرمایا: ''**هو في ضحضاح من نار ولولا أنا لكان في الدرک الأسفل من النار**'' وہ ٹخنہ کے برابر آگ میں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتے۔

(بخاری باب قصہ ابوطالب)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سنا حضور کے پاس ان کے چچا کا تذکرہ ہوا تو فرمایا قیامت کے دن ان کو میری شفاعت نفع دے گی۔

''**فيجعل في ضحضاح من النار تبلغ كعبيه يغلى منه دماغه، وفي رواية يغلى منه أم دماغه**''

ترجمہ:۔ وہ جہنم کے اوپری حصہ میں کیے جائیں گے آگ ان کے ٹخنوں تک رہے گی جس سے ان کا دماغ ابلے گا، اور ایک روایت میں ہے ان کا بھیجا ابلے گا۔ (بخاری کتاب المناقب باب قصہ ابوطالب) (مترجم)

فائدہ نہ دے گا'' اس نے کسی دن یہ نہ کہا: اے پروردگار! قیامت کے دن تو میرے گناہ بخش دے''۔

اور یہ بھی وارد ہے کہ ہر دوشنبہ کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اس لیے کہ اس نے رسول پاک ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا، بخاری (۱۹۶۱/۵) اور ایسا ہی عبدالرزاق (۶۲/۹) نے بروایت عروہ زینب بنت ابی سلمہ سے تخریج کی کہ ابولہب نے اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا تو ثویبہ نے نبی پاک ﷺ کو دودھ پلایا، ابولہب کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے بعض اہل قرابت نے خواب میں اسے بری حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا: تم نے کیا پایا؟ تو ابولہب نے کہا: میں نے کچھ بھی نہ پایا البتہ میری اس انگلی کو اس وجہ سے سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے آزاد کیا تھا۔

اور حضور ﷺ کے ارشاد ''فأخرجته إلى ضحضاح'' ''میں نے اسے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا'' میں غور کیجئے اور اچھی طرح فکر کیجئے، امید کہ اللہ عزوجل شبہات وظلمات کا ازالہ فرما دے۔

(۲) امام احمد نے مسند اعباس سے تخریج کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: یارسول اللہ جب ہم نکلتے ہیں تو قریش کو گفتگو کرتے دیکھتے ہیں پھر وہ ہمیں دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں، اس پر سرکار اس درجہ غضب ناک ہوئے کہ آپ کی چشمان مبارک کے درمیانی حصہ سے پسینہ نمودار ہوا پھر فرمایا: ''والله لا يدخل قلب امرئ إيمان حتى يحبكم لله ولقرابتي'' ''قسم خدا کی کسی مومن کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ کے لیے اور میری قرابت کے سبب تم سے محبت کرے۔[1]

(۱) عباس کا قصہ اور نبی کریم ا کا قول امام احمد نے (۲۰۷/۱) بطریق صحابی جلیل عبدالمطلب بن ربیعہ روایت کی اور ابن ابی شیبہ (۳۸۲/۶) نے مسلم بن صبیح سے اور ابن ماجہ (۵۰/۱) اور بزار (۱۴۷/۴، ۱۴۸) اور حاکم نے مستدرک (۸۵/۴) میں اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۳۸۲/۸) میں محمد بن کعب سے روایت کی، مصباح الزجاجۃ (۲۱/۱) میں کہا: اس اسناد کے رجال ثقہ ہیں مگر عباس سے محمد بن کعب کی روایت مرسل کہی جاتی ہے۔الخ

میں کہتا ہوں: ''یقال'' (کہی جاتی ہے) کا لفظ ضعف کے لیے آتا ہے اور یہ یقینی شی نہیں اور حاکم اور ضیا نے اس کو صحیح کہا اور کم از کم یہ مرسل صحیح ہے پھر یہ مختلف طرق سے مروی ہے۔

(۷) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اے بنوعبدالمطلب! میں نے اللہ سے تمہارے لیے تین چیزوں کا سوال کیا ہے:

(۱) وہ تمہیں ثابت قدم رکھے۔

(۲) اور تم میں سے گمراہ کو ہدایت بخشے۔

(۳) اور جاہل کو علم سے سرفراز کرے۔

اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ تمہیں سخی وفیاض اور دلیر ورحم دل بنائے، اگر کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان نماز پڑھے اور روزہ رکھے پھر محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اہل بیت کا بغض لے کر اللہ سے ملے وہ جہنم میں جائے گا''۔(۱)

یہ اہل بیت ہی کی شان میں تو فرمایا گیا، اور کیا نبی پاک ﷺ کی برکت کام نہ آئی؟

(۸) عبدالرحمٰن بن ابورافع فرماتے ہیں کہ ام ہانی بنت ابوطالب آراستہ ہوکر نکلیں، اور ان کی دونوں بالیاں دکھائی دے رہی تھیں، تو عمر بن خطاب نے ان سے فرمایا: نیکیاں کیجئے کیوں کہ تم کو محمد سے کچھ نفع نہ ملے گا، انھوں نے نبی پاک ﷺ کے پاس آکر خبر دی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**ما بال أقوام يزعمون أن شفاعتي لاتنال أهل بيتي، وأن شفاعتي تنال حاوحكم، حاوحكم قبيلتان**'' ''ان لوگوں کا کیا معاملہ ہے جن کا یہ خیال ہے کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کے کام نہ آئے گی، اور میری شفاعت قبیلہ حاوح، اور حاوح کو حاصل ہوگی۔(۲)

---

(۱) ''سالت الله لكم ثلاثا'' اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے السنۃ (۶۴۴/۲) میں اور حاکم نے مستدرک (۱۶۱/۳) میں تخریج کی اور کہا: بشرط مسلم یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ان دونوں نے اس کی تخریج نہ کی اور ذہبی نے تلخیص میں اس کو برقرار رکھا اور بشرط مسلم کہا، اور طبرانی نے کبیر (۱۷۶/۱۱) میں اور ھیثمی نے مجمع (۱۷۱/۹) میں ایسا کلام فرمایا جو اس حدیث سے استدلال کا افادہ کرتا ہے۔

(۲) ام ہانی رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث طبرانی نے کبیر (۴۳۴/۲۴) میں تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۵۷/۹) میں کہا: یہ مرسل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں___ میں کہتا ہوں: معمر بن راشد (۵۶/۱۱) نے بھی قتادہ اور عبدالرحمٰن

ابن عمر، ابو ہریرہ اور عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ درہ بنت ابولہب ہجرت کر کے رافع بن معلٰی زرقی کے گھر اتریں، بنی زریق کی کچھ عورتوں نے آپ کے پاس بیٹھ کر کہا: تم تو اس ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا:

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ o مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ [المسد-١١١:٢،١]

ترجمہ:۔ تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور تباہ ہو ہی گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔

تمہاری ہجرت تمہارے کام نہ آئے گی درہ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آ کر ان عورتوں کی شکایت کی کہ انھوں نے ایسا کہا، رسول اللہ ﷺ نے درہ کی تسکین خاطر فرمائی، اور فرمایا: ''بیٹھ جایئے'' پھر صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی، اور منبر پر تھوڑی دیر کے لیے جلوہ ساماں ہوئے اور فرمایا: ''**أيها الناس مالي أوذي في أهلي وإن شفاعتي لتنال حي حا وحكم، وصدا وسلهب يوم القيامة**'' ''اے لوگو میرا کیا معاملہ ہے کہ مجھے میرے اہل کے بارے میں ایذا دی جا رہی ہے، بخدا قیامت کے دن میری شفاعت قبیلہ حاوح اور صدا اور سہلب کو حاصل ہوگی۔

(۹) صحابہ کے فقہ وعلم وادب پر غائرانہ نظر ڈالیے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ابن تیمیہ کا سینہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی گستاخی وبے ادبی اور ان کے کینہ سے کس قدر آلودہ و پراگندہ ہے۔

واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں: میں نے علی کے متعلق ان کے گھر میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ رسول اللہ

ابن جندہ سے مرسلا باسناد صحیح تخریج کی مگر قتادہ نے یہ نہ ذکر کیا کہ وہ ام ہانی ہیں۔

درہ بنت ابولہب رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث ابن ابوعاصم نے آحاد اور مثانی (۵/۴۷۰) میں اور طبرانی نے کبیر (۲۴/۲۵۹) میں تخریج کی ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۵۷، ۲۵۸) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کی اور اس میں عبدالرحمٰن بن بشیر دمشقی ہیں جن کو ابن حبان نے ثقہ کہا (۸/۳۷۳) اور ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہا اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: دحیم نے بھی عبدالرحمٰن بن بشیر کی توثیق کی ہے اور محمد بن عائذ نے ان کا ذکر خیر کیا ہے جیسا کہ حافظ کی لسان المیزان (۳/۴۰۷) میں ہے اور بخاری نے تاریخ سیر (۵/۲۶۳) میں ان کو ذکر نہ کیا نہ جرح کے ساتھ نہ تعدیل کے ساتھ۔

ﷺ کو لینے گئے ہیں تھوڑی دیر میں آپ آئے، اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ نشیں ہوئے، اور فاطمہ کو اپنے داہنے، علی کو اپنے بائیں، اور حسن وحسین کو اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۳۳] أللهم هؤلاء أهلي" اور اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہرناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

واثلہ نے کہا: میں نے گھر کے گوشہ سے عرض کیا: اور میں بھی یا رسول اللہ آپ کے اہل سے ہوں تو آپ نے فرمایا: "وأنت من أهلي" "اور تم بھی میرے اہل بیت سے ہو" واثلہ نے کہا یہ میرے لیے بڑی امید افزا بات ہے۔

اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا (۴۳۲/۱۵) اور ذہبی نے السیر (۳۸۵/۳) میں کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، اور طبرانی نے کبیر (۶۶،۲۲) میں اس کو روایت کیا۔

(۱۰) ابو ہریرہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ کسی منادی کو یہ ندا کرنے کے لیے حکم فرمائے گا سنو میں نے ایک نسب بنایا ہے، اور تم نے ایک نسب بنایا ہے، تو میں نے تمہارے اندر اسے زیادہ باعزت بنایا جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، تو تم لوگوں نے اسے ناپسند کیا، اور یہ کہا فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے، آج میں اپنا نسب بلند فرماؤں گا، اور تمہارا نسب پست کروں گا کہاں ہیں پرہیزگار لوگ" یہ حدیث باطل ہے ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۴/۸) میں کہا: طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اس کو روایت کیا اور اس میں طلحہ بن عمر متروک راوی ہیں۔

(۱۱) اس حدیث: "يا فاطمة بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم أنقذي نفسك من النار فإني لا أملك لك ضرا ولا نفعا" "اے فاطمہ بنت محمد ﷺ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیوں کہ میں اپنے نقصان ونفع کا خود سے مالک نہیں" کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نے کس مقصد کے لیے اس سے استدلال کیا یہ حدیث آیت کریمہ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ

﴿الْأَقْـرَبِيْـنَ﴾ [الشعراء-۲۶:۲۱۴] اوراے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کوڈراؤ۔ کے موقعہ پر نازل ہوئی یہ حکم آپ کی دعوت کے آغاز میں تھا اور شفاعت کا حکم مدینہ منورہ میں اترا۔

ابن حبان نے اپنی صحیح (۴۱۲/۲) میں یہ حدیث روایت فرما کر کہا: یہ منسوخ ہے اس میں یہ ہے کہ آپ کسی کی شفاعت نہ کریں گے حالاں کہ اس کے بعد مدینہ منورہ میں آپ کو شفاعت کا اختیار بخشا گیا۔اھ

بعض ائمہ نے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد "**فإني لا أملك لك ضرا و لا نفعا**" "یعنی میں تمہارے نقصان ونفع کا خود سے مالک نہیں" کے متعلق فرمایا کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: اللہ عزوجل کے اذن کے بغیر تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا:

"**ما نفعني مال قط ما نفعني مال أبي بكر.**" کبھی کسی مال نے مجھے نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے مجھے نفع دیا۔

(۱۷) ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے خطرناک فکریں پیش کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ایمان کامل نہیں:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۳۰۳/۴، ۳۰۴) میں کہا:

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے خدیجہ سے فرمایا: ''اللہ نے مجھے ان کے بدلے میں ان سے بہتر نہ عطا فرمایا'' اگر یہ صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ان کے بدلے میں ان سے بہتر عطا نہ فرمایا اس لیے کہ خدیجہ نے آغاز اسلام میں حضور کو ایسا نفع دیا کہ کوئی دوسرا اس نفع میں ان کا قائم مقام نہ ہوسکا تو اس لحاظ سے خدیجہ حضور کے لیے افضل ثابت ہوئیں، اس لیے کہ انھوں نے حضور کی ضرورت کے وقت حضور کو نفع دیا، لیکن عائشہ کو نبوت کے آخری زمانہ اور دین کے کامل ہونے تک حضور کی صحبت حاصل رہی اس سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) عائشہ کو علم وایمان کا وہ سرمایہ حاصل ہوا جو نبوت کا ابتدائی دور پانے والے کو نصیب نہ ہوا۔

(۲) اس فضیلت کے سبب عائشہ سب سے افضل ہیں کیوں کہ امت کو عائشہ سے جتنا زیادہ نفع ہوا کسی اور سے نہیں، اور آپ نے علم وسنت کی جو اشاعت کی کسی اور نے نہ کی۔

(۳) خدیجہ کا خیر اور ان کی نیکی وبھلائی صرف نبی ﷺ کے لیے تھی، انھوں نے آپ سے کچھ حاصل نہ کیا، اور نہ ہی ان سے امت کو عائشہ کی طرح نفع حاصل ہوا۔

(۴) اس وقت دین بھی کامل نہ ہوا تھا کہ خدیجہ کو اس کا علم ہوتا، اور اس کے سبب ان کا ایمان کامل ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا ایمان کامل ہوا جنھوں نے کمال دین کو جانا اور دین کامل ہونے کے بعد اس پر ایمان لائے۔

(۵) یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جس کا مطمح نظر صرف ایک چیز ہوا کرتی ہے وہ اس میں کامل ہوتا ہے اور جسے

مختلف کاموں کی فکر ہوتی ہے اس کو ایسا کمال حاصل نہیں ہوتا، تو خدیجہ اس لحاظ سے خاص حضور کے لیے خیر ثابت ہوئیں لیکن تمام نیکیاں اسی میں منحصر نہیں، کیا نہیں معلوم کہ جن صحابہ کا ایمان عظیم ترین ہے اور جنھوں نے اپنی جان و مال سے خوب جہاد کیا جیسا کہ حمزہ، علی، سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہم یہ حضرات صحابہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو نبی ﷺ کی خدمت کرتے اور آپ کو ان سے زیادہ نفع پہنچاتے جیسا کہ ابورافع اور انس بن مالک وغیرہما''۔ **انتھی بحروفه.**

میں کہتا ہوں: نبی پاک ﷺ کے خصائص کے موضوع سے ہم صرف نظر کرتے ہیں اس لیے کہ ابن تیمیہ اور اس کے متبعین صبح و شام اسے اپنا موضوع بحث بناتے رہتے ہیں نبی پاک ﷺ کی پاکباز بیویوں کے درمیان تفضیل کا مسئلہ چھیڑنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ آپ کی تمام ازواج طاہرات کو یہ عظیم شرف حاصل ہے کہ آپ کے ساتھ جنت میں رہیں گی۔

لیکن اس مقام پر اس مسئلہ کو واضح کرنا از بس ضروری ہے کہ ابن تیمیہ کی منشا سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تنقیص شان کرنا ہے، اور یہ کس قدر افسوس ناک والم انگیز ہے کہ اس کا سینہ نبی پاک ﷺ کی تنقیص شان سے آلودہ و پراگندہ ہے، وہ اس آلودگی اور پراگندگی کو آپ کی امت میں عام کرنا چاہتا ہے۔

ابن تیمیہ کو یہ معلوم نہیں کہ نبی پاک ﷺ کون ہیں؟ اور رب تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ یا وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرنا ہی نہیں چاہتا؟ یا اسے یہ معلوم نہیں کہ نبی پاک کی محبت و توقیر شرک نہیں۔

ابن تیمیہ کو امام مسلم (۱/۱۵۴) کی وہ روایت خوب اچھی طرح معلوم ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے شب اسرا میں فرمایا: **فأتيت بإناء ين في أحدهما لبن، وفي الأخر خمر، فقيل لي خذ أيهما شئت، فأخذت اللبن فشربته فقال: هديت الفطرة، أو أصبت الفطرة، أما إنك لو أخذت الخمر غوت أمتك**'' ''یعنی میرے سامنے دو برتن پیش کیے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب، پیش کرنے والے نے مجھ سے کہا آپ جسے چاہیں نوش فرمالیں میں نے دودھ کو لیا اور اسے پیا تو فرشتہ نے کہا: آپ کو فطرت (دین اسلام) کی ہدایت فرمائی گئی، یا آپ فطرت پر قائم ہیں،

سنیے اگر آپ شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی‘‘۔

اس حدیث پاک سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے افعال کا آپ کی امت کی ہدایت پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، وہ واقعہ بھی پیش نظر رہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے سبب پچاس نمازوں میں سے صرف پانچ نمازیں فرض رہیں آخری بار جب موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا: ’’آپ اپنے رب کے پاس جا کر اور کم کرائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**قد رجعت إلى ربي حتى استحييت منه**‘‘ میں نے اپنے رب سے اس قدر عرض کیا کہ اب حیا آ رہی ہے‘‘۔

اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی کوشش سے پچاس نمازوں میں صرف پانچ نمازیں فرض رہیں، اور آپ کی کوشش و عمل سے تین اور چار بھی ہوسکتی تھیں۔

مجھے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی پاک ﷺ کے افعال کا ساری امت کی ہدایت پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، نبی پاک ﷺ نے اس طرف اشارہ بھی فرمایا اس لیے کہ آپ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا جس وقت آپ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہم کو کسی خارجی کے قتل کا حکم فرمایا: ’’کیا تم نے اسے قتل کر دیا‘‘ عرض کیا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**لو قتل ما اختلف رجلان من أمتي حتى يخرج الدجال**‘‘ ’’اگر یہ قتل ہوجائے تو دجال کے ظاہر ہونے تک میری امت کے دو شخصوں میں اختلاف نہ ہوگا‘‘۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ کبھی ایک فرد کا عمل ساری امت پر اثر انداز ہوتا ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ [النحل-١٦ :١٢٠] ترجمہ:۔ بے شک ابراہیم ایک امام تھا۔

اور آپ کا وہ ارشاد بھی نا قابل فراموش ہے جب آپ نے جنگ بدر کے دن اپنے رب عز و جل سے عرض کیا: ’’**أللهم إن تهلك هٰذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض**‘‘ ’’اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت ہلاک ہوجائے گی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی‘‘۔

جب یہ آپ کی امت کے افعال کا حال ہے تو آپ کے افعال کی کیا شان ہوگی۔

جب یہ حقیقت آپ پر عیاں و آشکارا ہوگئی تو ابن تیمیہ کے کلام کا فساد، اور اس کے مشرب کا بطلان بھی

آپ پر روشن ہو گیا ہو گا کیوں کہ جیسا کہ گزرا اس نے یہ کہا: ''خدیجہ کا خیر صرف نبی ﷺ پر منحصر ہے انھوں نے آپ سے کچھ حاصل نہ کیا، اور نہ ہی امت کو آپ سے عائشہ کی طرح نفع ملا'' اسی طرح اس نے شب اسری پر شب قدر کی فضیلت کے سلسلہ میں بکواس کی، اور یہ کہا کہ میرے نزدیک لیلۃ القدر ساری امت کے لیے اہم ہے لیکن لیلۃ الاسرا کی اہمیت صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، دیکھا آپ نے ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان اس طرح تفریق کرتا ہے۔

''اگر نبی پاک ﷺ شب اسرا میں شراب پی لیتے تو آپ کی ساری امت فتنہ میں پڑ جاتی اور گمراہ ہو جاتی''۔

تو بتایا جائے کہ امت کے لیے لیلۃ القدر کا نفع زیادہ ہے یا لیلۃ الاسراء کا؟ پھر کہاں نبی پاک ﷺ کی شفاعت، اور کہاں لیلۃ القدر کی فضیلت اللہ عزوجل نے نبی پاک ﷺ کو اختیار بخشا کہ آپ اپنی نصف امت کو جنت میں لے جائیں، یا شفاعت اختیار فرمائیں تو آپ نے شفاعت اختیار فرمایا، ہم غلامان مصطفیٰ اور عاشقان رسالت رسول پاک ﷺ کے نقش پا پر مرمٹنے والے ہیں، اپنے اعمال کے پیچھے پڑنے والے نہیں، اللہ ہمیں ان لوگوں میں رکھے جو اپنے اعمال ہی کی اتباع نہیں کرتے۔

کیا ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے لیے الگ الگ راہیں مقرر کرتا ہے؟

یہاں یہ امر بخوبی واضح رہے کہ جو چیز نبی پاک کے لیے خیر ہو گی آپ کی اتباع میں آپ کی ساری امت کے لیے بھی خیر ہو گی، اس لیے رسول پاک ﷺ کے لیے جو رات افضل و بہتر ہو گی وہ آپ کی امت کے لیے بھی افضل و بہتر ہو گی، ہمیں نہیں معلوم کہ کیا افضل رات کے متعلق کوئی استفتا ہوا ہے یا ہو گا، تو جو رسول پاک ﷺ کے دامن اقدس سے وابستہ ہے، اور آپ کا فدا کار و پیرو کار ہے اسے عظیم کامیابی حاصل ہو گی، اور جس نے رسول پاک سے اپنا رشتہ قطع کیا، اور آپ کی امت کی الگ الگ راہیں قائم کیں وہ بڑے نقصان اور خسارہ میں ہے۔

ابن تیمیہ امت مسلمہ میں جس چیز کو عام کر کے اس امت کے وجدان کو رسول اعظم ﷺ سے جدا کرنا چاہتا ہے اس سلسلے میں ہم پھر یہ کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے کلام کا محور صرف دو نقطوں پر گردش کر رہا ہے:

پہلا نقطہ: یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا اور جوامت کے نصف یا تہائی یا چوتھائی کے درجہ میں ہیں، جنھوں نے دعوت وتبلیغ کا وہ بار سنبھالا زمین پر جس کا حامل اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے کوئی نہ تھا، ابن تیمیہ کی نظر میں ایسی سیدہ خدیجہ کا خیر صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ گویا ابن تیمیہ کے زعم میں آپ سے خطا سرزد ہوئی اور امت مسلمہ آپ سے مستفید نہ ہوسکی۔

دوسرا نقطہ: یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جس وقت داعی اجل کو لبیک کہہ کر اللہ کی رحمت کی پناہ لی آپ کا ایمان کامل نہ رہا، ابن تیمیہ والعیاذ باللہ تعالی اس طرح گستاخی کرتا اور سوئے ظن رکھتا ہے۔

پہلے نقطہ کا رد یہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ ہی سراپا امت ہیں اگر آپ کا وجود مسعود نہ ہوتا تو امت کا وجود نہ ہوتا تو سیدہ خدیجہ نے نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے ساری امت کو نفع بخشا۔

امام احمد (۱۱۷/۶) اور طبرانی نے کبیر میں (۱۳/۲۳) تخریج کیا (اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۴/۹) میں کہا اس کو احمد نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی اسناد حسن ہے) سیدہ عائشہ فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس سے عرض کیا آپ کو اللہ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر عطا فرمایا تو حضور نے فرمایا: ''مجھے اللہ عزوجل نے ان کے بدلے ان سے بہتر نہ عطا فرمایا وہ مجھ پر ایسے ماحول میں ایمان لائیں جب لوگ میرے ساتھ کفر کیا کرتے اور انھوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے میری تکذیب کی، انھوں نے اپنے مال کے ذریعہ میرے بازو کو قوت بخشی جب کہ دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے مال سے محروم رکھا، اور مجھے اللہ عزوجل نے ان کے ولد کی توفیق بخشی جب کہ دوسری عورتوں نے مجھے اولاد سے محروم رکھا''۔

دوسرے نقطہ کا رد یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے ریزہ خواروں پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ علم درحقیقت علم باللہ ہی ہے، اور فقیہ وہ ہے جسے اپنے رب کی فقاہت ومعرفت حاصل ہو۔ جیسا کہ سلف صالح نے فرمایا۔ اور علم باللہ اور اللہ کی توحید کے درمیان، اور چوری وقتل کی حد، اور دوسرے احکام کے علم کے درمیان کھلا ہوا فرق ہے۔

سیدہ خدیجہ اپنے عالم کی ساری عورتوں کی سردار ہیں یہ نص قطعی ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام بخاری (۱۲۶۵/۳) اور مسلم (۱۸۸۶/۴) نے تخریج کیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے

رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:"**خیر نسائها مریم بنت عمران وخديجة بنت خويلد**" "بہترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں" اور امام احمد اور ابو یعلی اور طبرانی نے بھی یہ حدیث تخریج کی۔ اور ھیثمی (۲۲۳/۹) نے کہا: ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے چار خطوط کھینچے اور فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:"**أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة ابنة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، ومريم ابنة عمران، وآسية ابنة مزاحم امرأة فرعون**" جنتی عورتوں میں سب سے افضل وبہتر خدیجہ بنت خویلد، اور فاطمہ بنت محمد ﷺ، اور مریم بنت عمران، اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔

ابن تیمیہ کے متبعین مجھے بتائیں کیا تمام جنتی عورتوں میں ان افضل عورتوں کا ایمان کامل ناقص ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ وہ زندیقیت ہی کا معنی پیش کریں گے۔

ایک اہم گذارش:

جو شخص سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہما کے فضل وکمال کا اظہار کرنا چاہے اسے ان دونوں سیدہ جلیلہ کے افضل محاسن کا ذکر کرنا چاہئے، رہ گیا ابن تیمیہ تو اس کا حال گذر چکا کہ اس کا مقصود تنقیص شان ہے، وبس۔

ایک دوسرے نقطے پر ضروری تنبیہ:

بہت سے علما نے ابن تیمیہ کی بہت سی چیزوں میں مذمت، اور بہت سے معاملات میں تعریف کی ہے دراصل اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرات ابن تیمیہ کی ان تمام تحریروں پر مطلع نہ ہو سکے جن کے معنی واضح نہیں بلکہ اس کی تحریر کے دسویں حصہ پر انہیں اطلاع نہ ہو سکی اس کی روشن دلیل ابن حجر کا وہ قول ہے جو انھوں نے فتح الباری (۱۰۹/۷) میں فرمایا:

''ابن تیمیہ نے کہا: خدیجہ اور عائشہ کی فضیلت کی جہتیں متقارب ومتماثل ہیں، گویا اس کی رائے توقف ہے'' اس سے پیشتر ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے بالکل برخلاف ہے معاملہ دراصل یہ ہے کہ ابن حجر، ابن تیمیہ کے اس عجیب وغریب طریقہ پر مطلع نہ ہو سکے جس تک ہماری نظر پہنچی کہ ابن تیمیہ سیدہ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کی خصوصیتوں کا انکار کر رہا ہے حالاں کہ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام کے گھر میں جلوہ آرا ہوئیں، اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ فنا فی رسول اللہ ﷺ تھیں اور ابن تیمیہ کو یہ چیز پسند نہیں۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ سیدہ عائشہ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت دیتا ہے اس کے باوجود والعیاذ باللہ تعالی یہ کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ کے بارے میں شک تھا!

(۱۸) ابن تیمیہ نے مستشرقین اور دشمنان دین متین کی عظیم خدمت انجام دی ہے کیوں کہ اس نے نبی پاک ﷺ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں شک تھا۔

ابن تیمیہ۔ والعیاذ باللہ تعالی، یہ دعوی کرتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں شک تھا، جب کہ ابن تیمیہ کو یہ خوب معلوم ہے کہ آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں قطعا شک نہ تھا ہاں ان منافقین کو ضرور شک تھا جن کی اللہ عزوجل نے اپنی کتاب حکیم میں مذمت فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۴]

ترجمہ:۔ اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اور فرمایا:

﴿وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ ٥ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۵، ۱۶]

ترجمہ:۔ اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم سے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے۔ یہ بڑا بہتان ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هٰذَا إِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ [النور-۲۴:۱۲]

ترجمہ:۔ کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۸۰/۷،۸۱) میں کہا:

''آپ کو عائشہ کے بارے میں شک تھا اس لیے کہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افک کے واقعہ میں آپ کی براءت جاننے سے پہلے یہ فرمایا: ''اے عائشہ اگر تم پاک دامن ہو تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہاری پاک دامنی ظاہر فرمائے گا اور اگر تم کسی جرم و گناہ میں گرفتار ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' الخ

ابن تیمیہ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو اپنے اہل بیت کے معاملہ کا کچھ بھی علم نہ تھا، اور جب ابن تیمیہ اس طرح کی بکواس کرتا ہے کہ حضور اقدس کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا تو مستشرقین اور دشمنان دین متین آپ کے بارے میں کیا زہر افشانیاں کریں گے۔

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ خود بعض اوقات یہ دعوی کرتا ہے کہ اس پر لوح محفوظ کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے جیسا کہ اس کے تلمیذ ابن القیم نے مدارج السالکین (۴۸۹/۲، ۴۹۰) میں اس کے بارے میں اس کشف کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''۷۰۲ھ میں جب تاتاری مشتعل ہوئے اور انھوں نے شام کا قصد کیا، تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو خبر دیا کہ گردش زمانہ ان کے خلاف ہے اور انہیں لوگوں کی شکست وریخت ہوگی اور کامیابی اور فتح ونصرت مسلمانوں کو حاصل ہوگی اور اس نے ستّر بار سے زائد اس پر قسم کھائی تو اس سے کہا جاتا انشاء اللہ کہیے تو وہ ان شاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں، اور میں نے اس سے یہ بھی کہتے سنا کہ جب لوگوں نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا اصرار نہ کرو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس

مرتبہ انہیں کی شکست وریخت ہوگی اور اسلامی لشکر کو فتح ونصرت حاصل ہوگی''۔

ابن القیم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ کہتا: میرے پاس میرے اصحاب وغیرہ آتے ہیں تو میں ان کے چہروں اوران کی آنکھوں میں ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں ان کے سامنے ذکر نہیں کرتا تو میں نے اس سے کہا دوسروں سے بتا دیتے، تو اس نے کہا: کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں مشہور حاکموں اور والیوں کی طرح مشہور ومعروف ہوجاؤں۔ اور ایک دن میں نے اس سے کہا اگر آپ ہم لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تو اس سے استقامت وصلاح کو زیادت قوت حاصل ہوتی، تو اس نے کہا: تم لوگ میرے ساتھ اس پر ایک جمعہ یا ایک مہینہ صبر نہ کرسکوگے۔

اور ابن تیمیہ نے بارہا مجھے کچھ ایسی باطنی چیزوں کی خبر دی جن کا میں عزم کر چکا تھا اور ابھی اپنی زبان سے ذکر نہ کیا تھا اور مستقبل میں پیش آنے والے بعض عظیم حوادث مجھے بتائے، اوران کے اوقات کی تعیین نہ کی، میں نے ان میں سے بعض حوادث سر کی آنکھوں سے دیکھے، اور باقی حوادث کا انتظار ہے، اوراس کے عظیم اصحاب نے اس طرح کے جو عظیم حوادث مشاہدہ کیے ہیں وہ میرے مشاہدات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: سبحان العلی العظیم۔ ابن تیمیہ کی طرف علم غیب اور کشف باطن کی نسبت کی جارہی ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں عام انسانوں جیسا کلام کیا جارہا ہے، کبھی تو ابن تیمیہ یہ ہرزہ سرائی کرتا ہے کہ حضور کو چند منافقوں کے سوا کسی کا علم ہی نہ تھا جیسا کہ اس کی منہاج (۲۹۰/۴) میں ہے، اور کبھی یہ کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو اہل حق اور اہل باطل کی بالکل تمیز نہ تھی، اور نبی اور غیر نبی کسی کو اس پر قدرت نہیں، والعیاذ باللہ تعالی اس طرح کی ناپاک جرأت وجسارت کرتا ہے اور کبھی یہ زہرافشانی کرتا ہے کہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں جو گستاخی وبے ادبی کی ہے اس سلسلے میں حضور کو ذرا بھی علم نہ تھا کہ آپ پاک دامن وپارسا ہیں اور تہمت وافک سے بری ہیں یا نہیں۔

مقام حیرت یہ ہے کہ ابن القیم اور ابن تیمیہ ان دونوں نے لفظ عائشہ (۲۱۱۲ مرتبہ) ذکر کیا اور ابن تیمیہ نے اپنی پوری کتاب میں ایک بار بھی یہ نہ کہا سیدہ عائشہ، اور سیدہ خدیجہ، اور سیدہ فاطمہ، اس کے برخلاف سیدہ

مریم تین بار لکھا ہے۔

ایک سائل نے اس سے سیدہ نفیسہ کے بارے میں ''سیدہ نفیسہ'' کہہ کر سوال کیا (جیسا کہ مجموع الفتاوی (۲۷/۴۲۷) میں ہے) تو اس نے سیدہ کا لفظ حذف کر کے فوراً اس طرح جواب دیا ''جو کسی مردہ کو نفیسہ یا اس کے علاوہ کہے'' إلى آخر كلامه ۔

ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب ملاحظہ کیجئے وہ کس طرح اہل بیت کرام، اور ائمۂ اعلام وعلمائے عظام کی تنقیص شان کر رہا ہے، اور اس کے اصحاب کس طرح اس کی تعظیم کر رہے ہیں اس کی کچھ شہادتیں گذریں اور انشاء اللہ تعالی مزید آئیں گی۔

ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ کی شان میں ایک بار بھی ''صدیقۃ'' یا ''الصدیقۃ'' کا لفظ استعمال نہ کیا، اور سیدہ مریم کے بارے میں ۳۴ بار یہ لفظ استعمال کیا، خود اپنے کلام، اور قرآن کریم سے استشہاد میں بھی، ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ میں سے کسی کو ایک بار بھی طاہرہ نہ کہا، اور سیدہ مریم کو سات بار طاہرہ کہا حالاں کہ اللہ عزوجل نے حضرت مریم کی پارسائی و پاک دامنی جس طرح قرآن پاک میں بیان فرمائی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بھی عفت قرآن پاک کے سورہ نور میں بیان فرمائی اور مزید سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان اقدس میں یہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳: ۳۳]

اور اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

ایک اہم تنبیہ:

جو شخص ابن تیمیہ کی پاک دامنی اور پارسائی بیان کرے، اور اس کی صفائی پیش کرے اس سے اللہ کی پناہ، یہ دلیر و بے باک نبی پاک ﷺ کی عزت و آبرو اور آپ کے ناموس پاک پر حملہ کر رہا ہے تو اس کی اس کھلی گستاخی و

بے باکی کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی بارگاہ کو نبی پاک کی بارگاہ سے اہم جانے وہ زندیق ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں، اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا رد حسب ذیل طریقوں پر کرتے ہیں:

(۱) ابن تیمیہ نے یہ جملہ کہاں سے لیا:

"**وكان قد ارتاب في أمرها**" ترجمہ: حضور کو عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔

ناظرین کو شاید یہ گمان ہو کہ یہ جملہ صحیحین بخاری و مسلم میں ہے حالاں کہ یہ جملہ موضوع ہے جو اس کا خود ساختہ ہے، صحیحین میں یہ جملہ ہرگز نہیں، درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں افک کا وقعہ روایت کیا اور اس کی تخریج کی۔

امام احمد (۱۹۶/۶)، بخاری (۱۵۲۱/۴، ۱۷۲۹، ۱۷۷۷)، مسلم (۲۱۳۵/۴)، نسائی (۲۹۸/۵، ۳۶۷/۶)، طبری نے اپنی تفسیر میں (۹۲/۱۸)، عبدالرزاق (۴۱۷/۵)، ابویعلی (۳۳۰/۸، ۳۴۵)، اسحاق بن راھویہ (۵۲۲/۲)، ابن حبان (۱۹/۱۰) و (۱۸/۱۶)، نیز ابن حبان نے ثقات میں (۲۹۳/۱) طبرانی نے کبیر میں (۵۴/۲۳، ۵۹، ۶۴، ۶۸، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۸۶، ۹۱، ۱۰۰)، حاکم نے مستدرک میں (۲۷/۴)، بیہقی نے سنن کبری (۱۵۳/۱۰) اور شعب الایمان (۳۸۴/۵) میں۔

ان تمام کتابوں میں کہیں بھی ابن تیمیہ کا یہ خود ساختہ جملہ مذکور نہیں:

"**وكان قد ارتاب في أمرها**"

ترجمہ: حضور کو عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔

احادیث صحاح و سنن و مسانید و معاجم اور اس کے علاوہ کسی حدیث یا کسی اور کتاب میں کہیں یہ جملہ ہے؟

(۲) بلاشبہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"**فإن كنت بريئة فسيبرئك الله، وإن كنت ألممت بشيء فاستغفري الله وتوبي إليه، فإن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب الله عليه**".

ترجمہ:۔اگرتم پاک دامن وپارسا ہوتوعنقریب اللہ تمہاری پاک دامنی کوظاہرفرمائے گا، اوراگرتم کسی جرم اورگناہ میں گرفتارہوتواللہ سے استغفاروتوبہ کروکیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کااقرارکرکےاللہ سےتوبہ کرتاہےتواللہ اس کی توبہ قبول فرماتاہے۔

آخرابن تیمیہ نے اس ارشادسے یہ مفہوم کیسے اخذ کیاکہ حضورکوسیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔کیا ابن تیمیہ کویہ نہیں معلوم کہ آپ پہلے نبی ہیں پھرخاوندوشوہر،دراصل آپ سے آپ کی امت کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو کچھ اقدامات اورکاروائیاں ضروری ہوتی ہیں جس طرح قاضیان اسلام ضروری تحقیقات کرتے ہیں،آپ نے تعلیم امت کے لیے ایسافرمایاجیساکہ اللہ عزوجل نےعیسی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [المائدہ-۵:۱۱۶]

ترجمہ:۔اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹےعیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اورمیری ماں کودوخدابنالواللہ کےسوا۔

حالاں کہ عیسی علیہ السلام نے یہ نہ کہا۔

حضوراقدس ﷺ نے اپنی چہیتی شہزادی خاتون جنت سیدہ فاطمہ کے بارے میں اسی طرح فرمایا:"**لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها**" "اگرفاطمہ بنت محمد چوری کرتی تواس کاہاتھ کاٹاجاتا" جب کہ جگرگوشہ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ جوتمام جنتی عورتوں کی سردار،اورچارکامل ترین عورتوں میں سے ایک ہیں ان کے متعلق چوری کاتصوروخیال نہیں کیاجاسکتالیکن حضورنے بطورضرب المثل اس کواس لیے بیان فرمایاکہ حدود میں سفارش نہیں ہوتی۔

(۳) کیاابن تیمیہ کواس حدیث کے واضح نص میں نبی پاک ﷺ کا یہ ارشادپاک نظرنہ آیا:"**من يعذرني من رجل بلغ أذاه في أهلي، فوالله ما علمت على أهلي إلا خيرا**" "مجھےکون اس شخص سےمعذوررکھے گاجس نے مجھے میرے اہل کے بارے میں ایذادی،خداکی قسم میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف

خیر ہی جانا''۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس نے خود مناقضہ کیا، اور اپنی کتاب دقائق التفسیر (۴۵۷/۲) میں بخاری ومسلم کی وہ روایت ذکر کی جس میں یہ ہے: ''میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف خیر ہی جانا''۔

نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد سیدہ عائشہ کی عفت و پاک دامنی کے بارے میں حد درجہ واضح اور صریح ہے، ابن تیمیہ کی نظر سے یہ روایت گذری اور اسے نقل بھی کیا مگر اس کے باوجود ایسی گستاخی و بے ادبی پر آمادہ ہوا۔

اسی طرح ابن تیمیہ کے مقرب اور تلمیذ نجیب ابن القیم نے اس روایت کو زادالمعاد (۲۶۳/۳) میں ذکر کیا اور کہا: (آپ کو سیدہ عائشہ کے بارے میں کبھی سوئے ظن نہ ہوا، آپ عائشہ کے بارے میں اس ظن سے دور رہے، اسی لیے اہل افک سے جب آپ نے معذرت چاہی تو فرمایا: ''کون شخص مجھے اس شخص کے بارے میں معذور رکھے گا جس نے مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں ایذا دی، خدا کی قسم میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف خیر ہی جانا''۔اھ

(۴) کیا ابن تیمیہ نے علمائے اسلام کی تحریر فرمودہ کتب تفاسیر میں یہ نہ دیکھا کہ انھوں نے کہیں بھی یہ ذکر نہ فرمایا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، ابن تیمیہ سے پہلے اور اس کے بعد تفسیر کی کسی بھی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ہدایت پر استقامت بخشے، ذرا امام قرطبی کا کمال ادب دیکھیے آپ نے اپنی تفسیر (۲۰۲/۱۲) میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾

[النور-۱۲:۲۴]

ترجمہ:۔ کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومنوں پر ان کے ظن کے بارے میں عتاب فرمایا جس وقت

اصحاب افک نے طرح طرح کی نازیبا باتیں کہیں، اور بہتان باندھا۔ابن زید نے کہا: مومنوں کا یہ خیال وظن تھا کہ مومن اپنی ماں کے ساتھ بدکاری نہ کرے گا۔مہدوی نے کہا: "لولا" "ھلّا" کے معنی میں ہے یعنی اس کا معنی ہے: "کیوں نہیں"۔اور ایک قول یہ ہے کہ:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مومن مرد وعورت میں جو لوگ فضیلت وبزرگی والے ہیں انہیں اس معاملہ کو اپنے اوپر قیاس کرنا چاہئے اگر یہ معاملہ ان سے بعید ہے تو عائشہ اور صفوان سے بعید تر ہے۔ایک روایت میں ہے کہ یہ سیدنا ابوایوب انصاری اور آپ کی بیوی کی بلند وصحیح فکر ہے، دراصل اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوایوب اپنی بیوی کے پاس پہنچے تو آپ کی بیوی نے آپ سے کہا: کیا آپ نے کچھ سنا فرمایا ہاں وہ سراسر جھوٹ ہے، اے ام ایوب! کیا تم سے ایسی حرکت سرزد ہوسکتی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں خدا کی قسم، آپ نے فرمایا: خدا کی قسم، عائشہ تو تم سے بھی افضل ہیں تو ام ایوب نے کہا جی ہاں۔

تو اس طرح کے ظن پر اللہ تعالی نے مومنوں پر عتاب فرمایا کیوں کہ تمام مومنوں نے ایسا گمان نہ کیا۔

آٹھواں: اللہ تعالی نے "بأنفسهم"، فرمایا اور شیخ نحاس نے فرمایا: بأنفسهم کا معنی "بإخوانهم" ہے یعنی "اپنے بھائیوں پر" تو اس آیت میں اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں پر یہ واجب فرمایا کہ جب وہ کسی سے کسی پر تہمت، اور اس کا ذکر قبیح سنیں تو انہیں اس کا انکار اور اس کی تکذیب کرنی چاہئے تو جن لوگوں نے ایسا نہ کیا اور اس افک اور بہتان وتہمت کو نقل کیا اللہ عز وجل نے ان پر وعید فرمائی۔

امام قرطبی نے (۱۲/۲۰۵،۲۰۶) یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُم مَّا يَكُوْنُ لَنَاأَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ o يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ o وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۶،۱۷،۱۸]

ترجمہ:۔اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے۔یہ بڑا بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان

رکھتے ہو۔اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

یہ آیت کریمہ تمام مومنوں کے عتاب میں اتری جس کا معنی یہ ہے کہ تمام مومنوں کو تو یہ چاہئے تھا کہ اس تہمت و بہتان کا انکار کرتے، اور اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے، اور کوئی کسی سے اسے نقل وحکایت نہ کرتا، اور اللہ عزوجل کی پاکی بیان کرتا اور یہ کہتا کہ حضور اقدس ﷺ کی بیوی سیدہ عائشہ کا دامن عفت پاک وصاف ہے اور آپ پر یہ سراسر بہتان ہے کیوں کہ بہتان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ انسان میں جو وصف نہ ہوا سے اس کی طرف منسوب کیا جائے اور غیبت یہ ہے کہ انسان کی کوئی صفت اس کے پس پشت ذکر کی جائے یہ معنی نبی پاک ﷺ کی صحیح حدیث میں مذکور ہے، پھر اللہ عزوجل نے انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ مومنوں کو اسی حالت پر رہنا چاہئے اور تہمت و بہتان کا انکار کرنا چاہئے اور عفت و پاک دامنی کا اذعان و یقین رکھنا چاہئے۔

پندرہواں: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:﴿إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ اگر ایمان رکھتے ہو، اس میں سوئے ظن سے روکا گیا اور حسن ظن کی تاکید فرمائی گئی جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ کو ایسا ایسا کرنا چاہئے اگر مرد ہیں۔

سولہواں: اللہ تعالی نے فرمایا:﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ أَبَدًا ﴾ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا۔[النور-۲۴:۱۷]

صرف سیدہ عائشہ کے بارے میں فرمایا اس لیے کہ ''مثلہ'' (یعنی ایسی بات کہنا) اس کی کوئی نظیر ہی نہیں مگر خاص وہی جس کے بارے میں بات کی گئی، یا جسے نبی پاک ﷺ کے ازواج کا مقام ومرتبہ حاصل ہو اس لیے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل کی عزت وآبرو پر حملہ کر کے رسول پاک ﷺ کو ایذا دینا ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔

سترہواں: ہشام بن عمار نے کہا: میں نے امام مالک سے یہ فرماتے سنا: جو ابوبکر وعمر کو برا بھلا کہے اس کی تادیب کی جائے، اور جو عائشہ کو برا بھلا کہے اسے قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ أَبَدًا إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ [النور-۲۴:۱۷]

ترجمہ:۔اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو عائشہ کو اس معاملہ میں برا بھلا کہے، اور آپ پر تہمت لگائے اس نے قرآن کے خلاف کیا، اور قرآن کی مخالفت کرنے والا کافر ہے۔

ابن العربی نے کہا: اصحاب شافعی نے کہا: جو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو برا بھلا کہے اس کی تادیب کا حکم ہے جیسا کہ تمام مومنوں کے بارے میں یہی تادیب کا حکم ہے اگر کوئی شخص ان کی بدگوئی و برائی کرے، اور اللہ تعالی کا ارشاد: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ عائشہ کے بارے میں نہیں اس لیے کہ یہ کفر ہے، اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لايؤمن من لايأمن جاره بوائقه" "وہ شخص مومن نہیں جس کے شر سے اس کا ہمسایہ مامون نہ ہو" اگر عائشہ کو برا بھلا کہنے والے کا ایمان حقیقۃً مسلوب ہو تو حضور کے ارشاد:

"لايزني الزاني وهو مومن" ترجمہ:۔زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا۔

میں حقیقت ایمان کا سلب مراد ہوگا۔ہم کہتے ہیں، ایسا نہیں جیسا کہ اصحاب شافعی نے گمان کیا کیوں کہ اہل افک نے عائشہ مطہرہ پر زنا کی تہمت لگائی، اور اللہ عزوجل نے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی تو اللہ عزوجل نے جس تہمت و بہتان سے آپ کی پاک دامنی ظاہر فرمادی اگر کوئی شخص آپ کی طرف اس تہمت و بہتان کی نسبت کرے اور آپ کو برا بھلا کہے تو اللہ عزوجل کی تکذیب کرتا ہے، اور رب عزوجل کی تکذیب کرنے والا کافر ہے، امام مالک کے گزشتہ ارشاد کا معنی اور اس ارشاد کی بنیاد دراصل یہی ہے اور ارباب بصیرت کے لیے یہ ایک روشن راہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص عائشہ کی گستاخی ان چیزوں سے نہ کرے جن سے اللہ عزوجل نے آپ کی عفت و پارسائی بیان فرمائی تو اس کی سزا تادیب ہے۔اھ

میں کہتا ہوں: اللہ آپ پر رحم فرمائے۔اللہ عزوجل نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں سوئے ظن رکھنے والوں کی کیسی مذمت فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور-۲۴:۱۴]

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا و آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے

اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اور فرمایا:

﴿وَتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًاوَهُوَعِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ o وَ لَوۡلَا إِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاأَنۡ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحَانَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۵، ۱۶]

ترجمہ:۔اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَوۡلَا إِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِأَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا وَقَالُوۡا هٰذَا إِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ﴾ [النور-۲۴:۱۲]

ترجمہ:۔کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مرد وعورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔

رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بارے میں بھلا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ ایسے گرداب (شک) میں پڑیں گے جس میں پڑنے والوں کی اللہ عزوجل نے مذمت ووعید فرمائی۔

آپ قرآن کریم کی کوئی بھی تفسیر مطالعہ کریں کہیں بھی یہ نہ ملے گا کہ رسول پاک کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، اس سے صاف واضح ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ ادعائے باطل ہے، مزید تحقیق کے لیے درج ذیل کتابوں کی طرف مراجعت کریں حق ان شاء اللہ تعالی واضح ہو جائے گا۔

تفسیر طبری (۱۸/۹۹)، احکام القرآن للجصاص (۵/۱۶۳) تفسیر القرطبی (۱۲/۲۰۲۔۲۰۶) زاد المسیر لابن الجوزی (۶/۲۰) تفسیر ابن کثیر (۳/۲۷۴، ۲۷۵) الدر المنثور للسیوطی (۶/۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۱) الإتقان (۱/۱۰۲) فتح القدیر للشوکانی (۴/۱۴) تفسیر النسفی (۳/۱۳۷، ۱۳۹) وغیرہ کتب تفسیر۔

استفادہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری (۸/۴۷۵، ۴۷۶) مطالعہ کیجئے، اس میں آپ نے

بعض کمزور ایمان اور شک کرنے والوں کا رد فرمایا جنھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس کلام کا مقصد نہ سمجھا جو آپ نے اپنے والد ابوبکر سے کہا، آپ نے اپنے والد سے یہ عرض کیا کہ: آپ رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں جواب دیجئے جو میرے متعلق کہی جا رہی ہے ابوبکر صدیق نے اپنی دختر نیک اختر سے فرمایا: خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میں حضور کو کیا جواب دوں۔ ابن حجر نے اس بارے میں فرمایا:

''ایک قول یہ ہے کہ: اس مقام پر سوال اگر چہ اس باطنی امر کا ہے جس کی اطلاع کسی کو نہیں پھر بھی حضرت عائشہ نے اپنے والد سے اس بات کی طرف اشارہ کے لیے کہا کہ مجھ سے باطن میں کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد نہ ہوئی جو اس ظاہر کے خلاف ہو جس کا آپ کو علم ہے تو گویا آپ نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ جس طرح چاہیں میری پاک دامنی بیان فرمائیں، آپ جو کچھ کہیں گے حضور کو آپ کے صدق پر مکمل وثوق واعتماد رہے گا، ابوبکر نے عائشہ کو صرف یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم میں کیا عرض کروں، چوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی کثرت سے اتباع فرماتے تھے اس لیے ایسا جواب ارشاد فرمایا جس کا معنی سوال کے مطابق تھا، آپ کو اگر چہ اپنی لخت دلبند کی پاک دامنی پر پورا اعتماد ویقین تھا مگر آپ اپنی شہزادی کی صفائی اور پارسائی وپاک دامنی کیسے بیان کرتے اسی طرح آپ کی ماں نے بھی جواب میں یہی کہا مجھے نہیں معلوم''۔

اور ہشام بن عروہ کی آنے والی روایت میں یہ ہے کہ: ابوبکر نے فرمایا: میں کیا کہوں، اور ابواویس کی روایت میں ہے: کہ میں نے اپنے والد سے کہا آپ جواب دیجئے، تو آپ نے فرمایا میں جواب نہیں دیتا اس لیے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللہ کے رسول اور صاحب وحی ہیں۔ اھ

(۵) کیا ابن تیمیہ کو بخاری (۱۴۱۵/۳، ۳۹۴۳، ۵۱۳۴، ۷۰۹۷، ۷۰۹۸) ومسلم (۱۸۸۹/۴) وغیرہما کی روایت نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ عائشہ سے فرمایا:

''أریتک في المنام ثلاث لیال جاء نی بک الملک في سرقة من

حـریـر فیقول هٰذه امرأتک فأکشف عن وجهک فإذا أنت هي، فأقول إن یک هٰذا من عند الله یمضه“

ترجمہ:۔”تین راتوں سے میں تمہیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتہ ریشم کے ایک ٹکڑے میں تمہیں میرے پاس لے کرآتا اور کہتا ہے کہ یہ آپ کی شریک حیات ہیں، آپ ان کا چہرہ کھول کردیکھیے دیکھا تو اچانک تمہیں تھیں تو میں نے کہا اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کا فیصلہ فرمائے گا“۔

یہ فرشتہ جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۲۲/۱) کے مقدمہ میں ذکر کیا، اور یہ امر یقینی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نکاح سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا، علما اور محدثین نے سیدہ عائشہ کے فضائل ومناقب میں اسے ذکر کیا۔

تنبیه:

ابن تیمیہ کے تلمیذ نجیب ابن القیم نے توحید کی حمایت وحفاظت کا دعوی کر کے (ان کی توحید کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے) حضور اقدس سید عالم ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے، توحید باری تعالی اس بات کا مقتضی نہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان میں بے ادبی وگستاخی کی جائے جیسا کہ خوارج اور اکثر گمراہ فرقے کرتے ہیں ان کا مقصود توحید کی حفاظت کا سہارا لے کر بارگاہ رسالت میں گستاخی وبے ادبی کرنا ہے، وبس۔

میں کہتا ہوں: ابن القیم نے یہ دعوی کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق کی بیٹی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی

عبودیت وبندگی اسی وقت کامل ہوئی جب انھوں نے نبی ﷺ کی مدد، یا آپ کے وسیلہ سے کشائش غم کی امید منقطع کر لی، اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو اللہ تعالی ان کی براءت کا اعلان نہ فرماتا، ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد (۲۶۲/۳) میں یہ دعوی کیا کہ واقعہ افک سے یہی مستفاد ہوتا ہے جیسا کہ کہتا ہے:

”صدیقہ اور ان کے والدین کا مقصود عبودیت وبندگی کامل ہوئی، اور اللہ کی نعمت ان پر تام

ہوئی، اور صدیقہ اوران کے والدین کی رغبت وخواہش خوب رہی، اوران کا فاقہ اپنی شدت کو پہنچ گیا، افتقار واحتیاج اللہ ہی سے رکھی، اور فروتنی وعاجزی اسی سے کی، حسن ظن اسی کے ساتھ رکھا اور امید بھی اسی سے قائم رکھی۔

اور عائشہ نے اپنی امید تمام مخلوق یعنی نبی ﷺ سے منقطع کر لی"۔

ذرا ابن القیم کی ذکر کردہ دلیل دیکھیں:

"عائشہ کو یہ امید نہ تھی کہ کسی مخلوق یعنی نبی ﷺ کے ہاتھ انہیں مدد ملے گی، اوران کا غم آپ سے دور ہوگا"۔

ابن القیم کی دلیل مزید دیکھیے وہ ذکر کرتا ہے:

"اسی لیے جب عائشہ صدیقہ سے ان کے والدین نے کہا حضور کی خدمت میں جاؤ اللہ نے تم پر تمہاری برائت وعفت نازل فرمادی تو صدیقہ نے اس مقام پر اللہ کا حق پورا کیا، اور یہ کہا: میں حضور کی خدمت میں نہ جاؤں گی، اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کروں گی، اللہ ہی نے میری براءت وعفت اتاری ہے" اھ

میں کہتا ہوں: سیدہ عائشہ اس طرح اللہ کی قسم کھاتی تھیں محمد کے رب کی قسم، آپ جب غصہ وناراض ہوتیں تو یوں قسم کھاتیں ابراہیم کے رب کی قسم، تو عائشہ کا یہ کلام: میں حضور کے پاس نہ جاؤں گی اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کروں گی اللہ ہی نے میری براءت وعفت اتاری اسی باب سے ہے۔

اس کلام کا وہ معنی نہیں جو ابن القیم کہہ رہا ہے، ورنہ عائشہ صدیقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی بڑھ کر با کمال ہوں گی حالاں کہ کوئی اس کا قائل نہیں۔

پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ خوب معلوم تھا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾ [التوبہ-۹:۵۹]

ترجمہ:۔اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔

اوراللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَمَا نَقَمُوْا إِلَّآ أَنْ أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ [التوبہ-۹:۷۴]

ترجمہ:۔اورانہیں کیا برالگا یہی نہ کہ اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔

اوراللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ [النساء-۴:۱۵۰]

ترجمہ:۔اور چاہتے ہیں کہ اللہ اوراس کے رسولوں کوجدا کردیں۔

سیدہ عائشہ کوحضوراقدس سیدعالم ﷺ کا یہ ارشاد پاک خوب خوب معلوم تھا:

"أشكركم لله عزوجل أشكركم للناس" (۱) تم میں اللہ عزوجل کا زیادہ شکرگذاروہی بندہ ہے جوانسانوں کا زیادہ شکرگذار ہے۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن قیم کیوں ایسی جسارتیں کررہاہے، اورگوناگوں اوہام وخیالات کوراہ دے رہاہے۔اس کے ازعام واوہام سے تو یہی پتہ چلتاہے کہ وہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی فکروں سے زیادہ متاثرنظرآتاہے۔

(۱) اس حدیث کوطبرانی نے کبیر(۱/۲۳۶)اورضیانے المختارہ(۴/۳۰۷)میں روایت کیا،اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۸/۱۸۰) میں کہتاہوں:"اس کواحمداورطبرانی نے روایت کیا،اوراحمد کے رجال ثقہ ہیں"اورحدیث کے دوسرے طرق بھی ہیں جن کے الفاظ قریب قریب ہیں ملاحظہ ہو:مسندامام احمد(۲/۲۵۸)اورابن حبان نے اپنی صحیح (۸/۱۹۸)میں اورضیانے ذکرکیا،ھیثمی نے مجمع الزوائد(۵/۲۱۷،۲۱۸)میں کہا:اس کوعبداللہ بن احمداور بزاراورطبرانی نے روایت کیا،اوران کے راوی ثقہ ہیں،اوراس کوترمذی نے روایت کیا،اورکہا:حسن غریب ہے(۴/۳۸۰)اورنسائی(۶/۵۳)اور بزار(۷/۵۴) اورابن حبان نے اس حدیث کوصحیح کہا(۸/۲۰۲)اورضیامقدسی نے المختارہ(۴/۱۱۰)میں روایت کیا۔

(۱۹)ابن تیمیہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دین کے بارے میں طعن کرتا ہے،اور آپ پر یہ تہمت لگاتا ہے کہ آپ کی ہجرت خالص اللہ ورسول کے لیے نہ تھی بلکہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے لیے تھی۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۵۵/۴) میں اپنے کلام کے دوران یہ کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ ہجرت کر کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کریں جیسا کہ منہاج میں کہتا ہے:

''اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر نے انہیں (فاطمہ کو) ایذا دی تو کسی ذاتی مقصد کے تحت ایذا نہ دی بلکہ اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت، اور مستحق تک اس کا حق پہنچانے کے لیے ایسا کیا،اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کا مقصود تو ان (فاطمہ) سے نکاح کرنا تھا تو ابوبکر کے برخلاف ان کی ایذا کا ایک مقصد تھا جس سے یہ معلوم ہوا کہ علی کی بہ نسبت فاطمہ کی ایذا پر ابوبکر کی مذمت حد درجہ بعید اور دور رفتہ ہے، ابوبکر کا مقصود تو صرف اللہ ورسول کی ایسی اطاعت تھی جس میں دوسرے کا کوئی حصہ نہیں برخلاف علی کہ ان کا ایک حصہ ہے کہ فاطمہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لائیں،ابوبکر تو ان مہاجرین کے زمرہ میں ہیں جنھوں نے خالص اللہ ورسول کے لیے ہجرت کی، کہاں آپ، اور کہاں وہ جس کا مقصود کسی عورت سے نکاح کرنا ہے؟ دونوں میں کوئی مماثلت ومشابہت نہیں''اھ۔

میں کہتا ہوں: حسبنا الله و نعم الوكيل.

بخاری (۳/۱) اور مسلم (۱۵۱۵/۳) نے سیدنا عمر بن خطاب سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله ، فهجرته إلى الله و رسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه"

ترجمہ:۔اعمال نیتوں سے ہیں ہر شخص کے لیے وہی ہے جو نیت کرے، جس کی ہجرت اللہ

ورسول کی طرف ہوتو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہوگی ،اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو اس کی ہجرت اس کی طرف ہوگی جس کے لیے ہجرت کی ۔

ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ اسلام کے اہم اصول نیت ہی سے محروم رہے جس کے بغیر کوئی چیز صحیح ودرست نہیں ہوتی ۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ حدیث علم کا تہائی حصہ ہے اور یہ فقہ کے ۷۰ رستر دروازوں میں داخل ہے۔اور امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اسلام کے اصول تین حدیثوں پر قائم ہیں:

(۱) عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: ''**إنما الأعمال بالنيات**'' ''یعنی عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

(۲) اور عائشہ کی حدیث:

''**من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ**''

ترجمہ :۔جو شخص ہمارے اس دین کے معاملہ میں وہ چیز ایجاد کرے جو اس امر دین سے نہیں تو وہ چیز مردود ہے''

(۳) اور نعمان بن بشیر کی حدیث:

''**الحلال بَيِّنٌ والحرام بَيِّنٌ**'' ترجمہ:۔حلال وحرام روشن وواضح ہیں۔

ذرا قلم کی سرکشی دیکھیے کہ خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ حضرت علی کو ام قیس کی خاطر ہجرت کرنے والا بنادیا۔

حافظ نے فتح الباری (۱/۱۰) میں کہا: ''مہاجر ام قیس کا واقعہ سعید بن منصور نے روایت کیا وہ فرماتے ہیں ہم کو ابو معاویہ نے بروایت اعمش خبر دی کہ شقیق نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی انھوں نے فرمایا: جس نے کسی چیز کی خواہش لے کر ہجرت کی تو اس کے لیے وہی ہے۔ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی جس عورت کا نام ام قیس ہے تو اس کو مہاجر ام قیس کہا جانے لگا۔

طبرانی نے بروایت اعمش دوسری سندوں سے ان الفاظ میں روایت کی:

''ہمارے درمیان ایک شخص نے ام قیس نام کی عورت کو نکاح کا پیغام دیا، اس عورت نے ہجرت کے بغیر نکاح سے انکار کیا تو اس شخص نے ہجرت کر کے اس عورت سے نکاح کیا تو ہم لوگوں نے اس آدمی کا نام مہاجر ام قیس رکھ دیا۔ شیخین کی شرط پر اس حدیث کی اسناد صحیح ہے'' الخ

بہر حال اس مسئلہ میں ہم وہی کہتے ہیں جو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''من اٰذی علیا فقد اٰذاني'' ''جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے تکلیف دی''۔(۱)

اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں''۔(۲)

ان ارشادات عالیہ کی روشنی میں میرا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے زمانہ کے علما نے اسے منافق

---

(۱) ''مـن اٰذی عـلیـا'' ''جس نے علی کو ایذا دی اس کا قصہ عمرو بن شاش اسلمی سے مروی ہے۔۔۔ آپ اصحاب حدیبیہ سے تھے، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو خدا کی قسم تو نے مجھے ایذا دی'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی تکلیف وایذا سے اللہ کی پناہ، آپ نے فرمایا کیوں نہیں ''جس نے علی کو ایذا دی مجھے تکلیف وایذا دی''، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۲۹/۹) میں کہا: احمد وطبرانی نے اسے مختصراً روایت کیا اور بزار نے اس سے بھی مختصر، اور احمد کے راوی ثقہ ہیں۔

اور ہیثمی نے بھی سعد بن ابی وقاص سے یہ روایت ذکر کی وہ فرماتے ہیں میں مسجد میں بیٹھا تھا، میرے ساتھ دو آدمی تھے ہمارا علی سے کچھ معاملہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ غصہ وغضب میں تشریف لائے آپ کے روئے اقدس پر غضب کے آثار نمایاں تھے، میں نے آپ کے جلال وغضب سے اللہ کی پناہ لی حضور نے فرمایا: ''میرا اور تمہارا کیا معاملہ ہے جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے تکلیف وایذا دی''، ہیثمی نے کہا: ابو یعلی اور بزار نے مختصراً اس حدیث کو روایت کیا، اور ابو یعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ محمود بن خداش اور رفان میں کچھ اختلاف ہے مگر وہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔

(۲) ''ماتریدون من علي'' ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی حافظ نے الاصابۃ (۵۶۹/۴) میں کہا: اس کی سند قوی ہے۔

کہا، ان حضرات کے اس حکم کا ایک سبب ابن تیمیہ کا یہ قول ہے جسے حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنۃ'' میں ذکر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: ''**لا یبغضک إلا منافق**'' ''تم سے منافق ہی بغض رکھے گا''۔

(۲۰) خلیفہ راشد سیدنا علی ابن ابو طالب اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالی عنہم پر ابن تیمیہ کا افترا

ابن تیمیہ نے رسول پاک ﷺ کے اصحاب کرام کے درمیان تقابل کیا اور اپنی کتاب منہاج (۱۳۷/۷، ۱۳۸) میں کہا:

''علی کا معاملہ ایسا نہ تھا کیوں کہ اکثر صحابہ و تابعین ان سے بغض رکھتے، اور انہیں نازیبا کلمات سے یاد کرتے اور ان سے جنگ و قتال کرتے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی گستاخی اور آپ کی اہانت شان ہی محبوب ہے اسی لیے یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اکثر صحابہ و تابعین آپ سے بغض رکھتے اور آپ کو نازیبا کلمات سے یاد کرتے۔

ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام علی سے محبت نہ کریں حالاں کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ''تم سے صرف مومن محبت رکھے گا، اور منافق ہی تم سے دشمنی کرے گا۔''(۱)

اور نبی پاک ﷺ نے عمرو بن شاس سے فرمایا ''خدا کی قسم تو نے مجھے تکلیف دی'' عمرو کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کی تکلیف سے اللہ کی پناہ، آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔''(۲)

---

(۱) مسلم (۸۶/۱)، احمد (۹۵/۱)، ترمذی (۶۴۳/۵)، نسائی (۱۳۷/۵)، ابن ماجہ (۴۲/۱) اور ابن حبان (۳۶۷/۱۵) نے یہ حدیث تخریج کی جیسا کہ ابن ابو شیبہ نے اس کو روایت کیا (۳۷۲/۶) اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۵۹۸/۲) میں اور الاستیعاب (۱۱۰۰/۳) میں صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ''تم سے صرف مومن محبت رکھے گا اور تم سے صرف منافق دشمنی رکھے گا''۔

(۲) اس حدیث کی تخریج ان محدثین نے اپنی کتابوں میں کی امام احمد (۴۸۳/۳)، ابن ابو شیبہ (۳۷۱/۶) اور حاکم اور انھوں نے اس کو صحیح کہا (۱۳۱/۳) ذہبی نے ان کی موافقت کی، اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۳۶۵/۱۵) ھیثمی نے مجمع

اور حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: "من سبَّ عليا فقد سبني."

"جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔" (۱)

اور یہ بھی حضور اقدس نے فرمایا:

"جس نے علی سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی، اور جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی"(۲)

بھلا صحابہ کرام حضرت علی سے دشمنی کیوں رکھیں گے جب کہ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے فرمایا: "أنت مني و أنا منك" "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"(۳)

صحیحین میں ہے کہ ان حضرات نے خود یہ روایت کی کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے فرمایا:

"کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں مجھ سے وہ مقام حاصل ہو جو ہارون کو (ان کے بھائی) موسی سے ملا مگر

الزوائد (۱۲۹/۹) میں کہا: احمد کے رجال ثقہ ہیں، اور ابویعلی (۱۰۹/۲) اور بزار (۳۶۶/۳) نے روایت کیا، ہیثمی نے کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں محمود بن خداش اور قنان دونوں ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: اور ضیا نے المختارہ (۲۶۷/۳) میں اس کو صحیح کہا اور فیض القدیر (۱۸/۶، ۱۹) ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اس کو احمد (۳۲۳/۶) اور نسائی (۱۳۳/۵) اور حاکم نے تخریج کی اور اس کو صحیح کہا (۱۳۰/۳) عبداللہ جدلی نے ام سلمہ سے یہ حدیث روایت کی، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا (۱۳۰/۹) اس کو احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ابوعبداللہ جدلی کے رجال ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور اس کو نسائی نے سنن کبری (۱۳۳/۵) میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کی، ہیثمی نے مجمع میں (۱۳۰/۹) کہا: اس کو ابویعلی نے روایت کی اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) اس کو حاکم نے تخریج کیا اور اس کو صحیح کہا (۱۴۱/۳) اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، اور طبرانی نے معجم کبیر میں (۳۸۰/۲۳) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۲/۹) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کی اور اس کی اسناد حسن ہے اور ایسا ہی مناوی نے فیض القدیر (۳۲/۶، ۳۳) میں کہا۔

(۳) بخاری (۹۶۰/۲-۱۳۵۷/۳) نے اسے تخریج کیا۔

میرے بعد کوئی نبوت نہیں"(۱) خود انہیں صحابہ نے حضور سے یہ روایت کی کہ آپ نے علی کے متعلق فرمایا:

"من كنت مولاه فعلي مولاه" "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔"(۲)

صحابہ کی مقدس جماعت حضرت علی سے کیوں دشمنی کرے گی اور کیوں انہیں برا بھلا کہے گی جب کہ بخاری ومسلم وغیرہما میں ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا:

"میں کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ اللہ خیبر فتح فرمائے گا وہ اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس سے محبت فرماتے ہیں۔(۳) تو لوگوں نے اس فکر میں رات گذاردی کہ کل کسے پرچم عطا کیا جائے گا، صبح کے وقت ہر شخص بارگاہ رسالت میں یہ امید لے کر حاضر ہوا کہ اسے جھنڈا عطا کیا جائے گا، سرکار نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا انہیں آشوب چشم ہے، سرکار نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا جس سے ان کی آنکھیں شفایاب ہوگئیں ایسا لگتا تھا کہ اس میں کچھ ہوا ہی نہیں۔ مسلم نے یہ اضافہ فرمایا کہ عمر نے فرمایا: "ما أحببت الإمارة إلا يومئذ" "میں نے اسی دن امارت کو محبوب جانا"۔

نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کے بعد صحابہ کرام حضرت علی سے کیسے بغض رکھیں گے اور کیسے انہیں برا بھلا کہیں گے، نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ میں علی ابن ابو طالب اور بعض صحابہ کے درمیان جو مشاجرت ومخالفت ہوئی سرکار نے سخت الفاظ میں اس سے منع فرمایا جیسا کہ گزرا۔

رہا بعض صحابہ کا علی سے قتال تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سیدہ عائشہ کو اس پر سخت ندامت ہوئی جب انھوں نے سنا کہ حوأب کے کتے ان پر بھونک رہے ہیں، اس طرح سے اس مقام پر بہت سے آثار ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ سیدنا علی نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہم کو حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد پاک یاد دلایا نبی پاک

---

(۱) بخاری (۱۳۵۹/۳، ۱۶۰۲/۴) امام مسلم (۱۸۷۰/۴، ۱۸۷۱) اور دوسرے محدثین نے سعد بن ابی وقاص سے یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) یہ حدیث متواتر ہے، ہم نے علی کی اخوت کے مسئلہ میں اس کے بعض طرق اور اس کی تصحیح کرنے والے محدثین کا ذکر کر دیا ہے۔

(۳) بخاری (۱۰۹۶/۳) ومسلم (۱۸۷۱/۴) نے صحیحین میں اور دیگر محدثین نے یہ حدیث تخریج کی۔

نے زبیر سے فرمایا: ''أتحبه فإنک تقاتله و أنت له ظالم'' ''کیا تم ان سے محبت کرتے ہو اور خود ہی ان پر ظلم ڈھا کر ان سے قتال کرتے ہو''۔

علاوہ ازیں اس مقام پر دوسرے آثار ہیں جن سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ زبیر اور طلحہ نے جمل کے معرکہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو ان کی واپسی پر ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

رہ گیا بعض ائمہ کا بعض سے قتال کا معاملہ تو ان کے باہمی آداب بہت معروف و مشہور ہیں، دراصل ان کے یہ باہمی آداب نبی ﷺ کی اعلی تربیت کا فیض ہیں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَـٰبِلِيْنَ﴾ [الحجر-۱۵:۴۷]

ترجمہ:۔اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لیے آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو روشن تفسیر فرمائی ہے اس سے قلب کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں موجود تابعین نے علی سے بغض رکھا اور آپ کو برا بھلا کہا یہ تابعین کون ہیں؟ ابن تیمیہ پر لازم ہے کہ ہمیں ان کے نام بتائے تحقیق یہ ہے کہ وہ تابعین نہ تھے بلکہ خوارج تھے، کیا خوارج بھی ابن تیمیہ کے اسلاف ہیں؟

(۲۱) ابن تیمیہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خصوصیتوں کا سلب وانکار، سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں ابن تیمیہ کے مسلسل مغالطے

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۳۵۹-۳۶۱) میں کہا:

''تیسرا یہ کہ علی کی مواخات کی ساری حدیثیں موضوع ہیں، نبی ﷺ نے کسی سے مواخات کا رشتہ قائم نہ فرمایا نہ باہم مہاجرین کے درمیان، اور نہ ابوبکر وعمر کے درمیان، اور نہ باہم انصار کے درمیان، ہاں مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی جب آپ پہلی بار مدینہ آئے''۔

اور مجموع الفتاوی (۴/۴۱۷، ۴۱۸) میں کہا:

''حضور کا یہ کہنا: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں۔ الخ[1]

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ حدیث کی ان اہم کتابوں میں نہیں جنہیں امہات کتب الاحادیث

(۱) امام احمد (۱/۸۴، ۱۱۹)، ابن حبان (۵/۳۷۶)، طبرانی نے صغیر میں (۱/۱۱۹)، بزار (۲/۱۳۳) اور ضیاء نے المختارہ میں (۲/۱۰۶) علی بن ابو طالب سے یہ حدیث تخریج کی۔ اور ترمذی (۵/۶۳۳)، نسائی (۵/۴۵، ۱۳۰)، طبرانی نے کبیر میں (۵/۱۶۶) اور حاکم نے (۳/۱۱۸) زید بن ارقم سے تخریج کی۔ اور نسائی (۵/۴۵)، ابن ابو شیبہ (۶/۳۷۴)، ابن ابوعاصم نے الآحاد والمثانی میں (۴/۳۲۵)، طبرانی نے اوسط میں (۱/۱۱۲) اور حاکم نے (۳/۱۱۹) بریدہ سے اسے تخریج کیا۔ اور نسائی نے عمران بن حصین سے (۵/۴۵) تخریج کی۔ اور نسائی (۵/۴۵) اور ابن ابوشیبہ (۶/۳۶۶) نے حبشی ابن جنادہ سلولی سے تخریج کی۔ اور طبرانی نے کبیر میں حذیفہ بن اسید غفاری سے (۳/۱۸۰) اور ابویعلی (۱۱/۳۰۷) اور طبرانی نے اوسط میں (۲/۲۴) ابوہریرہ سے۔ ابن ماجہ (۱/۴۵) اور حاکم (۳/۱۲۶) نے سعد سے۔ اور حاکم نے ابن عباس سے (۳/۱۴۳) اور حاکم (۳/۴۱۹) نے طلحہ بن عبداللہ سے۔ اور ابن ماجہ (۱/۴۳) نے براء سے روایت کیا۔

کہا جاتا ہے اور ترمذی میں بس اتنا ہے: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' رہ گیا اضافہ تو حدیث میں نہیں، امام احمد سے اس زیادتی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ کوفیوں کا اضافہ ہے اور بلاشبہ یہ دروغ ہے۔ پھر کہا: اور ایسے قول: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں''۔

یہ اسلام کے اصول کے خلاف ہے کیوں کہ قرآن نے یہ بیان فرمایا کہ تمام مومنین بھائی ہیں اگر چہ ان میں باہم قتال و بغاوت ہو، اور اس قول: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' کے بارے میں بعض محدثین جیسے بخاری وغیرہ نے طعن کیا اور بعض نے اس کو حسن کہا۔

اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۵۵/۷) میں اس کی تاکید میں اپنا یہ کلام ذکر کیا:

پانچویں وجہ: تمام مشہور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ: ''اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں، اور اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں، اور اس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے، اور اس کی مدد چھوڑ دے جو علی کی مدد چھوڑے'' کاذب ہے۔

میں کہتا ہوں:

(۱) مواخات کے متعلق ابن تیمیہ کی دریدہ دہنی کے جواب میں بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام بخاری

اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۶۰۴/۲، ۶۰۷) میں یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے جس میں ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، سعید، حبشی بن جنادہ، علی بن ابوطالب، زید بن ارقم، اور براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں۔

حدیث کی بعض روایتوں کے متعلق حافظ ھیثمی کا قول ہم نقل کریں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ابن تیمیہ اپنی رائے کی نصرت و حمایت اور سیدنا علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ کی خصوصیتوں کے انکار میں کس قدر تعصب و عناد رکھتا ہے۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰۳/۹۔۱۰۸) میں کہا: اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلي مولاہ'' ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں''۔

(۱۳۵۹/۳)، (۱۶۰۲/۴) ومسلم (۱۸۷۰/۴، ۱۸۷۱) نے صحیحین وغیرہما میں سعد بن ابی وقاص سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا: "أنت مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي" "میرے نزدیک تمہارا مقام وہی ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ملا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی

ابوایوب انصاری نے کہا: صحابہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" ابوایوب انصاری ہمارے درمیان تھے انھوں نے اپنا چہرہ کھول کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" امام احمد کے رجال ثقہ ہیں۔ اور سعید بن وہب سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ: علی نے لوگوں کو قسم دی تو نبی پاک ﷺ کے پانچ یا چھ اصحاب نے کھڑے ہوکر یہ شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اور عمرو بن ذی مر اور سعید بن وہب اور زید بن یثیع سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: ہم نے علی سے یہ فرماتے سنا میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا جب آپ کھڑے ہوئے تو تیرہ حضرات نے کھڑے ہوکر شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں" صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں یہ اس کے مولی ہیں، اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے یہ دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے یہ دشمن رکھیں، اور تو اسے محبوب رکھ جسے یہ محبوب رکھیں اور تو اسے مبغوض رکھ جسے یہ مبغوض رکھیں اور تو اس کی مدد فرما جو ان کی مدد کرے اور تو اس کی مدد کو چھوڑ دے جو علی کی مدد چھوڑ دے"۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں، فطر بن خلیفہ یہ ثقہ ہیں، اور زید بن ارقم سے مروی ہے انھوں نے فرمایا علی نے لوگوں کو قسم دے کر فرمایا: "میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے سنا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" تو بارہ اصحاب بدر نے کھڑے ہوکر اس کی شہادت دی اور میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے چھپایا تو میری بصارت جاتی رہی۔ طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں بصارت زائل ہونے، اور شہادت چھپانے، اور علی کی اس دعا کا ذکر نہیں۔ اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ علی نے چھپانے والے کے خلاف دعا کی اور طبرانی اوسط کے رجال ثقہ ہیں۔

نہیں‘اس حدیث کی دلالت خوب واضح اور روشن ہے۔

(۲) رہ گئی حدیث:"**من كنت مولاه فعلي مولاه**"میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں تو اس کے بارے میں ابن تیمیہ کی یہ دریدہ دہنی کہ بعض محدثین مثلاً بخاری وغیرہ نے اس کے بارے میں طعن کیا ہے اور بعض نے اسے حسن کہا‘ یہ اس کی سراسر تلبیس ہے۔

بخاری نے اسماعیل بن نشیط عامری، سہم بن حصین اسدی، اورعثمان بن عاصم ابوحصین اسدی کی روایت کے بارے میں طعن کیا ہے تاریخ کبیر (۱/۳۷۵-۴/۱۹۳-۶/۲۴۰) کی طرف رجوع کیجئے، باقی تیس صحابۂ کرام کی روایتیں کہاں ہیں جیسا کہ عجلونی نے **کشف الخفا** (۲/۳۶۱) میں کہا۔

عجلونی نے یہ بھی تصریح کی: (یہ حدیث متواتر یا مشہور ہے)

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴/۴۷) میں کہا: حدیث:"**من كنت مولاه فعلي مولاه**" امام ترمذی اور نسائی نے تخریج کی اور اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، ابن عقدہ نے کتاب مفرد میں تمام طرق کا استیعاب و احاطہ کیا ہے اور ان طرق کی بہت سی سندیں صحیح و حسن ہیں۔

اور زیاد بن ابی زیاد سے مروی ہے انھوں نے فرمایا میں نے علی ابن ابو طالب سے لوگوں کو قسم دیتے سنا، علی نے فرمایا:"میں اس مسلمان شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے غدیر خم کے دن رسول اللہ ﷺ سے وہ فرماتے سنا جو آپ نے کھڑے ہوکر فرمایا۔ تو بارہ اصحاب بدر نے کھڑے ہوکر شہادت دی۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

اور حبشی بن جنادہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن یہ فرماتے سنا:"اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں اور تو اس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے اور تو اس کی اعانت فرما یا جو علی کی اعانت کرے‘ طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا اور محدثین نے ان کے رجال کی توثیق کی۔

سعد ابن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:"کیا میں مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں، میں جس کا ولی ہوں علی اس کے ولی ہیں‘ اس کو بزار نے روایت کیا، اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔

ذرا ابن تیمیہ کا یہ جملہ: ”**كالبخاري وغيره**“ (جیسے بخاری وغیرہ) دیکھیے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس کا ایک نفسیاتی اسلوب ہے جسے ابن تیمیہ عوام کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کا یہ کہنا: (ومنہم من حسنہ) بعض لوگوں نے اس حدیث کو حسن کہا۔ سخت تدلیس اور ملمع سازی ہے اس سے وہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ علما نے اس حدیث کو صحیح نہ کہا، اور یہ حدیث حسن سے بھی کم درجہ ہے اگر علما اس کا اعتراف کرتے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کی تکذیب کے بجائے اپنے امام (مفروض) احمد بن

اور سعید بن وہب زید بن یثیع سے راوی انھوں نے فرمایا کہ علی نے کشادہ میدان میں ان لوگوں کو قسم دی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا جب آپ کھڑے ہوئے تو سعید کی طرف سے چھ (٦) اور زید کی طرف سے ۷/سات حضرات نے شہادت دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن علی کے بارے میں فرماتے سنا: ”کیا میں مومنوں کے زیادہ قریب نہیں، لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں حضور اقدس نے فرمایا: اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ جس کو وہ دوست رکھیں تو اسے دوست رکھ اور جس کو وہ دشمن رکھیں تو اسے دشمن رکھ“ اس کو عبداللہ اور بزار نے اس سے کامل طریقہ پر روایت کیا اور انھوں نے سعید بن وہب سے روایت کیا، نہ کہ زید بن یثیع سے جیسا کہ یہاں وارد ہے اور یوں کہا عبداللہ نے سعید بن وہب سے انھوں نے زید بن یثیع سے روایت کیا، اور ظاہر ہے کہ واو ساقط ہے واللہ اعلم۔ اوران دونوں کی اسناد حسن ہے۔ اور علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے دن فرمایا: ”میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں“ فرمایا اور دوسرے راویوں نے ”وال من والاہ“ کے بعد یہ اضافہ کیا ”وعاد من عاداہ“ (اور تو اسے دشمن رکھ جسے وہ دشمن رکھیں) اس کو احمد نے روایت کیا اور ان کے رجال ثقہ ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں“ اس حدیث کو بزار نے حدیث کے دوران روایت کیا۔ اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔

اور عمر بن سعد سے مروی ہے کہ علی نے لوگوں کو کشادہ میدان میں جمع فرمایا اور میں حاضر تھا، آپ نے فرمایا: میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ”میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں“ تو ۱۸/اٹھارہ حضرات نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا، اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔ اوران کی اسناد حسن ہے۔

حنبل کا کیوں احترام نہیں کرتا اوران حدیثوں کے متعلق ان کا حکم کیوں نہیں مانتا۔

خلال کی کتاب السنۃ (۲/۳۴۷،۳۴۸) میں ہے کہ ابوبکر مروزی نے سیدنا امام احمد بن حنبل سے نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا جو آپ نے علی سے فرمایا: ''**أنت مني بمنزلة هارون من موسى**'' مجھ سے تمہیں وہ مقام حاصل ہے جو ہارون کو موسی سے ملا۔ کہ اس کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے بارے میں سکوت کرو اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھو، یہ حدیث اسی طرح ہے جیسا کہ وارد ہے۔

اور ابوطالب نے امام احمد بن حنبل سے نبی پاک ﷺ کے اس قول کے بارے میں پوچھا جو آپ نے علی کے متعلق فرمایا: ''**من كنت مولاه فعلي مولاه**'' اس کی کیا تفسیر وتوضیح ہے فرمایا: اس بارے میں کلام نہ کرو، حدیث جس طرح وارد ہے اسی پر رہنے دو۔

(۴) ابن تیمیہ کی تلبیس وتدلیس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے یہ کہا: ''ترمذی کے علاوہ حدیث کی کسی اہم کتاب میں اس کا ذکر نہیں''۔

میں نے روشن شہادتوں سے یہ واضح کیا کہ امام احمد ونسائی وابن ماجہ وغیرہم نے یہ حدیث بہت سارے صحابہ کرام سے روایت کیا، حدیث کی تخریج ملاحظہ ہو۔

اور بریدہ نے فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا اور علی کو ہم پر عامل وگورنر مقرر فرمایا جب ہم لوگ آئے تو فرمایا: ''اپنے صاحب کو کیسا پایا''تو یا تو میں یا میرے علاوہ کوئی ان کی شکایت کرتا سرکار نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور میں سرخمیدہ تھا آپ کا روئے اقدس جلال وغضب سے سرخ تھا آپ نے فرمایا: ''میں جس کا ولی ہوں علی اس کے ولی ہیں''تو میں نے عرض کی: حضور میں ان کے بارے میں آپ کو کبھی کبیدہ ورنجیدہ نہ کروں گا اس حدیث کو بزار نے روایت کیا۔ اوران کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اھ

اس حدیث کو بہت سے علمائے محدثین نے صحیح کہا جن میں امام احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عقدہ ضیا مقدسی، مزی اور ذہبی ہیں___ اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۱۵/۵) میں کہا: بلاشبہ یہ حدیث ثابت ہے۔ اور ہیثمی، ابن حجر، سیوطی، عجلونی اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

پھراس مقام پراہم یہ ہے کہ حدیث صحیح یا حسن ہو، چاہے وہ حدیث کی اہم ترین کتابوں میں ہو یا غیرمشہورومعروف کتابوں میں، کتنے ایسے مقامات ہیں کہ ابن تیمیہ بخاری ومسلم کی ثابت شدہ روایتوں کا انکار کرتا ہے اوران کے ثبوت میں حدیث کے انہیں غیرمعروف ومشہوراجزاء کا حوالہ دیتاہے، اورامہات حدیث کویکسر بالائے طاق رکھ دیتاہے جیسا کہ اس نے یہ دعوی کیا کہ عمر بن خطاب نے اس درخت کوکٹوادیا جس کے نیچے صحابہ کرام نے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی جیسا کہ عنقریب اس قضیہ کاذکرآئے گا،اگر یہ حدیث کی معتبر ومستند کتابیں نہیں تو ابن تیمیہ انھیں کیوں بطورسند پیش کرتا ہے اور ان سے کیوں استدلال کرتاہے اور حجت قائم کرتا ہے؟ ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کومبتدع قرار دیا۔

(۵) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ تمام مشہور محدثین کااس پر اتفاق ہے کہ ''حدیث مذکور میں یہ اضافہ کرنا کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اوراسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں''اوراسی طرح اس میں مزید اضافہ کرنا کہ حضوراقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اوراسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں اوران کی مدد کر جس کی علی مدد کریں اوراس کی مدد چھوڑ دے جو علی کی مدد چھوڑے'' جھوٹ ہے، **میں کہتا ہوں کہ**:ابن تیمیہ کا یہ جھوٹا دعوی سراسر جھوٹ ہے۔

مشہور محدثین کا یہ اتفاق کہاں سے نقل کیا؟ جن محدثین نے اس حدیث کی تخریج وتصحیح کی اوراسے روایت کی جیسا کہ ابن حبان ،حاکم ،اورضیاء مقدسی وغیرہم ان کی ولادت اوران کاوصال ابن تیمیہ سے صدیوں پہلے ہوا، کیا یہ جلیل الشان محدثین کرام حدیث کی معرفت ودسترس رکھنے والے نہیں؟ صرف تنہا ابن تیمیہ ہی حدیث کی معرفت اوراس علم میں دست گاہ رکھتا ہے!

لوہم سے سنو''**اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ**''اس لفظ کی تخریج علی بن ابوطالب سے ان محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں فرمائی۔

احمد (۱/۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲)، نسائی (۵/۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۴)، ابن ابوشیبہ (۶/۳۶۶، ۳۶۸) ابن حبان (۱۵/۳۷۶) طبرانی نے صغیر میں (۱/۱۱۹) بزار (۲/۱۳۳، ۲۳۵)، (۳/۳۵) اور ضیا نے المختارہ میں (۲/۱۰۵، ۱۰۶) علی رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث تخریج کی۔امام احمد (۴/۲۸۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲) (۵/۳۷۰) نسائی (۵/۴۵)، طبرانی نے کبیر میں (۵/۱۶۶)، حاکم (۳/۱۱۸) اور ابن ابوعاصم نے السنۃ میں (۲/۵۶۶)

اور امام احمد (۴/۲۱۸) اور ابن ابوشیبہ (۶/۳۷۲) نے براء سے تخریج کیا۔

اور طبرانی نے کبیر (۳/۱۸۰) میں حذیفہ بن اسید غفاری سے تخریج کی۔

اور ابویعلی (۱۱/۳۰۷) اور طبرانی نے اوسط (۲/۲۴) میں ابوہریرہ سے۔

اور نسائی (۵/۱۳۵)، ابن ماجہ (۱/۴۵) اور حاکم (۳/۱۲۶) نے سعد سے۔

اور بزار (۳/۱۷۱) اور حاکم (۳/۴۱۹) نے طلحہ بن عبداللہ سے روایت کیا۔

کیا ان تمام حضرات محدثین نے نبی پاک ﷺ سے جھوٹی روایتیں ذکر کیں ہیں۔

جن حضرات نے اپنی تخریج میں "**عادمن عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله**" کا اضافہ کیا ان میں امام احمد (۱/۸۴، ۱۱۹) اور بزار (۳/۳۰) ہیں، ضیاء مقدسی (۲/۲۷۴) اور ھیثمی نے اس روایت کو صحیح کہا۔

(۶) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: "**اللهم وال من والاه وعادمن عاداه**" "اسلام کے اصول کے مزاحم ومخالف ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا یہ قول عداوت پر مبنی ہے، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ سخت عداوت رکھتا ہے۔

مجھے بتایا جائے کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک: "**اللهم وال من والاه وعادمن عاداه**" اسلام کے کن اصولوں کے مزاحم ومخالف ہے؟ کیا نماز، زکاۃ اور حج کے خلاف ہے؟ کس قدر الم انگیز اور افسوسناک ہے کہ ابن تیمیہ کے لیے زندیقیت کے سارے دروازے کھلے ہیں اور رسول پاک

ﷺ کی ثابت شدہ حدیثیں جو اسے پسند نہیں ان کے بارے میں یہ دریدہ دہن کہتا ہے کہ یہ اسلامی اصولوں کے مزاحم ومخالف ہیں۔

(۷) ہم حافظ ابن حجر کا کلام فتح الباری (۲۷۱/۷) کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کر رہے ہیں: ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الرد علی ابن المطہر الرافضی'' (ابن مطہر رافضی کے رد میں تحریر کردہ کتاب) میں مہاجرین اور خاص کر علی سے نبی پاک ﷺ کی مواخات کا سخت انکار کیا، اس نے کہا: مواخات باہم رفق ومحبت قائم کرنے کے لیے مشروع ہے، تو نبی سے ان کی مواخات کا کوئی معنی نہیں، اور نہ ہی باہم مہاجرین کی مواخات کا کوئی معنی ہے، یہ قیاس سے نص کا رد کرنا ہے اور مواخات کی حکمت سے غافل رہنا ہے اس لیے کہ بعض مہاجرین مال وکنبہ اور طاقت وقوت کے لحاظ سے بعض سے بڑھ کر ہیں تو اعلی اور ادنی میں اس لیے مواخات قائم فرمائی تا کہ ادنی اعلی سے نفع اندوزی کرے، اور مرافق ومنافع حاصل کرے اور اعلی ادنی سے مدد لے۔ اسی سے حضور اقدس سے علی کی مواخات کی حکمت ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے کہ حضور اقدس بعثت کے پہلے ہی سے علی کی طفولیت سے ان کی مسلسل نگہداشت اور دیکھ ریکھ فرماتے رہے۔ اور حضرت حمزہ اور زید بن حارثہ کی مواخات کا بھی یہی حال ہے اس لیے کہ زید بن حارثہ ان لوگوں کے آزاد کردہ ہیں تو ان کی اخوت پہلے ہی سے ثابت شدہ ہے اور یہ دونوں حضرات مہاجرین سے ہیں، عمرۃ القضاء کے بیان میں آئے گا کہ زید بن حارثہ نے کہا: بے شک حمزہ کی بیٹی میری بھتیجی ہے۔

حاکم اور ابن عبدالبر نے بسند حسن ابوشعثاء سے تخریج کی کہ ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے زبیر اور عبداللہ ابن مسعود کے درمیان مواخات قائم فرمائی، یہ دونوں حضرات مہاجرین سے ہیں، میں کہتا ہوں: ضیاء مقدسی نے طبرانی کی معجم کبیر کی ''الاحادیث المختارۃ'' میں اسے تخریج کیا۔ اور ابن تیمیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ المختارۃ کی حدیثیں مستدرک کی حدیثوں سے اصح اور اقوی ہیں۔

پہلی مواخات کا واقعہ حاکم نے بطریق جمیع بن عمیر تخریج کی کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ابوبکر وعمر، وطلحہ وزبیر، اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان کے درمیان مواخات قائم فرمائی، اور ایک جماعت کا ذکر کر کے فرمایا: علی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو میرا بھائی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں تمہارا بھائی ہوں'' گزشتہ حدیثوں کے ساتھ اسے ملانے سے یہ قوی ہوجاتی ہے اور کتاب **الوکالۃ** کے کچھ پہلے باب **الکفالۃ** میں ''**لاحلف في الإسلام**'' (اسلام میں کوئی حلف نہیں) کے تحت اس پر گفتگو ہوچکی جس کے اعادہ کی کوئی حاجت نہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کے اس کلام میں تین اہم نقطے ہیں:

پہلا نقطہ: ابن حجر نے یہ ثابت کیا کہ ابن تیمیہ کی تالیف ابن المطہر رافضی کے رد میں ہے اس نے اپنی کتاب منہاج میں حدیث مشہور کو کاذب کہا۔

دوسرا نقطہ: ابن حجر نے یہ ثابت کیا کہ ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کی حدیثوں کو رد کیا ہے۔

تیسرا نقطہ: حافظ ابن حجر نے ابن المطہر رافضی کے رد میں ابن تیمیہ کی کتاب مطالعہ نہ کی ورنہ اس میں حدیث صحیح ثابت یعنی ''**من كنت مولاه فعلي مولاه**'' کے متعلق ابن تیمیہ کا مذکورہ دعوی پاتے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ائمہ نے کافی تلاش وجستجو کے ساتھ ابن تیمیہ کے کلام کا مطالعہ نہ کیا۔

بہت سے علما کہتے ہیں ابن تیمیہ نے ایسا ایسا نہ کہا جب کہ ابن تیمیہ کی کتابوں میں اکثر مقامات پر ان چیزوں کا ثبوت ملتا ہے جن علما نے اس طرح کی باتیں کیں ان میں سے ابن کثیر ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالی عنقریب آئے گا۔

(۲۲) کیا ابن تیمیہ کو اس بات کا غم ہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''لا یحبک إلا مؤمن و لا یبغضک إلا منافق'' (تم سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا)

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۱۴۹/۷) میں کہا: ''وہ شخص ظالم و جاہل ہے جو صحابہ کے بارے میں خلاف واقعہ اعتقاد رکھے، اور ان کے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ کافر یا فاسق تھے اس وجہ سے کہ علی سے بغض رکھا، علی سے بغض رکھنے والا منافق نہیں، اس سے اس روایت کا کذب ظاہر ہو جاتا ہے جو بعض صحابہ جیسا کہ جابر سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:

''ہم نبی پاک ﷺ کے عہد میں منافقین کو اسی سے پہچان لیتے تھے کہ وہ علی سے بغض رکھتا تھا''۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ وغیرہ میں منافقوں کی کچھ صفتوں اور علامتوں کا ذکر فرمایا ان میں علی سے بغض کا ذکر نہ فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا﴾ [التوبہ-۹:۴۹]

ترجمہ:۔ ''اور ان میں کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) امام مسلم وغیرہ نے زر سے تخریج کی انھوں نے فرمایا کہ: علی نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے دانہ کو چاک کیا اور جان کو پیدا کیا! بے شک نبی امی ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا کہ: ''مجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا''۔(۱)

(۱) مسلم نے اس حدیث کی تخریج کی (۸۶/۱) اور امام احمد (۹۵/۱)، ترمذی (۶۴۳/۵)، نسائی (۱۳۷/۵)، ابن ماجہ (۴۲/۱)، ابن حبان (۳۶۷/۱۵) نے جیسا کہ ابن شیبہ نے اس کو روایت کیا (۳۷۲/۶) اور ابن عاصم نے السنۃ (۵۹۸/۲) اور استیعاب میں (۱۱۰۰/۳) اور صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''تم سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا''۔

(۲) **میں کہتا ہوں:** کیاابن تیمیہ فرقہ اہل قرآن سے ہے جوسنت رسول پاک کوجھٹلاتے ہیں، اورقرآن کےعلاوہ دوسری کتابیں نہیں مانتے یااہل قرآن کے لیے دروازہ کھول رہا ہے؟

چلیے ابن تیمیہ کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سورۃ توبہ وغیرہ میں منافقوں کی کچھ صفتوں اور علامتوں کاذکرفرمایاان میں علی سے بغض کاذکرنہ فرمایاتو کیااللہ تعالی نے اپنی کتاب حکیم میں یہ ذکرفرمایاکہ ظہرکی نماز چاررکعت ہے؟

(۲۳)ابن تیمیہ کے بعض اقوال جن کے ذریعہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں گستاخی کی،اور جن کے سبب اس کے زمانہ کے علما نے اسے منافق کہا،ابن تیمیہ نے ابن مطہر رافضی کا رد کیا

حافظ ابن حجر نے ''اللسان'' (۳۱۹/۶) میں ابن مطہر حلی کے ترجمہ میں ابن تیمیہ پر اس کے رد کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ابن مطہر کی ذکر کردہ حدیثوں کے رد میں ابن تیمیہ کو حد درجہ ظالم و بے باک پایا،ابن مطہر کی ذکر کردہ اکثر حدیثیں اگر چہ موضوعات و واہیات ہیں لیکن ابن تیمیہ نے ابن مطہر کے رد میں بہت سی جید حدیثیں رد کر ڈالیں جن کے مقامات بوقت تصنیف مجھے مستحضر نہیں،ابن تیمیہ اپنے وسعتِ حافظہ کے سبب اسی پر اعتماد کر لیتا جو اس کے سینہ میں محفوظ ہوتا اور انسان سے عمداً نسیان ہوتا رہتا ہے،رافضی کے کلام کی اہانت میں ابن تیمیہ نے ایسے ایسے مبالغے کیے جن سے علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بھی تنقیص شان ہوتی ہے،اس ترجمہ میں اس کی توضیح اور اس کی مثالیں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔الخ

حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنۃ (۱۸۱/۱-۱۸۲) میں کہا: ''بعض حضرات نے ابن تیمیہ کی طرف نفاق کی نسبت کی اس لیے کہ اس نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں گزشتہ باتیں کہیں،اور اس نے آپ کے بارے میں یہ شنیع کلمات بھی کہے:

''کہ وہ جہاں کہیں گئے بے یارو مددگار رہے''۔

''انھوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ملی''۔

''انھوں نے ریاست کے لیے قتال کیا دیانت کے لیے نہیں''۔

''انہیں ریاست محبوب تھی اور عثمان کو مال محبوب تھا''۔

''ابن تیمیہ نے کہا: ابوبکر بڑھاپے میں اسلام لائے انہیں اپنی باتوں کا خوب علم تھا، اور علی بچپنے میں اسلام لائے اور ایک قول پر بچے کا اسلام لانا صحیح و درست نہیں''۔

''اس نے ابوجہل کی بیٹی کے پیغام نکاح کے واقعہ میں کلام کیا اور تادم مرگ اسے نہ بھولا''۔

ابوالعاص ابن الربیع کا واقعہ اور اس واقعہ سے جو کچھ ماخوذ ہوتا ہے اس سلسلے میں اس نے طعن و تشنیع کی جس کے سبب اس کے زمانہ کے علما نے اس پر نفاق کا الزام لگایا کیوں کہ حضور نے علی کے بارے میں فرمایا: ''**ولا یبغضک إلا منافق**'' (ترجمہ:۔''تم سے منافق ہی بغض رکھے گا'')۔الخ

(۱) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶/۴۳) میں کہا:

''علی رضی اللہ تعالی عنہ پر رسول اللہ ﷺ کی کئی گونا حدیثیں پوشیدہ رہیں جن میں بعض سنتیں آخری وقت تک نہ جان سکے۔الخ بحروفہ

میں کہتا ہوں: ماشاء اللہ! سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ پر حضور کی بہت سی سنتیں پوشیدہ رہیں، اور ابن تیمیہ نے انہیں جان لیا اور علم الہی پر مطلع و آگاہ ہوگیا اس لیے کہ اسے یہ معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ آخری وقت تک حضور کی ان سنتوں کو نہ جان سکے!

(۲) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۳۰) میں کہا:

''اہل مدینہ منورہ علی کا قول نہ لیتے، بلکہ فقہائے سبعہ زید و عمر و ابن عمر و غیرہم سے فقہ کی تحصیل کرتے''

(۳) اس نے اپنی کتاب منہاج (۸/۲۷۹) میں یہ بھی کہا:

''عمر نے علی سے جتنا استفادہ کیا اس سے کہیں زیادہ علی نے عمر سے استفادہ کیا، اور عثمان تو ابوبکر و عمر سے بہت ہی زیادہ کم علم تھے اس کے باوجود انہیں علی کی حاجت نہ تھی، یہاں تک کہ بعض صحابہ نے علی سے عثمان کے خراج وصدقات وصول کرنے والے عاملین و محصلین کی

شکایت کی تو آپ نے عثمان کی خدمت میں کتاب الصدقہ بھیجا تو عثمان نے کہا: ہمیں اس کی حاجت نہیں ''عثمان نے سچ کہا'' الخ

(۴) اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۱/۴) میں یہ بھی کہا:

''اوران کے فتاوی عمر کے فتاوی کی جنس سے ہیں، اورعثمان ان حضرات سے زیادہ صواب ودرستگی والے نہ تھے، ان حضرات کے مرجوح اقوال ان کے مرجوح قول سے زیادہ نہیں، نبی پاک ﷺ کی مدح وثنا اور خوشنودی ورضا ان حضرات سے زیادہ انہیں حاصل نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

اس کا رد حافظ مزی کے کلام سے ہوجاتا ہے جوانھوں نے تہذیب الکمال (۴۸۰/۲۰-۴۸۹) میں کہا، امام احمد (۱۱۳/۵) اور ابن ابوشیبہ (۱۳۸/۶) اور حاکم (۳۴۵/۳) نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ حضرت عمر نے فرمایا: علی کو ہم سب سے زیادہ قضا کا علم تھا۔

اور یحیی بن سعید نے روایت کیا کہ سعید بن مسیّب نے فرمایا: عمر اس کٹھن اور دشوار قضیہ سے پناہ لیتے جسے حل کرنے کے وقت ابوالحسن (علی) موجود نہ ہوتے۔ اور سعید بن جبیر نے روایت کیا کہ ابن عباس نے فرمایا: ہمارے پاس علی کی کوئی تحقیق آتی تو ہم دوسری تحقیق آپ کی تحقیق کے برابر نہ ٹھہراتے۔ الاصابۃ (۵۶۴/۴-۵۶۹) مطالعہ کریں۔

جوشخص صحابہ اور سلف صالح کے اقوال میں غور وخوض کرے گا سابقہ نقطوں میں ابن تیمیہ کا کذب اس پر اظہر من الشّمس ہوجائے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا اس کی سند پیش کی جائے، حضرت عثمان اور بقیہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے درمیان حقائق کا مطالعہ کرنے والے ابن تیمیہ کا جھوٹ خوب جانتے ہیں۔

(۵) اس نے اپنی کتاب منہاج (۱۹۹/۷) میں یہ بھی کہا:

''علی کی طرح دوسرے صحابہ نے بھی اسلام میں اچھے کارنامے انجام دیے، بعض صحابہ کے اعلی کارنامے

علی کے کارناموں سے بھی بڑھ کر ہیں، نقل سے ثابت شدہ صحیح سیرت جسے معلوم ہے اس پر یہ حقائق روشن ہیں''۔

(۶) اس نے اپنی کتاب منہاج (۴/۳۷۱) میں یہ بھی کہا:

''نبی ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ فرمایا: ''میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس سے محبت رکھتے ہیں'' اور علی نے یہ کہا: ''نبی امی نے مجھ سے یہ عہد فرمایا کہ مجھ سے مومن ہی محبت اور منافق ہی بغض رکھے گا'' اور آپ نے علی سے یہ فرمایا: کیا تم اس پر خوش ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ مقام حاصل ہو جو ہارون کو موسی سے حاصل ہوا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں'' یہ چیزیں علی کے خصائص سے نہیں ہاں ان فضائل ومناقب سے ہیں جن سے ان کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ ان فضائل ومناقب کے باب میں اہل سنت کی روایت مشہور ہے وہ اس روایت کے ذریعہ خوارج وغیرہ کا طعن دفع کرتے ہیں جو علی کو طعنہ کرتے۔ اور انہیں کافر یا ظالم ٹھہراتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے رد کے لیے حافظ ابن حجر کا کلام نمبر وار ملاحظہ فرمائیں آپ نے الاصابۃ (۴/۵۶۴-۵۶۹) میں فرمایا:

حضرت علی کی بعض خصوصیتیں:

۱) حضور اقدس ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا: ''علی بن ابو طالب کہاں ہیں؟'' صحابہ نے عرض کیا انہیں آشوب چشم ہے، حضور نے انھیں بلا بھیجا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے ان کی آنکھیں شفایاب ہوگئیں پھر آپ نے انہیں پرچم عطا فرمایا۔ صحیحین میں شیخین نے اس حدیث کو سہل بن سعد، اور سلمہ بن اکوع سے اسی طرح مختصراً روایت کیا، اس میں یہ ہے کہ: ''اللہ ان کے ہاتھوں خیبر فتح فرمائے گا''۔ اور مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت اسی طرح ہے، اس میں ہے: عمر نے کہا: صرف اسی دن میرے اندر امارت کی محبت پیدا ہوئی تھی۔

امام احمد نے بریرہ کی حدیث سہل کی حدیث کی طرح روایت کیا، اوراسی میں اس کے شروع اور آخر میں مرحب کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی نے اسے قتل فرمایا، آپ نے اس کی کھوپڑی پر ایسی تلوار چلائی جس سے اس کا بیضہ (خود) کاٹ کررکھ دیا۔اسی میں یہ بھی ہے کہ: ''آپ ابھی مجاہدین کے آخری صف میں ہی تھے کہ اللہ نے انہیں فتح خیبر عطا فرمادیا۔

اور مسند امام عبداللہ بن احمد بن حنبل میں جابر کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب علی کو خیبر کے دن پرچم عطا فرمایا تو آپ قلعہ خیبر کی طرف تیزی سے بڑھے، صحابہ آپ سے کہنے لگے رفق ونرمی سے چلیے، آپ نے خیبر کے قلعہ پر پہنچ کر تنہا اس کا دروازہ کھینچا اور زمین پر اسے لاکر رکھ دیا، دوبارہ ستر صحابہ نے مل کر اس دروازہ کو اٹھایا اور اسے اس کی جگہ کھڑا کیا۔

اس حدیث کی سند میں حرام بن عثمان متروک ہیں، حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۵٦۷/۴) میں اسے ذکر کیا۔

ابورافع کی حدیث میں بھی دروازہ کے واقعہ کا ذکر ہے مگر اس میں دوسری تعداد مذکور ہے۔

۲) احمد ونسائی نے بطریق عمرو بن میمون تخریج کی کہ: میں ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اچانک آپ کے پاس سات اشخاص حاضر ہوئے پھر آپ نے یہ قصہ ذکر کیا جس میں یہ ہے:

''آپ اپنا لباس جھاڑتے ہوئے آئے اور فرمایا کہ لوگ ایک باعزت شخص کے بارے میں چہ میگوئیاں کررہے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں ضرور ایک ایسے شخص کو روانہ کروں گا جسے اللہ رسوانہ فرمائے گا، انھیں اللہ اور رسول سے محبت ہے، علی آشوب چشم کی حالت میں آئے حضور نے آپ کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا پھر تین بار جھنڈا لہرا کر علی کو عطا فرمایا پھر صفیہ بنت حیی کو لے کر آئے اور قریش کے سامنے سورہ برأت تلاوت فرما کر آپ کو روانہ فرمایا۔

۳) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لایذهب إلا رجل مني وأنا منه'' ''صرف ایک شخص جارہے ہیں جو مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں''۔

۴) آپ نے اپنے چچا کے بیٹوں سے فرمایا تم میں سے کون شخص دنیا وآخرت میں مجھے دوست رکھے گا؟ تو کسی نے جواب نہ دیا اور علی نے عرض کی: میں، اس پر حضور نے فرمایا: "إنــه ولیي في الدنیا والآخره"، علی دنیا وآخرت میں میرے ولی ہیں"

۵) حضور نے اپنی چادر اقدس علی وفاطمہ اور حسن وحسین پر ڈالی اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾[الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔"اور اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے"۔

حضرت علی نے حضور کا لباس زیب تن فرمایا، اور آپ کے بستر استراحت پر سوئے، مشرکین حضور کے قتل کے ارادہ سے آئے ہوئے تھے صبح کے وقت انھوں نے حضور اقدس کے بستر استراحت پر علی کو دیکھا تو پوچھا تمہارے صاحب کہاں ہیں؟

اور حضور نے غزوۂ تبوک میں علی سے فرمایا: أنـت مـنـي بـمـنـزلة هـارون من موسى، إلا أنک لســت بـنبـي"، تمہیں میری طرف سے وہ مقام حاصل ہے جو ہارون کو موسی سے ملا مگر تم نبی نہیں، یعنی تمہیں خلیفہ مقرر کیے بغیر میرا جانا مناسب نہیں۔

اور علی سے فرمایا: "أنـت ولي كل مؤمن من بعدي"، "میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو" اور علی کے دروازے کے سوا سارے دروازے بند کردیے گئے، آپ نے علی کو بحالت جنابت مسجد میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائی اس لیے کہ مسجد سے آپ کا راستہ تھا اس راستہ کے علاوہ آپ کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔

۶) اور حضور اقدس نے فرمایا: "مـن كنت مولاه فعلي مولاه"، "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں" اور اللہ نے یہ خبر دی کہ تمام اصحاب شجرہ (درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں) سے راضی ہے۔ اس کے بعد ہمیں یہ نہ بتایا کہ وہ ان لوگوں سے ناراض ہوا، اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ اہل بدر کی نصرت وحمایت فرما رہا ہے پھر فرمایا تم جو چاہو کرو۔

۷) سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ: عمر اس مشکل قضیہ سے پناہ مانگتے جس کے حل کرنے میں ابوالحسن (علی) شریک نہ ہوتے۔

۸) اور سعید بن جبیر نے فرمایا: ابن عباس فرماتے تھے: **إذا جاء ناالثبت عن علي لم نعدل به** جب علی کی کوئی تحقیق ہمیں مل جاتی ہے تو ہم کسی تحقیق کو اس کے برابر نہیں ٹھہراتے۔

اور وہب بن عبداللہ نے ابوطفیل سے روایت کیا: علی فرماتے تھے: ''اللہ تعالی کی کتاب کے متعلق مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو، خدا کی قسم کوئی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں اتری یا دن میں''۔

اور ترمذی نے بسند قوی عامر بن سعد بن ابو وقاص سے وہ اپنے باپ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا: معاویہ نے سعد سے فرمایا کہ ابوتراب کی بدگوئی سے تمھیں کیا چیز روکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا میں نے تین چیزیں ذکر کیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور یہ کہا کہ ان میں سے کسی ایک خصلت کا مجھے حاصل ہونا سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہے میں ہرگز انہیں برا بھلا نہ کہوں گا (۱) جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی کو چھوڑ کر بعض غزوات میں تشریف لے جارہے تھے تو علی نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں، تو حضور نے ان سے فرمایا: ''کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ میرے پاس تمہارا وہ مقام ہو جو ہارون کو موسی سے ملا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔ (۲) اور خیبر کے دن سرکار سے فرماتے سنا: ''میں ضرور ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول اسے محبوب رکھتے ہیں'' تو ہم لوگوں نے وہ پرچم حاصل کرنے کے لیے اپنی گردن دراز کی اور اس پر فخر کیا تو سرکار نے فرمایا: ''علی کو بلاؤ'' علی آشوب چشم کی حالت میں آپ کے پاس حاضر ہوئے تو سرکار نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور انہیں پرچم عطا فرمایا تو اللہ نے ان کے ہاتھ خیبر فتح فرمایا (۳) اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَ نَاوَأَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾

[آل عمران-۳:۶۱]

ترجمہ:۔''تو ان سے فرما دو آ ؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں''۔

تو رسول اللہ ﷺ نے علی اور فاطمہ اور حسن وحسین کو بلا کر یہ دعا فرمائی:''**اللھم ھو لاء أھلي** '' اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔

امام ترمذی نے بھی حضرت علی سے اس حدیث کی تخریج کی۔اور یہ حدیث مسلم میں بھی ہے،حضرت علی نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد فرمایا''کہ مومن کے سوا کوئی تم سے محبت نہ کرے گا،اور منافق کے سوا کوئی تم سے بغض نہ رکھے گا''۔

۹) امام ترمذی نے باسناد قوی عمران بن حصین سے اس قصہ کے متعلق تخریج کیا جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں''اور مسند احمد میں بسند جید مروی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا:عرض کیا گیا یارسول اللہ! آپ کے بعد کون امیر ہوگا؟فرمایا:اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ تو انہیں امین ،تارک الدنیا اور آخرت کی رغبت وخواہش رکھنے والا پاؤ گے، اور اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں باقوت،امانت دار پاؤ گے انہیں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں،اور اگر علی کو امیر بناؤ گے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم انہیں امیر بناؤ گے تو تم انہیں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے، وہ تمہیں صراط مستقیم پر گامزن رکھیں گے''۔(حافظ ابن حجر کا کلام ختم ہوا)

اس گفتگو کے بعد اب ابن تیمیہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(۷) اس نے اپنی کتاب منہاج (۷۶/۸) میں کہا:

''یہ کہنا کہ علی سب سے زیادہ دلیر تھے یہ جھوٹ ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے بہادر ودلیر تھے''۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ کیا اس کلام کا یہ معنی ہے کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں؟ یا اس سے یہ مقصود ہے کہ نبی پاک ﷺ کے بعد علی سب سے بہادر و دلیر ہیں؟ ذرا شوق انکار اور اس کا فلسفہ ملاحظہ ہو، وہ بھی کس کی شان میں؟

(۸) اس نے اپنی کتاب منہاج (۹۰/۸) میں کہا:

''اسلام میں بہت سے ایسے غزوات ہوئے جن سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی ان میں علی کی تلوار کی کوئی تاثیر نہیں جیسے یوم بدر کہ اس روز وہ بہت سی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے۔ تین عظیم جنگوں میں وہ امیر ہوئے (۱) یوم جمل، (۲) صفین اور (۳) نہروان۔ جمل اور نہروان میں مغلوب رہے کیوں کہ اسلامی لشکر باطل سے کئی گونہ زیادہ تھے پھر بھی دشمنوں پر فتح حاصل نہ کر سکے بلکہ خود دشمن ان پر غالب رہے یہاں تک کہ خود ان کا معاملہ کمزور ہوتا رہا اور ان سے قتال کرنے والوں کا معاملہ زور پکڑتا رہا''

میں کہتا ہوں:

مجھے نہیں معلوم ابن تیمیہ کے قلب وسینہ میں کیا ہے؟ اور کون سی چیز علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں ایسی جرأت وجسارت اور گستاخی وبے باکی پر آمادہ کرتی ہے، ابن تیمیہ بغور سنے بدر کے دن قتال وجہاد کے لیے جو تین حضرات نکلے آپ ان میں سے ایک ہیں، آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عطا فرمودہ پرچم تھا، اور جب مصعب بن عمیر نے جام شہادت نوش فرمالیا تو رسول اللہ ﷺ نے علی ہی کو پرچم عطا فرمایا اور ہم یہ ذکر کر چکے کہ خیبر کے دن آپ رسول اللہ ﷺ کے علمبردار تھے۔

ناظرین فیصلہ کریں اور انصاف کریں کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شجاعت میں کوئی شبہ ہے؟؟ ہاں ابن تیمیہ کا قلب وسینہ ضرور تنگ ہے۔ آپ کو اختیار ہے ابن تیمیہ پر جو چاہیں حکم لگائیں۔

(۹) اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۳۵/۸) میں یہ بھی کہا:

عثمان کو حضور نے اپنا داماد بنایا اوران سے اپنی بیٹی کا رشتہ ازدواج قائم فرمایا،حضور کو ان سے یہ رشتہ ہمیشہ پسند رہا،عثمان سے کبھی ایسا فعل سرزد نہ ہوا جس پر حضور انہیں عتاب فرماتے بلکہ خود سرکار نے یہاں تک فرمایا:''**لو كان عندنا ثالثة لزوجناها عثمان**''اگر ہمارے پاس کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح عثمان سے کرتے''اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے نزدیک علی کے رشتہ کی بہ نسبت عثمان سے اپنی شہزادی کا رشتہ زیادہ کامل ہے۔

میں کہتا ہوں:

ابوبکر صدیق نے نبی پاک ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ سیدہ فاطمہ کو ان کی زوجیت میں عطا فرما دیں، اوراسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی پاک سے سیدہ فاطمہ کے نکاح کی خواہش ظاہر کی مگر سرکار نے اسے قبول نہ فرمایا جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح (۳۹۳/۱۵،۳۹۴،۳۹۵) میں اسے روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۴/۹) میں اسے طبرانی کی طرف منسوب کیا اور کہا:اس کے رجال ثقہ ہیں:حجر بن عنبس جنھوں نے دور جاہلیت کو پایا اوراس دور میں خون کھاتے پیتے اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جنگ جمل وصفین میں شریک رہے انھوں (حجر بن عنبس) نے کہا:ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے نکاح کا پیغام دیا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**هي لك يا علي**''''اے علی!وہ تمہارے لیے ہیں''۔

اور عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**إن الله أمرني أن أزوج فاطمة من علي**'' ''اللہ عزوجل نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں علی سے فاطمہ کا نکاح کردوں''ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۴/۹) میں ذکر کیا:

میں کہتا ہوں:اس کو طبرانی نے روایت کیا،اوراس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱۰) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۱۱۶/۶) میں یہ بھی کہا:

''اوراہل سنت وللہ الحمد اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لوگ یعنی خوارج گمراہ بدمذہب ہیں،

اورنصوص صحیحہ کی روشنی میں ان سے قتال وجہاد واجب ہے،خوارج سے جنگ وقتال امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بہتر کارنامہ تھا''۔

میں کہتا ہوں:

کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بہتر کارنامہ یہ نہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، ہجرت کے وقت آپ کے مبارک بستر پر سوئے، آپ کے ساتھ بدر میں جہاد کیا، اور باقی مشاہد اور فتح خیبر وغیرہ میں اہم کارنامے انجام دیے؟

مجھے امید ہے کہ ناظرین پر ابن تیمیہ کا پرفریب اسلوب روشن ہو گیا ہوگا، ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پوچھنا چاہیئے کہ اہل سنت کا نقل کردہ اتفاق کہاں ہے؟

(۲۴) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت پر ابن تیمیہ کا طعن اور آپ پر فساد کا الزام

(۱۱) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴/۱۰۵) میں کہا:

''علی ابن ابو طالب کے سوا کوئی امام نہ بن سکا'' حالاں کہ آپ کو سخت دشواریاں درپیش تھیں، امت کے نصف یا اس سے بھی کم یا اس سے زیادہ لوگوں نے آپ کی بیعت نہ کی''۔

میں کہتا ہوں:

اس کا ردو ہی ہے جو حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا، جسے مزی نے تہذیب الکمال (۲۰/۴۸۷-۴۸۹) میں نقل فرمایا:

''ابوعمر نے کہا: عثمان کی شہادت کے دن علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت کر لی گئی، اب مہاجرین وانصار آپ کی بیعت پر متفق تھے، ان میں سے کچھ لوگ آپ کی بیعت سے پیچھے رہے اس پر آپ نے ان کی نہ تو ہجو کی، اور نہ انہیں ناپسند فرمایا، ان کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا یہ لوگ حق سے بیٹھے رہے، اور باطل کے ساتھ کھڑے نہ ہوئے''۔

قارئین کرام پر اللہ رحم فرمائے ذرا اس جملہ پر غور کریں:

''**وتخلف عن بيعته نفر**'' کچھ لوگ آپ کی بیعت سے پیچھے رہے۔

اور پھر اس جملہ کو ابن تیمیہ کے کلام سے ملائیں۔

(۱۲) اس نے اپنی کتاب منہاج (۶/۱۵۶، ۱۵۷) میں یہ بھی کہا:

''نیز عثمان کی خلافت وولایت میں کچھ ایسے مصالح ومقاصد تھے جو صرف اللہ ہی کو معلوم ہیں، اگر ان کی ولایت میں کچھ ایسی چیزیں رونما ہوئیں جو صحابہ کو ناپسند تھیں جیسا کہ بعض

بنوامیہ کو امیر بنانا اور انہیں کچھ مال دینا وغیرہ تو ان کی خلافت کے بعد کی خلافت وولایت میں تو اس سے بھی زیادہ فسادات رونما ہوئے، اور اس میں وہ بھلائی حاصل نہ ہوئی جو عثمان کی خلافت میں حاصل ہوئی''۔

(۱۳) اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۴/۱۱۷) میں یہ بھی کہا:

''آپ کے دور خلافت میں دین اسلام کو فروغ حاصل نہ ہوا''۔

(۱۴) اور اسی منہاج (۴/۱۶۱-۱۶۲) میں یہ بھی کہا:

''یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ خلفائے ثلاثہ پر مسلمانوں کا اتفاق رہا، ان کے دور خلافت میں کافروں پر تلواریں بے نیام رہیں، اور مسلمانوں سے دور رہیں، رہے علی تو ان کی بیعت پر اہل اسلام کا اتفاق نہ ہوا بلکہ ان کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا اور اس زمانہ میں تلوار کافروں سے ہٹ کر مسلمانوں پر بے نیام رہی، اور یہ خلافت تامہ کاملہ کے ائمہ کی یادوں کو فراموش کرنا، اور صرف اس خلافت کا ذکر کرنا ہے جو ناتمام رہی اور جس کا مقصود حاصل نہ ہوا''۔

(۱۵) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶/۴۸) میں کہا:

''اگر یہ کہا جائے کہ علی نے اس باب (قتال) میں اجتہاد کیا، اور انہیں اس اجتہاد سے یہ اذعان واعتقاد حاصل ہوا کہ قتال سے لوگ مطیع وفرماں بردار ہوں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا اجتہاد معاف ہو جس میں ہزار ہا مسلمان قتل ہوں اور فسادات رونما ہوں اور کوئی مقصد حاصل نہ ہو، تو کیا ایک ایسے شخص کے قتل کے بارے میں اجتہاد معاف نہ ہوگا کہ اگر اس ایک شخص کو قتل کر دیا جائے تو ایک قسم کا مقصد خیر حاصل ہو اور برائیوں کا سدراہ ہو حالاں کہ وہ ایک شخص قتل نہ کیا گیا بلکہ اس کے قتل کا قصد کر کے اسے چھوڑ دیا گیا''۔

(۱۶) اس نے اسی منہاج (۷/۴۵۴) میں یہ بھی کہا:

''علی کے اس جنگ وقتال سے نہ دین کی مصلحت حاصل ہوئی، اور نہ دنیا کی، اور ان کی خلافت میں نہ تو کسی کافر سے جنگ ہوئی اور نہ کوئی مسلمان خوش رہا''۔

(۱۷) اس نے اسی منہاج (۲۳۱/۸-۲۳۳) میں کہا:

''علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے کسی قرابت دار کو کوئی خاص چیز نہ دی، ہاں ان لوگوں سے جنگ شروع کی جنھوں نے ان سے جنگ کا آغاز نہ کیا، یہاں تک کہ اس جنگ میں ہزار ہا مسلمان قتل ہوئے، اگر چہ ان کے اس فعل کی کچھ تاویل کی جاتی ہے جس کی موافقت میں بعض علما نے یہ کہا کہ یہ لوگ (علی سے قتال کرنے والے) باغی تھے اور اللہ تعالی نے باغیوں کے قتل کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿فَقٰتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِي﴾ [الحجرات-۴۹:۹]

ترجمہ: ''تو زیادتی کرنے والے سے لڑو''۔

لیکن اکثر علما اس تاویل کے خلاف ہیں'' الخ

(۱۸) اس نے اپنی منہاج (۲۴۱/۸-۲۴۳) میں یہ بھی کہا:

''جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ بارہ ۱۲ لوگ وہ ہیں جنہیں رافضی اپنا امام اعتقاد کرتے ہیں تو یہ انتہائی جہالت ہے، کیوں کہ ان لوگوں میں علی ابن ابو طالب کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے پاس تلوار رہی ہو، اور ان سب کے باوجود علی اپنے دور خلافت میں کسی کافر سے نہ جنگ کر سکے، اور نہ ہی کوئی شہر فتح کیا، اور نہ کسی کافر کو قتل کیا''۔

میں کہتا ہوں: سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے حکم، علم اور مواقف و خصائص پر یہ ابن تیمیہ کی سراسر الزام طرازیاں اور بہتان تراشیاں ہیں۔ اس نے آپ پر فساد کا الزام لگایا کہ آپ نے فساد انگیزی کی، ان سب کے باوجود ابن تیمیہ کو عالم کہا جا رہا ہے، اگر یہ کوئی عام آدمی ہوتا تو مستحق تعزیر ہوتا اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جاتا تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے جسے لوگ عالم گمان کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے اقوال اس بات کی طرف

داعی ہیں کہ اس کی تفسیق کی جائے، اسے بدمذہب کہا جائے، اور اس پر زندیقیت کا حکم لگایا جائے۔

علما نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا سینہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت اطہار کے کینہ سے آلودہ و پراگندہ ہے۔

رہ گئی یہ گفتگو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتال فرمایا تو اس سلسلے میں نبی پاک ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جسے حاکم نے مستدرک (۱۳۲/۳) میں ابوسعید خدری سے تخریج کی اور اس کو صحیح کہا۔ ابوسعید خدری نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ رسول پاک اپنی بعض ازواج کے گھروں سے باہر تشریف لائے ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، آپ کا نعل پاک ٹوٹ گیا تو علی پیچھے رک کر اسے سینے لگے، رسول اللہ ﷺ اور ہم آپ کے ساتھ چلتے رہے پھر حضور کھڑے ہو کر علی کا انتظار فرمانے لگے ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن کی تاویل پر قتال کریں گے جیسا کہ میں نے قرآن کی تنزیل پر قتال کیا'' یہ سن کر ہم لوگ بغور دیکھنے لگے ہمارے درمیان ابوبکر و عمر بھی تھے اس پر حضور نے فرمایا: ''نہیں وہ خاصف النعل (جوتا سینے والے) یعنی علی ہیں یہ سن کر ہم لوگ علی کو خوش خبری سنانے آئے تو آپ پہلے ہی اسے سن چکے تھے۔

سیدہ عائشہ کا حال معلوم ہے کہ آپ واقعہ جمل پر نادم تھیں اور اسی طرح طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۷۲/۱-۱۰۳۵/۳) میں ابن عباس سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار''

ترجمہ: ''افسوس عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی، وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیں گے اور وہ لوگ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے''۔

ذرا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک میں غور فرمائیں:

''يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار''

ترجمہ: وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیں گے، اور وہ لوگ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

حافظ ابن حجر نے **الاصـــابـــہ** (۵٦٦/۴) میں فرمایا: ''عمار کی شہادت کے واقعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ حق وصواب علی کے ساتھ تھا اور اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے اگر چہ پہلے اس میں کچھ اختلاف رہا وللہ الحمد''۔

اور طبرانی نے کبیر (۹/۲۴) میں جری بن سمرہ سے تخریج کی، انھوں نے فرمایا: جب اہل بصرہ اور علی کے درمیان معاملہ ہوا تو میں چل کر مدینہ منورہ آیا اور میمونہ بنت حارث سے ملاقات کی جو نبی پاک ﷺ کی بیوی اور قبیلہ بنی ہلال سے ہیں، میں نے آپ سے سلام عرض کیا تو فرمایا کون صاحب ہیں؟ میں نے عرض کیا اہل عراق سے، فرمایا: اہل عراق میں کس سے؟ میں نے عرض کیا اہل کوفہ سے، فرمایا اہل کوفہ میں کس سے؟ میں نے عرض کیا بنو عامر سے، فرمایا خوش آمدید قرب بالائے قرب وسعت بالائے وسعت پھر فرمایا: آنے کا سبب کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: علی اور طلحہ کے درمیان درپیش واقعہ کے سبب میں نے علی کے پاس جا کر ان کی بیعت کر لی، فرمایا: تو ان کے ساتھ رہنا خدا کی قسم وہ گمراہ نہ ہوئے اور نہ انہیں گمراہ کیا گیا، آپ نے تین بار یہی فرمایا۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۳۵) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں جری بن سمرہ ثقہ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر جن کے علم وفضل پر اجماع ہے انھوں نے الاستیعاب (۱/۷۷) میں کہا کہ: علی بن خشرم نے فرمایا، میں نے وکیع سے کہا: فتنہ سے کون محفوظ رہے فرمایا: نبی پاک کے مشہور ومعروف اصحاب میں چار حضرات (۱) سعد بن مالک، (۲) عبداللہ بن عمر، (۳) محمد بن مسلمہ، (۴) اسامہ بن زید، اور باقی لوگوں میں اختلاط ہے، آپ نے فرمایا: اور یہ حضرات ان لوگوں کے معاملہ میں شریک نہ رہے۔ تابعین میں سے چار حضرات علی کے ساتھ باغیوں کے خلاف قتال میں شریک نہ ہوئے (۱) ربیع بن خثیم، (۲) مسروق بن اجدع، (۳) اسود بن یزید اور (۴) عبدالرحمٰن بن سلمٰی۔ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا: لیکن عبدالرحمٰن بن سلمٰی تو ان کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے، اور مسروق کے بارے میں ابراہیم نخعی نے ذکر کیا کہ وہ اگر چہ علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ نہ تھے مگر وصال سے قبل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس سے توبہ کر لیا تھا کہ آپ علی کے ساتھ شریک نہ رہے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بچند طرق صحیحا مروی ہے کہ آپ نے

فرمایا: مجھے کسی چیز کا اتنا غم نہ ہوا جتنا اس کا غم ہوا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ آپ کے باغیوں سے قتال نہ کیا۔

رہی علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تو اس بارے میں حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جس کو امام احمد (۱/۱۰۸) نے بسند جید علی رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی، علی نے فرمایا: عرض کیا گیا یارسول اللہ آپ کے بعد کون امیر ہوگا؟ فرمایا: اگر ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین، تارک الدنیا، آخرت کی رغبت وخواہش رکھنے والا پاؤ گے، اور اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں باقوت امانت دار پاؤ گے جنہیں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا، اور اگر علی کو امیر بناؤ گے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم لوگ ایسا کرو گے تو انہیں ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ پاؤ گے، وہ تمہیں صراط مستقیم پر گامزن رکھیں گے"۔[1]

میں کہتا ہوں:

حاکم (۳/۷۳) نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۲/۸٦) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۱۷٦) میں کہا: بزار (۳/۳۳، ۷/۲۹۹) اور طبرانی نے اوسط (۲/۳۴۱) میں اس حدیث کی تخریج کی اور بزار کے رجال ثقہ ہیں، حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۴/۵٦۹) میں بزار کی سند کو جید کہا۔

نبی پاک ﷺ کے ارشاد پاک کے ہوتے ہوئے کسی کلام کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، ہمیں حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد پاک کافی ہے جو آپ نے علی سے فرمایا: "**من أشقى الأولين؟ قال: عاقر الناقة، قال: فمن أشقى الآخرين؟ قال: الله ورسوله أعلم، قال: قاتلك**" "اگلوں میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے" عرض کیا: صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا، فرمایا: "بعد والوں میں سب سے بڑا بدبخت

(۱) امام احمد (۳/۳۳، ۸۲) نے اس حدیث کی تخریج کی، اور ابن حبان (۱۵/۳۸۵) نے اس کو صحیح کہا، اور ابو یعلی (۲/۳۴۱) نے اس کو روایت کیا اور حاکم نے مستدرک (۳/۱۳۲) میں اس کو صحیح کہا، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۱۸٦) میں کہا: ابو یعلی نے اس حدیث کو روایت کیا، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور یہ بھی کہا (۹/۱۳۳، ۱۳۴) اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ فطر بن خلیفہ ثقہ ہیں۔

کون ہے‘ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، فرمایا: ’’تمہارا قاتل‘‘(۱)

ہم اخیر میں ابن تیمیہ کی مضحکہ خیز اور خندہ انگیز باتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے ان پیروکاروں سے کہتے ہیں جو اس کی الفت کے اسیر اور محبت کے دیوانے ہیں۔

اس شخص کا کیا حکم ہے جو کسی صحابی، خاص کر عشرۂ مبشرہ، اور خاص کر چاروں خلفائے راشدین مہدیین میں کسی کی تنقیص شان کرے؟۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۳۵۸/۳) میں تخریج کیا کہ سعد بن عبیدہ نے فرمایا: ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آئے، انھوں نے آپ سے عثمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے کام کی خوبیاں ذکر کیں، پھر فرمایا: شاید یہ بات تمہیں اچھی نہیں لگ رہی ہے؟ کہا: ہاں، فرمایا: اللہ تمہاری ناک خاک آلود فرمائے، پھر آپ سے علی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کے کام کی خوبیاں ذکر کیں اور فرمایا: ان کی شان یہی ہے ان کا گھر نبی پاک ﷺ کے گھرانوں میں افضل ہے پھر فرمایا: شاید تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی ہے، اس نے کہا: ہاں، فرمایا: تو اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے، جا اپنا کام کر۔

اے اللہ! ہمارے سردار محمد، اور آپ کی آل پاک پر صلاۃ وسلام نازل فرما۔

ابن کثیر پر ابن تیمیہ کے منفی اثرات مرتب ہوئے تو ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۲۳۲/۶) میں ایسی بات کہی جس کا گمان نہیں کیا جاسکتا تھا، انھوں نے کہا:

’’وعلي بن أبي طالب ليس من أهل البيت‘‘ ’’علی بن ابوطالب اہل بیت سے نہیں‘‘۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابن کثیر سے یہ لغزش کیوں ہوئی، ابن کثیر اس روایت کے بارے میں کیا کہیں گے جسے امام مسلم وغیرہ نے سیدہ عائشہ سے روایت کیا: حضور اقدس سید عالم ﷺ صبح کے وقت نکلے آپ کے تن اطہر پر نقش

(۱) حدیث ’’من أشقى الأولين‘‘ (اگلوں میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے) جابر بن سمرہ سے مروی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۷۴) میں فرمایا: طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی۔ اور امام احمد کے پاس اس کا شاہد عمار بن یاسر کی حدیث، اور طبرانی کے پاس صہیب کی حدیث ہے، اور ابویعلی کے نزدیک خود علی سے باسناد لین، اور بزار کے نزدیک باسناد جید مروی ہے۔

ونگار کی ہوئی سیاہ اونی چادر تھی، اتنے میں حسن بن علی آئے، حضور نے انہیں اپنی اس چادر اقدس میں داخل فرمالیا پھر حسین آئے انہیں بھی اپنے ساتھ اس چادر میں داخلفر مالیا، پھر فاطمہ آئیں آپ نے انہیں بھی اس چادر میں داخلفر مالیا، پھر علی آئے آپ نے انہیں بھی اس چادر انور میں داخل فرمالیا پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپا کی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے ستھرا کردے''۔(۱)

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۸۸۳/۴) میں سیدہ عائشہ سے، اور امام احمد (۱۰۷/۴) اور ابن ابوشیبہ (۳۷۰/۶) اور ابن حبان (۴۳۲/۱۵) اور حاکم (۴۱۵/۲) نے واثلہ بن اسقع سے اور امام احمد (۲۹۲/۶) اور حاکم نے (۴۵۱/۲) ام سلمہ سے، اور ترمذی (۳۵۱/۵) نے عمر بن ابوسلمہ سے روایت کیا۔

(۲۵) جنتی نوجوانوں کے سردار حسنین کریمین کی قدر و منزلت گھٹانے کے لیے ابن تیمیہ کا جوش غضب

ابن تیمیہ نے اپنی عادت کے مطابق اہل بیت کرام کی تنقیص شان کی خاطر اپنی کتاب منہاج (۱۶۸/۴-۱۶۹) میں کہا:

''رہ گئے باقی بارہ حضرات تو ان کی بہت سی صنفیں ہیں، جن میں بعض وہ صحابہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت وشہادت دی گئی جیسے حسن وحسین۔ جن صحابہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ان میں سے بہت سے حضرات ان دونوں کی اس فضیلت میں ان کے شریک ہیں، اور سابقین اولین میں ایسے حضرات ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں جیسا کہ اہل بدر، اور یہ دونوں حضرات (رضی اللہ عنہما) اگر جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں تو ابوبکر وعمر ادھیڑ عمر کے جنتیوں کے سردار ہیں اور یہ صنف اس صنف سے بلند تر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دونوں شہزادی رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر اہل سنت اور شیعہ سب کا اتفاق ہے کہ علی بن ابو طالب ان دونوں سے افضل ہیں حالاں کہ وہ شہزادیٔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے نہیں اور نبی پاک ﷺ کے فرزند ابراہیم ان دونوں سے زیادہ حضور کے قریب ہیں، اور وہ بھی سابقین اولین سے افضل نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! حسن وحسین کے مقابل ابن تیمیہ کے ان ادراکات واحساسات پر کیا کوئی لگام لگانے والا نہیں، یہ دونوں حضرات وہ ہیں جن کے بارے میں فرشتہ نے نبی پاک ﷺ کو یہ خوش خبری دی کہ یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ مزید توضیح کے لیے عرض ہے:

(۱) ابن تیمیہ اللہ ورسول کے حکم سے کیوں نہیں ادب سیکھتا تمام اہل اسلام تو اسی ادب سے راضی ہیں۔ وہ

ادب نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد پاک ہے: **الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة** ''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' ابن تیمیہ کو بھی حدیث متواتر کی صحت کا اقرار ہے۔

نبی پاک ﷺ کا ارشاد: ''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' خبر بھی ہے اور حکم بھی۔

(۲) حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور اللہ عز وجل کی بعض برگزیدہ مخلوق کو چھوڑ کر تمام جنتی مخلوقات پر انھیں یہ فضیلت حاصل ہے، بلا شبہ یہ حضرات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مثلاً حضرات انبیائے کرام، نیز ابوبکر وعمر، اس لیے کہ یہ دونوں ادھیڑ عمر کے جنتیوں کے سردار ہیں۔اس پر نبی پاک ﷺ کا ارشاد نص جلی ہے اور ایسا ہی علی ابن ابو طالب بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ خود نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، اور ان دونوں کے والد ان دونوں سے افضل ہیں'' اب ان حضرات کے علاوہ وہ شخص جس کے متعلق نبی پاک ﷺ کی طرف سے کوئی ایسی صریح نص نہیں جس میں یہ وارد ہو کہ وہ شخص ان دونوں سے افضل ہیں بلاشبہ حسن وحسین ان تمام لوگوں کے سردار ہیں، ابن تیمیہ مانے یا نہ مانے۔

(۳) نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حسن اور حسین تمام جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں مگر خالہ کے دو بیٹے عیسیٰ ابن مریم، اور یحيٰ بن زکریا۔اور فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں مگر جو مریم بنت عمران سے ہوں'' ابن تیمیہ اس ارشاد سے یکسر تجاہل کرتا ہے اورنظر انداز کرتا ہے، ایک بار بھی اسے نہیں ذکر کرتا حالاں کہ اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابویعلی، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور طبرانی نے تخریج کیا، اور حاکم نے اس کو صحیح کہا۔اور ذہبی نے اس کی موافقت کی اور بہت سارے محدثین نے اس حدیث کو صحیح وحسن کہا۔

(۴) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''سابقین اولین میں بعض حضرات ایسے ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں جیسا کہ اہل بدر'' یہ ابن تیمیہ کی ایسی خطا ہے جسے کوئی طالب علم نہ کرے گا اس لیے کہ امام بخاری (۱۸۵۵/۴) ومسلم (۱۹۴۱/۴) کی روایت میں یہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی

اللہ تعالی عنہ کو قتل کرنا چاہا، جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اہل مکہ کو خطاب کیا عمر نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے، اور تمہیں کیا معلوم، کہ اہل بدر کے بارے میں اللہ نے یہ فرمایا ہے: ''اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے''۔

خدائے پاک کا اہل بدر کو معاف فرمادینا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حضرات تمام جنتی نوجوانوں کے سرداروں سے افضل ہیں، اللہ عزوجل کروڑ ہا کروڑ مخلوقات کو بخشے گا تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ یہ تمام جنتی نوجوانوں کے سرداروں سے افضل ہیں؟

(۵) بعض اہل بدر وہ ہیں جنھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق آپ کی تہمت کے واقعہ میں کلام کیا، ان میں مسطح بن اثاثہ ہیں جن پر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خرچ فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اسی افک کے واقعہ کے بارے میں فرمایا: ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑی۔

اور عائشہ نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے، تو میں نے عائشہ سے کہا تم نے بری بات کہی ہے کیا بدر میں شریک ہونے والے مجاہد کو برا کہتی ہیں۔ عائشہ نے کہا: اے حضور! کیا آپ نے وہ نہ سنا جو لوگ کہہ رہے ہیں میں نے کہا کیا بات ہے؟ اب اس نے افترا پردازوں کی بات بتائی۔ (الحدیث)

بخاری (۱۷۷۵/۴) اور مسلم (۲۱۳۲/۴) دیکھیے۔

اور بعض اہل بدر کے بارے میں حضرت عمر نے حضور سے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن ماردوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تمہیں کیا معلوم، امید ہے کہ اصحاب بدر پر اللہ کا فضل متحقق ہو پھر فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے اہل بدر سے فرمایا: اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ جنتی نوجوانوں کے سرداروں پر کسی کو کیسے فضیلت دیتا ہے۔

(۲۶) رسول اللہ ﷺ کے فرزند قاسم بھی ابن تیمیہ کے اس میزان سے نہ بچ سکے جو اس نے حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت کے لیے قائم کر رکھا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ قول گذر چکا: ''اور اللہ کے نبی ﷺ کے فرزند ابراہیم حسن وحسین کی بہ نسبت حضور سے زیادہ قریب ہیں، اور وہ (ابراہیم) سابقین اولین سے افضل نہیں''۔

ہم کہتے ہیں:

ابن تیمیہ کے پاس کون سی دلیل اور کون سا مانع ہے؟ نبی پاک ﷺ کے فرزند ابراہیم اپنے رب کے حضور، حضور اقدس سید عالم ﷺ کی گود اور آپ کے آغوش تربیت میں ہیں، انہیں نبی پاک ﷺ کے ساتھ رہنے کے لیے کسی اذن کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ﴾ [الطّور-۵۲:۲۱]

ترجمہ:۔''ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی''

ہر بلند درجہ اپنے سے کم تر درجہ کو عزت وشرافت عطا کرتا ہے تو جو ذات مقام محمود کے بلند درجہ پر فائز ہو اس کی شرف نوازی کا کیا پوچھنا۔ اگر آپ زندہ رہتے تو نبی ہوتے جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا، حضرت خضر نے ایک ایسے بچہ کو قتل فرمایا جو قتل کا سزاوار تھا جب کہ ابھی وہ سن تکلیف کو بھی نہ پہنچا تھا کہ اس پر کفر کا حکم لگا کر اسے کافر قرار دیا جاتا مگر علم الٰہی میں اس کا کافر ہونا مقدر اور یقینی تھا اسی سبب وہ قتل کیا گیا، اور نبی پاک ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم اگر زندہ رہتے تو اللہ کے علم میں نبی ہوتے۔

وصل اللهم على سيدنامحمدولدآدم وعلى السيدة فاطمة سيدة نساء أهل الجنة وعلى الحسن والحسين سيداشباب أهل الجنة وجميع أهل البيت وإن كره الكارهون وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

(۲۷) ابن تیمیہ کے اصحاب بغیر کسی دلیل کے اس سے یہ کہتے ہیں: ''تو سب سے بڑا عالم ہے'' تو وہ خاموش رہتا ہے۔ خود ابن تیمیہ جنتی نوجوانوں کے سرداروں کے بارے میں یہ کہتا ہے:

''حسن وحسین کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا زاہد وعالم ہونا بے دلیل بات ہے''

ابن تیمیہ کا عجب معاملہ ہے کہ اس کے پاس چند پیمانے ہیں جو اس کے دل کی چھپی ہوئی گستاخیاں ظاہر کرتے رہتے ہیں، اس نے اپنی کتاب **الجواب الصحیح** (۵۳/۶) میں صحابی جلیل ابوعبیدہ بن جراح کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''آپ کے امیر کبیر ابوعبیدہ تمام مخلوق میں سب سے بڑے تارک الاموال، اپنے خالق کے سب سے بڑے عبادت گزار، اللہ کی مخلوق پر سب سے بڑے مہربان، اور خواہش نفس سے زیادہ دور رہنے والے تھے اسی لیے نبی پاک ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''إن لكل أمة أمينا وأمين هذه الأمة أبوعبيدة بن الجراح''.

ترجمہ:۔''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں''۔

اس ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح ساری مخلوق میں سب سے بڑے زاہد وعابد، ان میں سب سے زیادہ مہربان، اور خواہش نفس سے زیادہ دور رہنے والے ہیں''۔

پھر اس کے بعد اپنی کتاب منہاج (۴۱/۴) میں حسن وحسین کے متعلق یہ ہرزہ سرائی کی: ''اور ان دونوں کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا زاہد وعالم ہونا بے دلیل بات ہے''۔

(۱) ہم ابن تیمیہ کے پیروکاروں سے کہتے ہیں کہ جنتی نوجوانوں کے سردار کے خلاف ابن تیمیہ کی ہرزہ سرائی پر کوئی دلیل ہے؟

(۲) ابوعبیدہ ابن جراح کے لیے کیوں یہ ثابت کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑے زاہد و عابد و مہربان، اور خواہش نفس سے دور رہنے والے ہیں، اور حسن و حسین رضی اللہ تعالی عنہما کے لیے کیوں یہ ثابت نہ کیا؟ ہوسکتا ہے ابن تیمیہ کا کوئی ریزہ خوار اس کی حمایت میں یہ کہے کہ ابوعبیدہ بن جراح عشرہ مبشرہ سے ہیں، نیز اس امت کے امین ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں بلاشبہ آپ کی یہی شان رفیع ہے، اور حسن و حسین بھی تو تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے اس پر نص فرمادیا ہے۔ اور یہ بہت ہی بلند و بالا مقام ہے، تو ابن تیمیہ کو صرف حسن و حسین ہی کی فضیلت کے بارے میں کیوں دلیل درکار ہے؟

(۳) ابن تیمیہ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ: ''حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' اور جب یہ دونوں حضرات تمام جنتی جوانوں کے سردار ہوئے تو اس مقام تک رسائی کے لیے دو وجہوں میں سے کوئی ایک وجہ ضرور ہوگی کسب، یا اللہ کی عطا سے انھیں یہ مقام ملا۔ کسب کا مطلب یہ ہے کہ: یہ مقام ان دونوں کی کوششوں سے انھیں ملا لیکن اللہ عزوجل کی بخشش وعطا یہ ہے کہ یہ دونوں نبی پاک ﷺ کا پارہ جگر ہونے کے سبب آپ کے اہل بیت ہیں، اور نبی پاک ﷺ کی قرابت کے سبب ان حضرات کو اللہ نے اس شرف سے نوازا، اور یہ گذر چکا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نبی پاک کی قرابت کا کوئی نفع ہی نہیں جب کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف یہ مسئلہ ہے تو ابن تیمیہ کے سامنے اب صرف ایک ہی راہ رہی کہ وہ اس شرف کا کسبی ہونا تسلیم کرے۔ اور سیادت کا کسبی ہونا بھی اسے تسلیم نہیں جیسا کہ وہبی ہونا تسلیم نہیں۔

(۴) ابن تیمیہ کا حال ناظرین پر واضح ہو چکا کہ وہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کی بلند و بالا شان میں یہ کہتا ہے:

''ان حضرات کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہونا بے دلیل بات ہے'' مگر اس کے برخلاف کتاب الأعلام العلية في مناقب ابن تيمية (۴۶/۱) میں اس کا ایک ریزہ خوار لکھتا ہے: ''اگر کسی دور دراز کے عام آدمی سے بھی یہ پوچھا جائے کہ اس زمانہ کا سب سے بڑا زاہد، دنیا کے فضولیات کے ترک میں سب سے بڑا کامل، اور طلب آخرت کا زیادہ حریص کون ہے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ میں نے ابن تیمیہ جیسا کسی

کو نہ سنا''۔

اور''**الـردالـوافر على من زعم أن من أطلق على ابن تيمية شيخ الإسلام فهو كافر**'' (۱۲۹/۱) میں مزی نے کہا:

''میں نے کتاب اللہ، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اس سے بڑا عالم، اور اس سے زیادہ متبع نہ دیکھا''۔

بھلا بتائیے یہ کوئی رد ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پوچھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم وزاہد ہونا محتاج دلیل نہیں، اور حسن وحسین کا تمام جنتی جوانوں کا سردار ہونا، اور اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم وزاہد ہونا محتاج دلیل ہے۔

ابن تیمیہ نے جنتی جوانوں کے سرداروں پر مسلسل زہرافشانی کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۵۵۰/۴) میں ایسی گفتگو کی جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ باطنی چیزوں کا عالم، اور وہی ان کی سیادتوں کو قائم رکھنے والا ہے:

''انہیں اور ان کے بھائی کو اللہ کی بارگاہ سے پہلے وہ سعادت ملی جو بغیر ابتلا اور امتحان وآزمائش کے نہیں ملتی''

میں کہتا ہوں: اسے کس نے یہ بتایا اور کس نے یہ حکم دیا، کیا اس کے پاس لوح، یا قلم، یا میزان ہے، ''اور ان دونوں کے پاس وہ سابقہ چیزیں نہیں جو ان کے اہل بیت کے پاس تھیں''۔

میں کہتا ہوں: یہ تسلیم کرنا کہ فضل وکمال صرف عمل ہی سے حاصل ہوتا ہے، یہ کہاں ہے؟ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿**يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ**﴾ [البقرہ-۲:۲۶۹]

ترجمہ: ''حکمت اللہ کی عطا ہے جسے دینا چاہے''

''وہ دونوں آغوش اسلام میں عزت وامان کے ساتھ پروان چڑھے، تو ایک نے زہر سے شہید ہوکر دنیا سے سفر کیا، اور دوسرے تلوار سے شہید ہوکر دنیا سے گئے''، **میں کہتا ہوں:** کیا یہ ادب ہے، یہ کیسا اسلوب ہے۔ کیا اہل جنت کی سردار عورتیں اس لیے شہید ہوئیں تا کہ انہیں سعداء کا مقام اور شہدا کا عیش حاصل ہو،'' اوران دونوں کا اس طرح (شہید ہوکر) سفر آخرت اس لیے ہوا تا کہ اس کے ذریعہ انہیں سعدا کا مقام اور شہدا کا عیش حاصل ہو''۔

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ شرک بالعمل کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے، سعادت کبھی بندے کو بے عمل، اور کبھی معمولی عمل، اور کبھی اللہ عزوجل کے محض فضل سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ بندہ عمل سے دور رہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿اللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۳]

ترجمہ:''اور اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے''۔

اور صحیح بخاری (۴/۱۹۱۷) میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''تمہاری اجل گزشتہ امتوں کے اجل کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان ہے، اور تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جیسا کہ کسی نے کسی کو کام کے لیے مزدور رکھا اور کہا ایک قیراط پر آدھا دن کون میرا کام کرے گا تو یہود نے کام کیا، پھر اس نے کہا کون آدھے دن سے عصر تک کرے گا تو نصاریٰ نے کیا، اس کے بعد تم لوگ دو دو قیراط کے بدلے عصر سے مغرب تک کام کرتے ہو، اس پر ان لوگوں نے کہا کام ہمارا زیادہ ہے اور عوض کم ہے؟ تو اس مالک نے کہا: کیا میں نے تمہارے مقررہ حق میں کچھ کمی کر کے تم پر ظلم کیا؟ وہ لوگ کہیں گے نہیں، وہ مالک کہے گا: یہ میرا فضل ہے جسے

چاہوں دوں''۔

(باب أحادیث الانبیاء۵۶۷۹، باب فضائل القرآن۵۰۷۳)

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی پیش نظر رہے جس میں یہ ہے کہ: "**لن یدخل أحدکم الجنة بسبب عمله**" تم میں سے کوئی اپنے عمل کے سبب جنت میں نہ جائے گا، صحابہ عرض کریں گے: اور آپ بھی یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: **ولا أنا إلا أن یتغمدني الله برحمته** ''اور میں بھی جب تک کہ اللہ کی رحمت سایہ فگن نہ ہو''۔

(۵) اس مقام پر یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن تیمیہ کی کتاب "**الزھد والورع والعبادة**" (۸۵/۱) میں ہے کہ ابوالقاسم مغربی نامی ایک شخص نے ابن تیمیہ کے نام ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ ہے:

''شیخ إمام بقیة السلف، قدوة الخلف، أعلم من لقیت ببلاد المشرق والمغرب، تقي الدین أبوالعباس أحمد بن تیمیة، برائے کرم مجھے ایسے امر کی وصیت فرمائیں جس میں میرا دینی صلاح، مضمر ہو''

اس مکتوب کے آخر میں ہے: ''والسلام الکریم علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' الخ

ابن تیمیہ نے اس کے جواب میں ایک لمبا خط لکھا جس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ "**أعلم من لقیته ببلاد المشرق والمغرب**" (بلاد شرق وغرب کا سب سے بڑا عالم ہے) اور نہ اس کے مکتوب میں یہ ہے کہ میری تعریف نہ کرو۔

خود ابن تیمیہ لوگوں کو یہ ڈھیل اور چھوٹ اور عام اجازت دیتا ہے کہ لوگ اسے بلاد شرق وغرب کا سب سے بڑا عالم کہیں، اور جب جنتی نوجوانوں کے سردار حسن وحسین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد وعالم ہیں تو اس کا منہ بگڑ جاتا ہے۔

وصل اللھم علی سیدنا محمد

''اے اللہ! ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر درود وسلام نازل فرما جنھوں نے یہ فرمایا:''**لو أن رجلا صفن بين الركن والمقام فصلى وصام، ثم لقي الله وهو يبغض لأهل بيت محمد دخل النار**'' ''اگر کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوکر صوم وصلوٰۃ میں مشغول رہے پھر خدا سے اس حال میں ملے کہ اس کے دل میں اہل بیت محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) سے بغض ہو، وہ جہنم میں داخل ہوگا، اور آپ کی آل واصحاب پر رحمت وسلام نازل فرما۔

(۲۸)ابن تیمیہ اور خون حسین

ابن تیمیہ کہتا ہے کہ: جس درخت پر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون بہا اس کے جلانے، اسے ایندھن اور کوئلہ بنانے سے کوئی بھی چیز مانع نہیں۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ عالی مقام ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ کا محبوب ترین وہ ہے جو حسین سے محبت رکھے''(۱) آپ کے بارے میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شہادت دی کہ آپ جنتی جوانوں کے سردار ہیں، حسین

(۱) امام احمد (۱۷۲/۴) نے اس حدیث کی تخریج کی اور ترمذی (۶۵۸/۵) نے تخریج کر کے اسے حسن کہا۔ اور ابن ماجہ (۵۱/۱) اور ابن ابوشیبہ (۳۸۰/۶) اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۴۲۷/۱۵، ۴۲۸) اور حاکم نے مستدرک (۱۹۴/۳) اور طبرانی نے کبیر میں اسے روایت کیا (۳۲/۳) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کو حسن کہا (۱۸۱/۹) اور سیوطی نے جامع صغیر (۱۴۸/۱) میں روایت کیا، اور بوصیری نے مصباح الزجاجۃ (۲۲/۱) میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ فرشتوں نے حسین کی شہادت کی خبر دی ہے ہم حافظ ھیثمی کی مجمع الزوائد (۱۸۷/۹) کی تخریجات واقوال کے حوالہ سے ان کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

حافظ ہیثمی نے کہا:

انس ابن مالک کی حدیث میں ہے کہ: ''ملک قطر (بارش کے فرشتہ) نے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو سرکار نے اس کو اجازت دے دی آپ نے ام سلمہ سے فرمایا: دروازہ بند کر دو تا کہ کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے، اتنے میں حسین بن علی آئے وہ حضور کی خدمت میں داخل ہونا چاہتے تھے اور ام سلمہ نے انہیں منع فرمایا تو وہ کود کر داخل ہوئے، اور نبی پاک کی پشت اقدس، اور آپ کی دوش مبارک، اور گردن پر کھیلنے لگے تو فرشتہ نے نبی پاک سے عرض کیا کیا یہ آپ کے محبوب ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، فرشتہ نے کہا آپ کی امت عنقریب انہیں شہید کرے گی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خاک شہادت آپ کو دکھادوں، فرشتہ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک خاک سرخ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ام سلمہ نے اسے لے کر اپنی اوڑھنی میں رکھ لیا، ثابت نے فرمایا: ہمیں خبر ملی کہ وہ خاک کربلا ہے۔

وہ ہیں کہ جبریل امین نے ان کی شہادت گاہ ''کربلا'' کی سرخ مٹی حضور کولا کردی، حضور اقدس نے اسے

اس حدیث کوامام احمد، ابویعلی، بزاراورطبرانی نے چندسندوں سے روایت کیا، اوراس روایت میں عمرہ بن زاذان ہیں جنھیں ایک جماعت نے ثقہ کہا۔ اوران میں ضعف ہےاورابویعلی کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔

نجی حضرمی نے فرمایا کہ وہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ چلے، وہ آپ کے ساتھ آپ کا سامان طہارت لے کر چلتے، صفین جاتے ہوئے جب نینویٰ کے مقابل پہنچے تو علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آواز دی، اے ابوعبداللہ! فرات کے کنارے صبر فرمائیں میں نے کہا: کیابات ہے؟ توانھوں نے کہا: میں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں ایک دن پہنچا اورآپ کی چشمان مبارک اشک بار تھیں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ غصہ میں ہیں آپ کی چشمان اقدس کیوں اشک آلود ہیں؟ فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انھوں نے مجھے یہ بتایا کہ حسین فرات کے کنارے شہید کردیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کیا آپ وہاں کی خاک سونگھیں گے میں نے کہا: ہاں، فرمایا: جبریل نے اپنا ہاتھ پھیلایا اورایک مشت خاک لاکر مجھے دی تو میری آنکھیں اشک ریز ہوگئیں'' اس حدیث کوامام احمد، ابویعلی، بزاراورطبرانی نے روایت کیا۔ اوران کے رجال ثقہ ہیں اورتنہا نجی حضرمی ہی اس حدیث کے راوی نہیں۔

اورعائشہ یاام سلمہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ان میں سے کسی سے فرمایا: ''میرے گھر میں ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: آپ کے فرزند حسین شہید کردیے جائیں گے۔ اگرآپ چاہیں تو میں ان کی شہادت گاہ کی مٹی آپ کو دکھاؤں تو اس فرشتہ نے سرخ مٹی لاکردی'' اس حدیث کوامام احمد نے روایت کیا۔ اوران کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اورام سلمہ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں جلوہ فرما تھے آپ نے فرمایا: ''میرے پاس کوئی نہ آئے'' ام سلمہ ابھی انتظار میں تھیں کہ حسین آئے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے رونے کی آواز سنی اور دیکھا کہ حسین حضور کے آغوش مبارک میں ہیں اورآپ روتے ہوئے ان کی پیشانی پر دست اقدس پھیر رہے ہیں۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کب حسین داخل ہوئے تو فرمایا: ''کہ جبریل علیہ السلام گھر میں تھے انھوں نے کہا کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں میں نے کہا: ہاں دنیا میں، انھوں نے کہا: آپ کی امت انہیں خاک کربلا میں شہید کردے گی جبریل نے وہاں کی خاک لاکر مجھے دکھائی'' حسین کی شہادت کے وقت جب ان کا محاصرہ ہوا تو آپ نے پوچھا اس زمین کا کیانام ہے؟ لوگوں نے کہا کربلا، توآپ نے فرمایا: اللہ اوراس کے رسول نے ''کرب وبلاء'' سچ فرمایا، اورایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ''خاک کرب وبلا'' سچ فرمایا، اس حدیث کوطبرانی نے مختلف سندوں سے روایت کیا اوران میں سے بعض کے رجال ثقہ ہیں۔

سونگھا اور اشک بار ہو گئے اور سیدہ ام سلمہ کو وہ خاک سرخ دی تو انھوں نے اسے اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا۔ آپ تو جگر گوشۂ رسول پاک ﷺ ہیں جیسا کہ صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا[1]۔ ابن تیمیہ آپ کی عزت وآبرو کو پامال کرر ہا ہے، اس کے نزدیک آپ کے خون کی حیثیت اور کوئی قدر و قیمت نہیں۔ **فلا حول ولاقوۃ إلاباللہ العلي العظیم**

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۱/۵۵) میں کہا:

''بعض لوگ طرفاء کی لکڑی اس لیے نہیں جلاتے کہ انہیں یہ خبر ملی ہے کہ طرفاء کے درخت پر حسین کا خون گرا ہے حالاں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس مخصوص درخت کا جلانا مکروہ نہیں اگر چہ اس پر کوئی بھی خون (یعنی خون حسین) گرے تو پھر جس درخت پر ان کا خون نہیں گرا اس کا جلانا کیوں کر مکروہ ہوگا''۔

میں کہتا ہوں:

اس کے رد میں ہم وہی کہیں گے جو حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے آپ سے عرض کیا

اور ابو طفیل فرماتے ہیں کہ بارش کے فرشتہ نے آپ سے اجازت چاہی کہ ام سلمہ کے گھر میں آپ کو سلام پیش کرے تو حضور نے فرمایا: ''میرے پاس کوئی نہ آئے'' اتنے میں حسین بن علی رضی اللہ تعالی عنہ آئے اور حضور کی خدمت میں داخل ہوئے تو ام سلمہ نے کہا وہ حسین ہیں، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''آنے دو'' تو سرکار کے دوش مبارک پر چڑھنے اور کھیلنے لگے اور فرشتہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اے محمد! کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں فرمایا: ''ہاں خدا کی قسم مجھے ان سے محبت ہے'' فرمایا آپ کی امت انہیں شہید کر دے گی۔ اور اگر میں چاہوں تو آپ کو ان کی خاک شہادت گاہ دکھا دوں تو اس نے مجھے ایک مشت خاک لا کر دی تو ام سلمہ نے اسے اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا کہ وہ خاک کربلا ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس کی اسناد حسن ہے۔ اھ تخریج ھیثمی

(۱) اثر ابن عمر یہ ہے کہ آپ نے حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: آپ جگر گوشۂ رسول ﷺ ہیں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۹۲) میں کہا: طبرانی نے اوسط میں اسے روایت کیا اور بزار کے رجال ثقہ ہیں۔
میں کہتا ہوں: اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۵/۴۲۴) میں اس کی تخریج کی۔

یارسول اللہ! آپ ان دونوں سے محبت فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا''(۱)

ابن تیمیہ اپنے منھ سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس حدیث پاک سے اس کا حال بخوبی واضح ہے، اس سلسلے میں صرف منافق ہی جنگ وجدال کرے گا، ابن تیمیہ کے بعض ریزہ خوار کبھی کبھی گزشتہ حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ **فلاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم۔**

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اپنی کتابوں میں ایک بھی حدیث اس سلسلے میں نہ ذکر کی کہ ملائکہ نے کربلا میں حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کی خبر دی، جب کہ حدیث میں ہے کہ جبریل سرخ مٹی لائے حضور نے اسے سونگھ کر سیدہ ام سلمہ کو دیا انھوں نے اس کو اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا شہادت حسین کی خبر کی حدیثیں بعض علمائے محدثین کے نزدیک حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

یہ بھی تعجب خیز ہے کہ ان دونوں نے ایک بار بھی حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ خصوصیت نہ ذکر کی کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''حسين مني وأنا منه'' ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں''

ہمارے تبصرے اور مواخذے اور خاص قابل لحاظ چیزیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو دوپہر کے وقت خواب میں خاک وغبار کی حالت میں دیکھا، آپ کے ساتھ ایک شیشی تھی جس میں تھوڑا خون تھا، آپ اس شیشی میں کوئی چیز تلاش کررہے تھے یا چن رہے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا ''میں حسین اوران کے اصحاب کا خون تلاش کررہا ہوں'' عمار نے کہا: ہم نے وہ دن یاد رکھا اور دیکھا کہ اسی دن حسین کی شہادت ہوئی۔

اس کو امام احمد (۲۴۲/۱)، عبد بن حمید (۲۳۵/۱) اور مستدرک میں حاکم (۴۳۹/۴) نے تخریج کیا۔ حاکم

(۱) ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۹/۹) میں کہا: احمد نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس کے رجال ثقہ ہیں، اور بعض کے بارے میں اختلاف ہے اور بزار نے اسے روایت کیا۔

نے کہا کہ: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخین نے اس حدیث کی تخریج نہ کی، اور طبرانی نے معجم کبیر (۳/۱۱۰) میں تخریج کی، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۹۳،۱۹۴) میں اس حدیث کو صحیح کہا، امام احمد اور طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا، امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں کہا کہ اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون چن رہے اور جمع فرما رہے ہیں اور ابن تیمیہ اس درخت کو جلانے سے گریز نہیں کرتا جس پر سید الشہدا امام حسین کا خون گرا۔

(۲) امام بخاری نے اپنی صحیح (۴/۱۴۹۴،۱۴۹۵) میں تخریج کیا کہ وحشی جب نبی پاک ﷺ کے چچا حمزہ کی شہادت کے کچھ سالوں بعد اسلام لائے تو آپ نے وحشی سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا چہرہ غائب رکھو۔ تو وہ آپ کی بارگاہ سے نکلے یہاں تک کہ حضور نے رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا۔ ذرا غور فرمائیں نبی پاک کو ایک مسلمان شخص کا چہرہ دیکھنا اچھا نہ لگا۔

کیا کوئی مسلمان یہ سوچ سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کسی درخت پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون دیکھیں اور اپنی امت کو اسے جلانے دیں؟

(۳) کیا کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ اللہ عزوجل حسین کا خون آگ میں جلائے گا؟

جب آپ کا یہ خیال ہے تو ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا:

"إن اللّٰه غیر معذبکِ ولا ولدِکِ"

ترجمہ:۔ اللہ عزوجل تم پر اور تمہاری اولاد پر عذاب نہ فرمائے گا

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۰۲) میں فرمایا کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۴) جس درخت پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے خون کے قطرات گرے کیا آپ کے گمان میں اسے بالکل جلایا جاسکتا ہے؟ طبرانی نے دوید جعفی سے روایت کیا کہ ان کے والد نے کہا: حسین کی شہادت کے دن لشکر حسین سے میں ایک اونٹ لوٹ کر لایا جب اس کا گوشت پکایا گیا تو وہ صرف خون ہی رہا۔
ھیثمی نے مجمع الزائد (۱۹۶/۹) میں کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔
اور طبرانی نے روایت کیا کہ زہری نے فرمایا: مجھ سے عبدالملک نے کہا کہ: آپ کون ہیں اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ حسین کی شہادت کے دن کون سی علامت ظاہر ہوئی، انھوں نے فرمایا: اس روز بیت المقدس میں جو کنکری اٹھائی جاتی اس کے نیچے تازہ خون نکلتا، پھر عبدالملک نے مجھ سے کہا: بے شک ہم اور آپ اس حدیث (کی روایت) میں دو ساتھی ہیں۔
ھیثمی (۱۹۶/۹) نے کہا کہ: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔
طبرانی نے بروایت زہری یہ بھی روایت کیا کہ حسین کی شہادت کے دن ملک شام میں جو بھی پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون ظاہر ہوتا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۹۶/۹) میں کہا کہ: اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(۵) کیا ابن تیمیہ کا یہ اسلوب سرداران جنت کے شایان شان ہے؟ کیا اس اسلوب سے ادب میں اضافہ ہوگا، یا مزید جرأت وجسارت اور بے باکی پیدا ہوگی؟

(۶) کیا ابن تیمیہ کی ان ناپاک فکروں سے ایسی قومیں تیار ہوں گی جو اہل بیت کرام کی تعظیم وتکریم بجالائیں، اور نبی پاک اور اہل بیت کی عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت کریں، یا ایسی سنگ دل، سخت جاں نسلیں جنم لیں گی جنہیں نبی پاک اور آپ کے اہل بیت کی حرمت اور عزت وآبرو کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ ہوگا۔ اللہ کی مخلوق کے اندران نوزائیدہ نسلوں کا بس ایک ہی کام ہے ان میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا کر کے ان کی عزت وآبرو پامال کر کے ان کا خون ومال مباح ٹھہرا لینا۔

ابن تیمیہ نے یہ جملہ: ''یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس مخصوص درخت کا جلانا مکروہ نہیں اگر چہ اس پر کسی

کا بھی خون ہو' کہاں سے ذکر کیا، اور فقہ کے ابواب میں سے کس باب سے سیکھا کہ فی نفسہ اس مخصوص درخت کے جلانے میں کوئی کراہت نہیں اگر چہ اس پر حسین کا خون کیوں نہ ہو۔

(۷) اے ابن تیمیہ کے ریزہ خوارو! اللہ کا خوف کرو۔

ابن تیمیہ کی زہر افشانی، اور اس کی دسیسہ کاری پر نظر فرمائیں وہ اپنے خوفناک، اور پر فریب اسلوب کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ وفریب دینا چاہتا ہے مثلا اس نے یہ کہا: '' یہ ایک واضح اور معلوم حقیقت ہے کہ ایسا درخت ایک عام درخت کی طرح ہے ۔سارے علما کا اتفاق ہے کہ اس درخت کا جلانا مکروہ نہیں اور ائمہ کے اجماع سے یہ حکم ثابت ہے'' اس کے علاوہ اور بھی دوسرے الفاظ اور جملے ہیں جن سے ابن تیمیہ سادہ ذہن، اور سادہ لوح عام مسلمانوں، بلکہ بعض عالم کہلائے جانے والوں، یا ایسے لوگوں کو متاثر کرنا چاہتا ہے جو لوگ ان باطل دعووں سے لوگوں کو مقہور کرنا چاہتے ہیں، اور جن کا کام ہی جھوٹ پر جھوٹ بولنا ہوتا ہے، اور انسان قصدا جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا جھوٹا ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔

(۸) اگر آپ کے پاس اس درخت کا کوئی ٹکڑا ہو جس پر حسین کا خون گرا ہو کیا آپ اسے جلا کر اس سے چائے، یا کھانا بنانا یا حقہ بھرنا پسند کریں گے، والعیاذ باللہ تعالی یا اسے کہیں محفوظ کر کے رکھ دیں گے جیسا کہ ام سلمہ نے خاک کربلا کو اپنے دوپٹہ میں محفوظ کر کے رکھ دیا تھا۔

(۹) ذرا بتائیں اگر کوئی زندیق اس درخت کا ٹکڑا جلا ڈالے جس پر حسین کا خون بہا اور کبھی نہ جلایا جائے تو کیا حسین کے نانا جان ﷺ کو اس بد باطن کی یہ حرکت پسند آئے گی؟

(۱۰) اس طرح کے مسائل میں ابن تیمیہ کی ہرزہ سرائی اور گستاخی و بے ادبی جب ناظرین پر واضح ہو چکی تو اب انہیں تقی حصنی اور علاء بخاری وغیرہما کے قول سے متفق ہو جانا چاہئے، ان حضرات نے اگر چہ ابن تیمیہ کی تکفیر نہ کی مگر اس کو فاسق و زندیق کہا اور یہ کہا کہ: ابن تیمیہ کا سینہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے کینہ سے آلودہ و پراگندہ ہے۔

(۱) کیا ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ: اللہ تعالی اس شخص کو جلائے جو حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون جلانا چاہے، یا کسی کو اس رائے سے اتفاق ہے کہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون جلانا جائز ہے؟

(۲) کیا آپ کو حسین سے محبت ہے؟ اور کیا حسین کی محبت رکھنے والا ابن تیمیہ کی بولی بولے گا؟

(۳) آپ کے دل میں کس کا قرب اور کس کی تعظیم وتوقیر زیادہ ہے، جنتی نوجوانوں کے سردار فرزند رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، یا ابن تیمیہ کی جس کے بارے میں لوگوں کا شدید اختلاف ہے؟

کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی حرمت وآبرو کی فکر ہے، یا ابن تیمیہ کی شہرت وعزت کی؟

وصل اللھم علی سیدنا محمد وعلی آل بیتہ الأطھار

(۲۹) ابن تیمیہ اور تنقیص شان اہل بیت

کیا یہ ممکن ہے کہ ابن تیمیہ اہل بیت کرام، اور سردار اہل جنت کے فرزند، سید جلیل علی بن زین العابدین، اور آپ کی اولاد، بلکہ آپ کے متعلقین واحباب کی تعظیم وتکریم باقی رکھے گا؟

ہشام بن عبدالملک خلیفہ بننے سے پہلے حج کرنے گیا اور حجر اسود کا بوسہ لینے کی کوشش کی تو نہ لے سکا، اور حسین بن علی آئے تو لوگ آپ کو دیکھ کر دور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ آپ بوسہ سے فارغ ہو گئے، ہشام بن عبدالملک کے لیے منبر قائم کیا گیا جب وہ منبر پر بیٹھا تو اہل شام نے اس سے پوچھا اے امیر المومنین! یہ کون صاحب ہیں؟ تو اس نے کہا: میں انہیں نہیں جانتا تو فرزدق شاعر نے بڑا پیارا جواب دیا اور کہا: میں آپ کی شخصیت خوب جانتا ہوں یہ علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہما ہیں، اور آپ کی شان اقدس میں یہ اشعار کہے:

(۱) هـذا ابـن خيـر عبـاد اللّٰـه كـلهـم هٰـذا التـقـي الـعـلـم

(۲) هٰـذا الـذي تـعـرف البـطـحـاء وطـأتـهٗ والـحل والـحـرم

(۳) يـكـاد يـمسـكـهٗ عـرفـان راحتـهٖ عـنـدالـحـطيم إذا مـاجـاء يستلم

(۴) إذا رأتـهٗ قـريـش قـال قـائـلهـا إلـى مـكـارم هٰـذا يـنتهـي الـكـرم

(۵) إن عـد أهـل التـقـى كـانـوا أئِـمتهم أوقيل من خيرأهل الأرض قيل هم

(٦) هٰـذا ابـن فـاطـمة إن كـنـت جـاهـلـهٗ بـجـدهٖ أنبيـاء اللّٰـه قد ختموا

(۷) ولـيـس قـولـک مـن هٰـذا بـضـائـرهٗ الـعـرب تعرف ماأنكرت والعجم

(۸) يـغـضـي حيـاء ويـغـضـى مـن مهـابتـهٖ ولايـكـلـم إلا حيـن يبتسمُ

(۹) أي الـخـلائـق ليسـت فـي رقـابهـم لأولية هٰـذا أولـهٗ نـعـم

(۱۰) مـن يـعـرف الـلـه يـعـرف أولية ذا فـالـدين من بيت هٰذا نـالـه الأمم

ترجمہ:

(۱) یہ اللہ کے بندوں میں سب سے افضل وبہتر ذات پاک کے فرزند ہیں، یہ تقوی شعار اور قوم کے سردار ہیں۔

(۲) یہ وہ ذات پاک ہے جن کی خاک پا اور نشان قدم کو بطحا اور حل وحرم جانتے ہیں۔

(۳) ان کے کف دست کی معرفت انہیں حطیم کے پاس روکے رکھتی ہے جب وہ سنگ اسود کا بوسہ لینے آتے ہیں۔

(۴) جب قریش نے انہیں دیکھا تو ان کے ایک کہنے والے نے کہا یہ کرامت وشرافت کے منتہا ہیں۔

(۵) اگر اہل تقوی کو شمار کیا جائے تو وہ ان سب کے امام ہوں گے، یا یہ کہا جائے کہ زمین پر سب سے افضل کون لوگ ہیں تو کہا جائے گا یہی لوگ افضل ہیں۔

(۶) یہ فاطمہ کے فرزند ہیں، اگر تو انھیں نہیں جانتا تو نہ جانے۔ ان کے نانا جان خاتم الانبیا ہیں۔

(۷) تیری اس بات سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا عرب وعجم کو تیرے اس انکار کا حال خوب معلوم ہے۔

(۸) وہ شرم وحیا کے سبب اپنی نگاہیں پست رکھتے ہیں، اوران کی ہیبت کے سبب ان کے حضور لوگوں کی نگاہیں پست رہتی ہیں، ان سے کلام کی جرأت وہمت اسی وقت ہوتی ہے جب تبسم ریز ہوتے ہیں۔

(۹) مخلوقات میں کون ایسا ہے جس پر آپ کو فضیلت و برتری حاصل نہ ہو، یا آپ کے احسانات کے زیر بار نہ ہو۔

(۱۰) جسے اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ آپ کی فضیلت خوب جانتا ہے، یہ وہ بلند وبالا ذات ہیں جن کے گھر سے امت کو سچا دین ملا۔[1]

(۱) ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۱۳۹/۳) میں اس کی تخریج کی، اور ابن الجوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۹۹/۲)، اور حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۰۱/۲۰)، اور ذہبی نے سیر (۳۹۸/۴) میں تخریج کیا، اور ابوالفرج اصفہانی نے الاغانی (۳۱۶/۱۵) میں دونوں بیتوں کے آخر میں اضافہ کیا، اور صدیق حسین خاں نے ترجمہ فرزدق ابجد العلوم (۷۶/۳) میں کہا: اوران کے قصائد مشہور ہیں انہیں میں سے ان کا وہ مشہور قصیدہ ہے جو امام زین العابدین کی مدح میں کہا بہت سارے علمائے امت نے اس کی شرح فرمائی۔

یہ وہ امام عالی شان ہیں جن کی صلب اطہر سے جو بھی نسل جاری ہوتی ہے وہ نجیب وشریف اور حسینی کہلاتی ہے ، ابن تیمیہ ان کی بلند شان میں جرأت وجسارت، اور دریدہ ذہنی کرتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ یزید بن معاویہ کے لشکر خوں خوار سے ہے جس نے اہل بیت کی حرمت وفضیلت کو پامال کیا، ان کی آبرو ریزی اور تنقیص شان کی، اور جنتی نو جوانوں کے سردار امام حسین کو ان کی آنکھوں کے سامنے شہید راہ حق کیا۔

کتنے دشمنان اہل بیت ایسے ہیں جو حسین کو زندہ شہید کرنا چاہتے ہیں اور کتنے دشمنان اہل بیت ایسے ہیں جو آپ کی شہادت کے بعد اہل بیت پاک کی کوئی فضیلت سننا نہیں چاہتے۔

ابن تیمیہ نے اہل بیت اطہار پر کلام کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۱۰۸،۱۰۷/۴) میں کہا:

''امت میں اہل بیت کے آثار سے زیادہ دوسروں کے عظیم ترین آثار اور کارنامے ظاہر ہوئے''۔

اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۱۷۰،۱۶۹/۴) میں کہا:

''ان بارہ ۱۲ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے علم و دین کو شہرت حاصل ہوئی مثلا علی ابن حسین، اور ان کے بیٹے ابوجعفر، اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد۔ ان کا حکم وہی ہے جو ان کی طرح دوسرے لوگوں کا ہے کیوں کہ امت میں ان کی طرح، اور ان سے افضل بہت سے لوگ ہیں، جن کی بدولت مسلمانوں کا دینی اور دنیاوی فائدہ اس سے کئی گونا زیادہ ہوا جو ان حضرات (علی وغیرہ) سے ہوا''۔

اس نے اسی کتاب (۳۸۷/۶) میں کہا:

''علی بن حسین، اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد نے لوگوں کو وہ (علوم وآداب واحکام) سکھائے جو اللہ نے انہیں بخشے، اور امت میں ان سے بھی زیادہ علم والے ہوئے جو امت کے لیے ان سے زیادہ نفع بخش اور فیض رساں ثابت ہوئے''۔

اس نے اسی کتاب (۱۱۶/۴) میں کہا:

''علی بن حسین، اوران کے بیٹے ابوجعفر،اوران کے بیٹے جعفربن محمدوغیرہم بھی اس اعتبارسے ائمہ اہل سنت وجماعت سے ہیں تواس جماعت(شیعہ)نے جس امام عالم وزاہدکی اقتدا کی اہل سنت نے بھی اس کی اوردوسری جماعتوں کی اقتدا کی اور یہ دوسری جماعتیں علم وزہدمیں اس امام جیسا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

سب سے پہلے وہ روشن ارشادملاحظہ ہوجسے امام ابوالمحاسن حنفی نے اپنی کتاب معتصر المختصر(۳۲۹/۲-۳۳۰)میں تحریرفرمایا:

''جوشخص حضورکی عترت پاک کواس مقام سے نکالے جواللہ عزوجل نے اپنے نبی پاک کی زبان اقدس پرانہیں بخشا،اورانہیں وہ لباس پہنائے جوآپ کی عترت کالباس نہیں ایساشخص ملعون ہے''۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ سے پہلے کس نے ایسی جرأت وبے باکی کی، اورامام علی زین العابدین،اورآپ کے اہل بیت اطہارکی شان میں کس نے اس طرح کی بیہودہ باتیں کیں؟

(۱) کہ امت میں ان سے زیادہ دوسروں کے عظیم ترین آثار،اورکارنامے ظاہرہوئے،کس نے ابن تیمیہ کو یہ بتایا،اگرتمہارے اندرذرابھی صداقت ہے توبتاؤ۔

(۲) کس نے یہ کہا کہ امت میں ان کی طرح اوران سے افضل بہت سے لوگ ہیں جن سے مسلمانوں کا دینی اوردنیاوی نفع اس سے کئی گونا زیادہ ہواجوان حضرات(علی وغیرہ)سے ہوا؟

ابن تیمیہ کاذرایہ اسلوب دیکھیے کہ اس نے یہ کہا:(یہ لوگ)یہ نہ کہا:اہل بیت اوررسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک،ابن تیمیہ بتائے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت سے افضل کون بہت سارے حضرات ہیں؟

ابن تیمیہ کے ریزہ خوار بتائیں کہ وہ کون ارباب علم ہیں جن کا ذکر ابن تیمیہ نے اپنے اس کلام ''یہ اہل علم کے نزدیک مشہور ہے'' میں کیا؟

اور اپنی کس کتاب میں انھوں نے یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسہ زادہ حضرت علی زین العابدین سے فلاں افضل ہے ان کا نام کیوں نہ ذکر کیا، اور ان کا کلام کیوں نہ نقل کیا؟

ہم قارئین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ علی بن حسین بن علی بن ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اطہار اور آپ کی پاکیزہ اولاد سے ہیں جن پر اللہ نے ہمیں درود بھیجنے کا حکم فرمایا۔ حضور کی ذریت کے لیے یہ عظیم سرمایۂ افتخار ہے۔

اور بخاری (۱۲۳۲/۳) و مسلم (۳۰۶/۱) کی وہ روایت اچھی طرح ذہن نشین رہے جو ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کس طرح آپ پر درود بھیجیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یوں پڑھیے:

''اللھم صل علی محمد وأزواجه وذريته كماصليت علی إبراهيم، وبارک علی محمد وأزواجه وذريته كمابارکت علی اٰل إبراهيم إنک حميدمجيد''

ان حضرات پر ہمیں درود بھیجنے کا حکم دیا گیا، اور یہ بہت بڑا سرمایہ افتخار ہے کہ اللہ عزوجل ان پر درود بھیجتا ہے اے عقل والو! کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔

تنقیص اہل بیت کرام کے موضوع کے حوالہ سے ذرا ابن تیمیہ کی یہ گستاخی بھی دیکھیں اس نے یہ دعوی کیا کہ اہل بیت پر درود بھیجنے سے دوسروں پر ان کے مظالم رفع نہ ہو جائیں گے۔

لاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم.

اے اہل بیت رسول پاک! تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے، اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں یہ حکم نازل فرمایا:

تمہارے لیے بڑے فخر کی بات یہ ہے کہ جس نے تم پر درود نہ بھیجا اس نے درحقیقت درود ہی نہ بھیجا۔

ہم کہتے ہیں: حافظ ذہبی نے فرمایا: ہمارے حضرت علی زین العابدین سید الشہدا کے فرزند رضی اللہ تعالی عنہما عظیم جلالت شان والے ہیں۔ بخدا انھوں نے آپ کی شان میں حق فرمایا اس لیے کہ بلاشبہ آپ امامت عظمیٰ کے اہل تھے اس لیے کہ آپ شرافت وسیادت کے پیکر، اور علم اور کمال عقل کے حامل تھے، ان کمالات کے پیش نظر آپ اس مقام پر فائز ہیں کہ امت آپ کا احترام کرے، اور امت کے وہ اکابر علما آپ کی تکریم شان بجا لائیں جن کے فیض کرم سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے۔

سعید بن مسیّب جو سادات تابعین سے ہیں ان سے ایک شخص نے کہا: میں نے فلاں سے زیادہ صاحب ورع نہ دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے علی بن حسین کو دیکھا؟ اس نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: میں نے آپ سے زیادہ صاحب ورع نہ دیکھا۔

اور زہری نے فرمایا: ’’میں نے خاندان قریش میں حسین بن علی سے افضل کسی کو نہ دیکھا‘‘، اور زہری نے یہ بھی فرمایا: ’’علی بن حسین کے ساتھ میری نشست ومجالست زیادہ نہ تھی، میں نے آپ سے زیادہ بلند پایہ فقیہ کسی کو نہ دیکھا، لیکن آپ قلیل الحدیث تھے۔

ابو بکر ابن البرقی نے فرمایا: حسین کی ساری نسل آپ کے فرزند علی اصغر سے ہے، آپ اپنے زمانہ میں برتر وافضل تھے۔

حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث (۵۳/۱) اور فتح الباری (۱۱/۳) وغیرہما میں ہے کہ ابوبکر بن ابو شیبہ نے کہا: تمام سندوں میں زیادہ اصح ’’ **زهري عن علي بن الحسين عن أبيه عن علي** ‘‘ ہے۔[1]

---

(۱) ابونعیم کی حلیۃ الاولیا (۱۴۱/۳)، ابن الجوزی کی صفوۃ الصفوۃ (۹۹/۲)، ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۸۷/۴-۳۹۱)، حافظ کی تہذیب (۲۶۹/۷)، اور حافظ سیوطی کی تذکرۃ الحفاظ (۷۵/۱) میں حضرت علی زین العابدین کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۰) امت مسلمہ کے نزدیک علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا اعلی وصف زین العابدین ہے، اور ابن تیمیہ آپ کا یہ وصف کمال سلب کرنا چاہتا ہے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ ابن تیمیہ کو اہل بیت کرام کی تنقیص شان کس قدر مرغوب ومحبوب ہے، اس نے اپنی کتاب منہاج (۴۲/۴) میں حضرت حسن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''حسن کے بارے میں یہ کہنا کہ: آپ نے اپنے لباس فاخرہ کے نیچے اونی پوشاک پہنا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علی (ابن حسین) کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ: وہ ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے، یہ کوئی فضیلت وبزرگی نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے'' اھ

اسی کتاب (۵۰/۴) میں تاکید کے ساتھ لکھا:

''یہ بات گذر چکی کہ شرعا ایک ہزار رکعت پڑھنا مکروہ طریقہ پر ہی ممکن ہے، یا کسی حال میں ممکن ہی نہیں اس لیے مناقب میں ایسی چیزیں ذکر کرنا بہتر نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا وصف زین العابدین اس لیے ہوا کہ آپ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ابن تیمیہ نے اس عمل کی فضیلت کا انکار کیا، اور اسے جھوٹ بتایا اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک علی ابن حسین زین العابدین کہلانے کے مستحق نہیں۔

اور یہ کوئی عجب نہیں اس لیے کہ جس کتاب کی عبارت ہم نے نقل کی ہے اس میں ابن تیمیہ نے علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا اسم گرامی ستائیس بار ذکر کیا مگر آپ کے نام پاک کے ساتھ آپ کا اعلی وصف ''زین العابدین'' ذکر نہ کیا، ہاں پانچ مرتبہ رافضی کے اقوال والفاظ کے تحت اس وصف خاص (زین العابدین) کا ذکر آیا ہے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ وصف کسی متشدد شیعی کا کلام بھی نہیں، پھر بھی اس نے اپنی عظیم

ترین کتابوں میں علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا وصف زین العابدین خود سے صرف دوبار ہی ذکر کیا۔

ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۱۰۰/۲)،حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۹۰/۲۰)اور ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۹۲/۴)اور حافظ نے تہذیب (۲۶۹/۷)اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۷۵/۱)وغیرہ میں ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل الشان امام مالک بن انس سے نقل کیا کہ انھوں نے علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا: مجھے یہ خبر ملی کہ آپ اپنے وصال تک روزانہ دن ورات میں ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے اور اسی کثرت عبادت کے سبب آپ کا لقب زین العابدین ہوا۔الخ

حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۵/۴۱) میں آپ کے حالات زندگی میں لکھا:(کثرت عبادت کے سبب اونٹ کے گھٹنے کے نشان کی طرح نشانیوں والے علی بن حسین بن علی بن ابوطالب زین العابدین کا یہ نام اس لیے پڑا کہ آپ ہر روز ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے جس کے سبب آپ کے دونوں زانو میں اونٹ کے زانو کے نشانات کی طرح نشانات پڑ گئے تھے‘‘الخ

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کلام: ’’یہ بات گذر چکی کہ شرعا ایک ہزار رکعت پڑھنا مکروہ طریقہ پر ہی ممکن ہے، یا کسی بھی حال میں ممکن ہی نہیں اس لیے مناقب میں ایسی چیزیں ذکر کرنا مناسب نہیں‘‘ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ابن تیمیہ کو یہ خبر نہیں کہ وقت میں برکت کس چیز کا نام ہے قرآن پاک میں مذکور ہے ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ [النمل-۲۷:۴۰] کہ جس کے پاس کتاب (اسم اعظم) کا علم تھا انھوں نے ملکۂ سبا (بلقیس) کا تخت شہر سبا سے پلک جھپکنے سے پہلے (چشم زدن سے پہلے) حاضر کر دیا۔لوگ اپنے محاورہ میں یہ بولتے رہتے ہیں: ’’کبھی کبھی معمولی وقت میں اتنی برکت ہوجاتی ہے کہ اس میں کافی کام ہوجایا کرتا ہے۔

ابن تیمیہ نے ہزار رکعت کے زمانہ کا حساب طول سے لگایا تخفیف سے نہیں ہمارا ابن تیمیہ سے یہ مواخذہ ہے کہ اس نے دن ورات میں کتنی نمازیں ادا کیں ہیں کہ اسے یہ معلوم ہوگیا کہ ایک ہزار رکعت کے لیے اتنا وقت

درکار ہے۔ کبھی ایک نماز میں چار یا دو رکعتیں ہوا کرتی ہیں۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ ! کس نے ابن تیمیہ کو یہ فتوی بتادیا کہ ایک ہزار رکعت، یا اس سے کم نماز پڑھنے میں کوئی فضیلت نہیں زہد ورقائق کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرات سلف صالحین باری باری ایک سو ۱۰۰ رکعت سے لے کر ہزاروں رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور بعض حضرات دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک تسبیحات کے وظیفے فرماتے۔ اس کا شمار ان حضرات کے مناقب میں ہوتا ہے، اور اسے ان کی دائمی استقامت واطاعت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پھر ہم کہتے ہیں کہ تمہیں یہ خوب معلوم ہے کہ تمہارا پیشوا ابن تیمیہ حنبلی ہے۔ اور سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں یہ ایک ناقابل انکار ثابت شدہ حقیقت ہے کہ وہ ہر دن اور رات میں تین سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ثابت بنانی اور جنید بغدادی کا بھی یہی حال تھا، فتنہ کے بعد جب آپ کو مرض لاحق ہوا تو ہر دن ورات میں ڈیڑھ سو رکعت نماز پڑھا کرتے اس وقت آپ کی عمر شریف تقریبا ۸۰/اسی سال ہو چکی تھی۔

کیا امام احمد مبتدع تھے، اور ان کے اس عمل میں کوئی فضیلت نہیں؟

ہم ان سے کہتے ہیں کہ علمائے امت نے صالحین کے مناقب کے باب میں سات ایسے اسلاف صالحین کا ذکر فرمایا ہے جو ہر روز ایک ہزار رکعت نماز ادا فرمایا کرتے۔ ان حضرات علمائے امت نے علی بن حسین (زین العابدین)، اور علی بن عبداللہ ابن عباس، اور عامر بن عبداللہ، اور کہمس، اور بلال بن سعد، اور مصعب بن ثابت، اور مرہ بن شراحیل ہمدانی[1] کے متعلق اس کثرت عبادت کا ذکر فرمایا۔

(۱) ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۱۸۱/۹)، حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۵۸/۱، ۴۵۹) اور حافظ نے تہذیب (۶۴/۱) میں امام احمد کی نماز کی تخریج کی۔ علی زین العابدین کے متعلق جن حضرات نے ایک ہزار رکعت کا ذکر کیا ان کا ذکر گذر چکا، علی ۲ بن عبداللہ بن عباس کے بارے میں ربیع نے اپنی مسند (۲۸۶/۱)، ابن حبان نے ثقات (۱۶۰/۵)، حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۸/۲۱) اور ذہبی نے السیــــــــــر (۲۵۲/۵، ۲۵۳) اور حافظ نے تہذیب (۳۱۲/۷) میں ذکر کیا۔

اب ہم پھر حضرت علی زین العابدین بن حسین کی خصوصیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: مصعب بن عبداللہ زبیری نے سیدنا امام مالک بن انس سے روایت کیا: علی بن حسین نے احرام باندھ کر تلبیہ کا ارادہ فرمایا، تین بار تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ آپ اپنی اونٹنی سے گر گئے جس سے آپ کی ہڈی شکستہ ہوگئی۔

اور مجھے یہ خبر ملی کہ آپ اپنے وصال تک ہر دن ورات ایک ہزار رکعت نماز ادا فرمایا کرتے۔ آپ کی کثرت عبادت کے سبب آپ کا نام زین العابدین پڑا۔ اھ

اللہ امام مالک پر رحم فرمائے، کیا ابن تیمیہ کو امام احمد، اور امام مالک، اور سلف صالح سے زیادہ علم ہے؟ میرا خیال ہے کہ ایسا اعتقاد وہی بد مذہب رکھیں گے جن کی عقل پر ابن تیمیہ کے افکار ونظریات کا غلبہ نظر آتا ہے اور اس کے گھنے چھاؤں میں انھیں سکون وآرام ملتا ہے۔

اور عامر[3] بن عبداللہ کے بارے میں ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۸۸/۲، ۸۹)، بیہقی نے شعب الایمان (۱۵۳/۳) اور ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۲۰۲/۳) میں ذکر کیا۔ اور کہمس[4] کے متعلق ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲۱۱/۶)، ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۳۱۴/۳)، ذہبی نے السیر (۳۱۷/۵) اور حافظ نے میزان (۵۰۳/۵) میں ذکر کیا۔ اور بلال[5] بن سعد کے متعلق حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۲۹۲/۴)، ذہبی نے السیر (۹۰/۵، ۹۱) اور حافظ نے تہذیب (۴۴۱/۱) میں ذکر کیا۔ اور مصعب[6] بن ثابت کے متعلق ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۱۲۶/۲)، ذہبی نے السیر (۲۹/۷) اور حافظ نے میزان (۴۳۵/۶) میں ذکر کیا۔ اور مرہ[7] بن شراحیل ہمدانی کے متعلق ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۶۲/۴)، کلاباذی نے رجال صحیح البخاری (۷۳۲/۲) اور ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۳۴/۳) میں ذکر کیا۔

(۳۱) ابن تیمیہ اور امام جعفر صادق کی توہین

ابن تیمیہ کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل بیت کرام کی تنقیص وتوہین کرتا ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ابن تیمیہ ان تمام حضرات کی توہین کرتا ہے جن سے امت مسلمہ فطری محبت وعقیدت رکھتی اور ان کی تعظیم وتکریم بجالاتی اور ان کی بارگاہوں میں نذر عقیدت پیش اور جبین نیاز خم کرتی ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۳۳،۵۳۴) میں کہا:

''حاصل کلام ان ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی جعفر (صادق) سے فقہ کے کچھ قواعد نہ سیکھے ،ہاں ان حضرات نے جعفر سے حدیثیں روایت کیں جیسا کہ دوسروں سے روایت کیا، اور دوسروں کی روایت کردہ حدیثیں ان کی روایت کردہ حدیثوں سے کئی گونا زیادہ ہیں، زہری اور ان کی حدیث کے درمیان تو کوئی نسبت ہی نہیں، نہ قوت، نہ کثرت میں، امام بخاری کو ان کی بعض حدیثوں کے بارے میں شبہ ہوا اس وجہ سے کہ انہیں یہ خبر ملی کہ یحی بن سعید قطان نے فرمایا کہ: ان کے بارے میں کلام ہے اس لیے انھوں نے ان کی حدیث تخریج نہ کی۔ اور جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر جس قدر کذب کا طعن ہے کسی اور پر نہیں۔''

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے کلام میں تین نقطے ہیں جن کی بنیاد پر اس نے امام جعفر صادق کی توہین کی:

پہلا نقطہ:

یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یہ کہا: ''اُن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی جعفر سے فقہ کے کچھ قواعد نہ سیکھے''۔ یہ جعفر صادق اور اہل بیت کرام کی تنقیص وتوہین اور مکابرہ ہے، ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے یہ نہ کہا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ایک دوسرے سے اخذ نہ کیا مثلا امام احمد نے شافعی، اور امام شافعی نے امام مالک سے اخذ نہ کیا اور کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ ائمہ اربعہ نے امام جعفر صادق سے کچھ بھی قواعد فقہ نہ سیکھے۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۵۷/۶) میں ذکر کیا کہ: حسن بن زیاد نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا آپ سے پوچھا گیا آپ کی نظر میں سب سے عظیم فقیہ کون ہیں؟ تو فرمایا: میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہ دیکھا۔

حافظ ابن حجر کی تعجیل (۵۶/۱) میں بہلول بن عمر صیرفی معروف بہ مجنون کے ترجمہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا کہ میں نے انہیں بازار میں کھاتے ہوئے پایا تو میں (امام ابوحنیفہ) نے ان سے کہا: جعفر صادق جیسی شخصیت کے پاس مجالست رکھتے ہو اور بازار میں چلتے ہوئے کھاتے ہو۔

ذرا دیکھیے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر میں سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کا مقام کیسا ہے آپ یہ فرمارہے ہیں: جعفر صادق جیسی شخصیت کی مجلس میں بیٹھتے ہو اور بازار میں چلتے پھرتے کھاتے ہو؟

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۵۸/۶) میں ذکر کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب خلیفہ منصور جعفر صادق کو ''حیرہ'' کی سرزمین پر لے کر آیا تو میرے پاس خبر بھیجی اور کہا: اے ابوحنیفہ! جعفر بن محمد کے سبب یہاں کے لوگ فتنہ میں پڑ گئے ہیں اس لیے آپ امام کے لیے اپنے کچھ مشکل اور دشوار مسائل تیار کیجیے تو میں نے خلیفہ کے کہنے پر آپ سے سوال کرنے کے لیے چالیس مسئلے تیار کیے پھر میں ابوجعفر (خلیفہ منصور) اور جعفر کے پاس آیا تو خلیفہ نے مجھے اپنے داہنے جانب بیٹھایا جب میری نظر ان دونوں پر پڑی تو میرے دل میں جعفر کی ایسی ہیبت قائم ہوئی جو ابوجعفر (خلیفہ منصور) کے دیکھنے سے نہ ہوئی، پھر ابوحنیفہ نے فرمایا: میں نے امام جعفر صادق سے سوالات شروع کیے آپ ہر مسئلے کے بارے میں یہی فرماتے اس سلسلے میں آپ حضرات کا یہ قول ہے، اور اہل مدینہ منورہ ایسا ایسا فرماتے ہیں، اور ہم اس طرح حکم دیتے ہیں، کبھی تو وہ ہماری اور کبھی اہل مدینہ منورہ کی موافقت فرماتے اور کبھی ہم سب کی مخالفت فرماتے یہاں تک کہ میں نے آپ کی خدمت میں مکمل چالیس مسئلے پیش کیے اور ان مسائل میں سے کچھ بھی کم نہ کیا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: کیا ہم نے یہ روایت نہ کی کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جسے اختلاف علما کا زیادہ علم ہے۔

میں کہتا ہوں:

اللہ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھے۔ ذرا دیکھیے امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق کی کیسی تعریف

وتوصیف فرمارہے ہیں۔وہ تو یہ فرمارہے ہیں: ''کیا ہم نے یہ نہ کہا کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جسے اختلاف علما کا زیادہ علم ہے'' اور ذرا امام ابوحنیفہ کا وہ ادب ملاحظہ فرمائیں جسے صاحب طبقات حنفیہ (۴۶۳/۱) نے ذکر کیا کہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ: امام (ابوحنیفہ) مسجد حرام میں فتوی دے رہے تھے اچانک امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالی عنہما وعن آباءھما الکرام جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے پاس کھڑے ہوگئے جیسے ہی امام ابوحنیفہ کو آپ کا علم ہوا عرض کیا: اے فرزند رسول پاک! اگر مجھے پہلے ہی سے آپ کے قیام کا علم ہوتا تو آپ کھڑے رہتے اور میں بیٹھا نہ رہتا پھر آپ نے فرمایا: آپ بیٹھ کر حکم شرع بیان فرمائیں میں نے اپنے آبائے کرام کو اسی طریقہ پر پایا۔

رہے سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ تو حافظ نے تہذیب التہذیب (۸۸/۲) میں ذکر کیا کہ: میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا میں نے آپ کے اندر تین خصلتیں پائیں۔آپ یا تو نماز پڑھتے، یا روزہ میں مشغول رہتے، یا قرآن کی تلاوت فرماتے۔ میں نے ہمیشہ آپ کو باوضو حدیث بیان فرماتے دیکھا۔آخر ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں امام مالک کی آمدورفت کیوں رہی؟

رہ گئے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ تو ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء(۱۵۲/۹،۱۵۳) میں آپ کے متعلق ذکر کیا کہ بعض لوگوں نے آپ پر رفض کی تہمت صرف اس لیے لگائی کہ آپ اہل بیت کی طرف کامل میلان رکھتے۔اوران سے بے پناہ محبت فرماتے۔امام شافعی نے تو اپنے اشعار میں یہاں تک فرمایا:

۱) قف بالمحصب من منی فاهتف بها واهتف بقاعد خيفها والناهض

۲) إن كان رفضا حب آل محمد فليشهد الثقلان أني رافضي

۱) منٰی کے مقام محصب میں کھڑے ہوکر اس خاک مقدس میں کھڑے اور بیٹھے سارے لوگوں کو یہ پیغام سنادو کہ

۲) اگر آل محمد کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانس گواہ ہوجائیں کہ میں رافضی ہوں۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۸۵/۱۰) میں نقل فرمایا کہ: ربیع بن سلمان نے کہا: ہم نے امام شافعی کے ساتھ حج کیا تو دیکھا کہ آپ جب کسی وادی میں قدم رنجہ ہوتے یا اس سے اترتے تو اشک بار آنکھوں سے یہ اشعار پڑھتے:

۱) یـا راکبًـا قف بـالـمـحـصـب من منـی واهتف بـقـاعـد خيـفـنـا والـنـاهـض

۲) سـحـرا إذا فـاض الـحـجيج إلى منـى فيـضـا كـمـلتـطـم الـفـرات الفـائض

۳) إن كـان رفـضـا حـب آل مـحـمـد فـليشهـد الثـقـلان أنـي رافـضـي

۱) اے سوار منٰی کے مقام محصب میں کھڑے ہوکر اس ارض مقدس میں کھڑے اور بیٹھے سارے لوگوں کو سحر کے وقت یہ پیغام سنا دو۔

۲) جب کہ حجاج فرات کے تلاطم خیز موجوں کی طرح منٰی کی طرف جوش زن ہوں۔

۳) اگر آل محمد کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ سورۃ فاتحہ کے شروع میں زور سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے تھے باقی ائمہ کرام کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' آہستہ پڑھا جائے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ تعالی باقی ائمہ کے برخلاف نماز فجر میں بھی قنوت پڑھتے تھے۔ زور سے تسمیہ، اور نماز فجر میں قنوت وغیرہ پڑھنا آپ نے اہل بیت اطہار کے مذہب سے اخذ فرمایا۔ اسی وجہ سے اور اہل بیت کرام کی غایت محبت اور کمال مدح کے سبب آپ پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی گئی اور آپ نے یہ اشعار فرمائے۔

تمام اسلامی کتابوں میں امام جعفر صادق سے امام سفیان ثوری کے سوالات کا ذکر ملتا ہے۔

امام سفیان ثوری کے ان اقوال میں نظر کیجئے جنہیں ابونعیم نے روایت کیا (جیسا کہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۶/۲۶۱،۲۶۲) میں ذکر کیا) امام سفیان ثوری نے فرمایا: میں جعفر بن محمد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ ریشم کا ایک جبہ زیب تن کیے ہوئے ہیں جس کا رنگ مائل بہ سیاہی ہے، اور آپ ایک ریشمی دیدجانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ میں تعجب سے آپ کو دیکھنے لگا تو آپ نے فرمایا: ثوری! کیا بات ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول کے فرزند! آپ اور آپ کے آبائے کرام کا یہ لباس نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ فقر وتنگدستی کا زمانہ تھا وہ حضرات اپنے فقر وتنگدستی کے لحاظ سے کام کرتے تھے۔ آج ہر چیز کی فراوانی اور بہتات ہے اس کے بعد آپ نے اپنے جبہ کی آستین کھولی تو اندر ایک سفید اونی جبہ تھا جس کا دامن دوسرے دامن سے چھوٹا تھا اور فرمایا یہ خالص اللہ

عزوجل کے لیے پہن رکھا ہے۔اوراسے آپ لوگوں کے لیے زیب تن کرر کھا ہے،تو جو چیز خالص اللہ کے لیے ہے ہم نے اسے چھپا رکھی ہے اور جو آپ لوگوں کے لیے ہے اسے ظاہر کرر کھا ہے۔

حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۶۶:۲۶۴/۶) میں ذکر کیا کہ: خلیل بن احمد نے فرمایا: میں نے سفیان ثوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں مکہ آیا تو ابوعبداللہ جعفر بن محمد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ بطحائے مکہ میں جلوہ نشین ہیں میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول اللہ! کیوں موقف کو پیچھے سے رکھا گیا،اور مشعرحرام حرم کی طرف نہ پھیرا گیا؟ آپ نے فرمایا کعبہ اللہ کا گھر ہے اور حرم اس کی خاک پاک ہے،اور موقف اس کا دروازہ ہے، جب وفد والے اس کا قصد کر کے آتے ہیں تو انہیں باب کعبہ پر عجز کے ساتھ دعا ومناجات کے لیے ٹھہرادیا جاتا ہے، جب انہیں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے تو انہیں دوسرے دروازہ مزدلفہ سے قریب کر دیا جاتا ہے، جب وہ کثرت سے مناجات ودعا کرتے ہیں اور عبادت وطاعت میں خوب جہد ومشقت کرتے ہیں تو ان پر اللہ کی بیکراں رحمت کا نزول ہوتا ہے، جب کعبہ انہیں اپنے سایۂ رحمت میں لے لیتا ہے تو انہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی قربانیوں کا تقرب پیش کریں، جب وہ تقرب سے فارغ ہوجاتے ہیں، اپنا میل کچیل دور کر لیتے ہیں اوران گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں جو بندہ اور رب کے قرب میں حجاب اور مانع ہوتے ہیں تو انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ پاک ہوکراس کے خاص گھر کی زیارت کریں،سفیان ثوری نے کہا: پھر ایام تشریق میں کیوں روزہ مکروہ ہے؟ فرمایا: اس لیے کہ ان دنوں بندے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں،اور مہمان پر میزبان کے یہاں روزہ کی پابندی لازم نہیں ہوتی، میں نے کہا: میں آپ پر نثار لوگ غلاف کعبہ سے کیوں چمٹتے ہیں حالاں کہ وہ تو ایک کپڑا ہے جس کا کوئی نفع نہیں فرمایا: اس کی مثال اس آدمی کی ہے کہ اس آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان کوئی جرم وقصور ہو تو وہ مجرم وقصوروار اس کے پیچھے لگا رہتا ہے، اوراس امید پر اس کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے کہ کہیں اسے عفو ودرگزر اور بخشش کا پروانہ مل جائے۔

رہ گیا امام احمد کا معاملہ تو وہ آپ کے زمانہ میں تھے اس لیے کہ امام جعفر صادق کا ۱۴۸ھ میں وصال ہوگیا تھا۔

دوسرا نقطہ:

ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''ائمہ اربعہ نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے جیسا کہ ان حضرات نے دوسروں سے روایت کیا ہے، اور دوسروں کی حدیثیں امام جعفر کی حدیث سے کئی گونا زیادہ ہیں۔ اور زہری اور ان کی حدیث کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں نہ قوت، نہ کثرت میں''۔

ہم اس کے اس کلام کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ابن عدی (۱۳۱/۲) اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۶/ ۲۵۶) اور علامہ ابن حجر نے لسان (۱۴۴/۲) میں دراوردی سے نقل کیا کہ انھوں نے یہ کہا: ''امام مالک نے جعفر سے روایت نہ کی یہاں تک کہ بنو عباس کا معاملہ غالب آ گیا، یعنی سبب واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ بنو امیہ کی حکومت تھی اور یہ لوگ اہل بیت کرام سے شدید نفرت و کراہت رکھتے تھے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت انہیں کے دور خلافت میں ہوئی۔

یہ امام زہری اور حضرت علی زین العابدین کے درمیان تقابل کی طرح ہے کہ بعض علما نے کہا کہ: دونوں کی عمر ایک ہے جیسا کہ احمد بن صالح نے یہی کہا، اور بعض علما نے کہا کہ علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ زہری سے تیرہ سال بڑے ہیں یعنی آپ کی عمر کافی زیادہ ہے۔ تہذیب التہذیب (۲۶۹/۷) دیکھیں۔

حضرت علی زین العابدین کے ساتھ زہری کا معاملہ کیا ہے ہم ماسبق میں ذکر کر چکے۔

ہم کہتے ہیں: کیا ابن تیمیہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک ہزار روایت کے بالمقابل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث کی تعداد بھول گیا، کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ابو ہریرہ اور ابوبکر کی حدیث کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں، نہ قوت، نہ کثرت میں، کہاں ابو ہریرہ اور کہاں سیدنا ابوبکر صدیق اکبر؟ یہ غور کا مقام ہے۔

تیسرا نقطہ:

ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''بخاری کو امام جعفر کی بعض حدیثوں میں اس لیے شبہ ہوا کہ انہیں یحیی بن سعید قطان سے یہ خبر ملی کہ ان کے بارے میں کلام ہے اس لیے ان کی حدیث تخریج نہ کی اور جعفر کی براءت کے

باوجودان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں''۔

اس کے جواب میں درج ذیل امور ملاحظہ ہوں:

(۱) خود اس کے تلمیذ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۵۶/۶، ۲۵۷) میں ذکر کیا:

''یحی بن سعید نے فرمایا: جعفر بن محمد نے مجھے حج کی طویل حدیث املا کرائی۔ پھر یحی بن سعید نے کہا: ''میرے دل میں اس بارے میں کچھ خدشہ ہے، مجالد مجھے ان (جعفر) سے زیادہ محبوب ہیں''۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: یہ یحی قطان کی لغزشوں میں سے ہے۔ بلکہ اس شان کے ائمہ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ جعفر مجالد سے زیادہ ثقہ ہیں، اوران ائمہ محدثین نے یحی قطان کے اس قول کی طرف ذرا بھی التفات نہ فرمایا۔

امام شافعی نے فرمایا: جعفر ثقہ ہیں، اور یحي بن معین نے کہا: جعفر بن محمد ثقہ مامون ہیں، اور ابن ابوحاتم نے کہا: میں نے ابوزرعہ سے سنا آپ (ابوزرعہ) سے ''عن جعفر بن محمدعن أبيه''، اور ''سهل عن أبيه''، اور ''علاء عن أبيه'' کے متعلق پوچھا گیا ان میں کس کی اصح روایت ہے تو آپ نے فرمایا: جعفر کا ان سے تقابل نہ کیا جائے۔ اور میں نے ابوحاتم سے یہ فرماتے سنا: جعفر جیسی شخصیت کے بارے میں نہ پوچھا جائے'' الخ

ابن عدی نے کامل (۱۳۱/۲-۱۳۴) میں کہا: آپ کی بہت سی حدیثیں اس طرح مروی ہیں ''عن أبيه عن جابر، وعن آبائه'' اور اہل بیت کے کچھ نسخے ہیں۔ ائمہ کرام نے آپ سے حدیثیں روایت کیں، آپ ثقہ راویوں میں سے ہیں جیسا کہ ابن معین نے فرمایا۔

(۲) ابن تیمیہ کے اس جملہ میں کس قدر رلوچ اور گھال میل ہے۔ اس کے اس بے معنی کلام میں ابہام وایہام کے سوا کچھ نہیں: ''بخاری کو آپ کی بعض حدیثوں کے بارے میں شبہ ہوا اس وجہ سے کہ یحی بن سعید قطان سے انہیں یہ خبر ملی کہ آپ کے بارے میں کچھ کلام ہے اس لیے ان کی حدیث تخریج نہ کی۔ اور جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر جس طرح کذب کا طعن ہے کسی اور پر نہیں''۔

بعض حدیث میں کلام کی وجہ یہ ہے کہ یحی قطان کا کلام خود امام جعفر صادق کے صدق کے بارے میں تھا اسی لیے ہم نے ماسبق میں حافظ ذہبی کا یہ کلام نقل کیا کہ: ''یہ یحی قطان کی لغزشوں میں سے ہے'' یہ ایک موضوع ہے، اور ماسبق کے باقی جملہ معطوفہ کا ایک الگ موضوع ہے اس لیے کہ اس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جو جعفر صادق پر کذب کی تہمت لگاتے ہیں تو ذرا دیکھیے کہ ایک سیاق میں دو معنوں کے درمیان کیسا کھلا ہوا بعد ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کے اس کلام کا کیا فائدہ ''**ولم يكذب على أحد ما كذب على جعفر الصادق مع برائته**'' جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں۔

جب ابن تیمیہ کے لیے یہ خود ہی قناعت بخش ہے تو پھر یحی قطان کی اس لغزش کا کیوں ذکر کیا جائے جس کا ذکر ابھی گزرا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا: ائمہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ یحی قطان کی خطا و لغزش ہے۔

(۴) امام بخاری شافعی المذہب ہیں انھوں نے اپنی صحیح میں امام شافعی کی روایت ذکر نہ کی تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ امام شافعی ثقہ نہیں؟ یا ائمہ نے ان سے اخذ روایت وحدیث نہ کی؟ ذرا غور فرمائیں۔

(۵) ابن تیمیہ کا اس جملہ سے کیا مقصود ہے: ''جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں'' کیا امام بخاری کی عدم روایت کی صفائی پیش کر رہا ہے اور اسے جائز قرار دے رہا ہے یا جعفر صادق کی مرویات میں شک پیدا کرنا مقصود ہے کہ جعفر صادق کی مروی روایتیں سننے والا شک وشبہ کا شکار ہو جائے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ابن تیمیہ کا اس جملہ سے کیا مقصود ہے: ''امام بخاری کو جعفر کی بعض حدیثوں میں شک ہوا'' ہم تو ابن تیمیہ سے کہتے ہیں اسے یہ کہنا چاہئے: ''جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں جیسا کہ ان کے جد اعلی رسول اعظم ﷺ کی طرف بعض جھوٹے راویوں نے جھوٹی روایتیں منسوب کیں۔

(۶) امام جعفر بن محمد بن باقر بن علی زین العابدین بن حسین نواسہ رسول اللہ ﷺ کو صادق کے لقب سے کیوں

یاد کیا گیا اوراس پر امت کا اتفاق کیوں ہے؟ اور نبی کریم ﷺ کو کیوں صادق امین کہا گیا؟ عمرو بن ابو المقدام نے فرمایا:

''میں جب جعفر بن محمد کو دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ انبیا کی پاکیزہ نسل اوراولاد سے ہیں''۔

(۳۲) ابن تیمیہ کی حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم کی شان میں گستاخی جن کی قبر شریف سے ابن خزیمہ اور ابن حبان اکتساب برکت کرتے۔

حضرت علی رضا بن موسی کاظم، بن جعفر صادق، بن محمد باقر، بن علی زین العابدین، بن سردار اہل جنت حسین، بن علی وہ ہیں جن کی شان میں رسول اکرم ﷺ کے منبر اقدس پر یہ کہا گیا:

ستة آبـــاء هـــم مـــاهـــم　　　　خيـر مـن يشـرب صـوب الـغـمـام

ترجمہ:۔ ''یہ علی بن موسی، بن جعفر، بن محمد، بن علی، بن حسین ہیں''

ان کے چھ آبائے کرام وہ ہیں جو باران کرم سے سیراب ہونے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶۰/۴) میں کہا:

''یہ کہنا کہ وہ (حضرت علی) سب سے بڑے زاہد و عالم ہیں۔ یہ محض دعوی بے دلیل ہے۔ جو شخص کسی انسان کے بارے میں غلو کرتا ہے وہی ایسے دعوے کرسکتا ہے، یہ دعوی کیوں کر بے دلیل نہ ہوگا جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر علم و زہد والے تھے جیسا کہ شافعی، اور اسحٰق ابن راہویہ، اور احمد بن حنبل، اور اشہب بن عبدالعزیز، اور ابوسلیمان دارانی، اور معروف کرخی اور اس طرح کی دوسری عظیم الشان شخصیتیں۔ علمائے محدثین میں سے کسی نے ان کی کوئی حدیث قبول نہ کی، اور اصحاب صحاح ستہ نے اپنی کتابوں میں ان کی کوئی حدیث روایت نہ کی''۔

اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۶۱/۴، ۶۲) میں یہ بھی کہا:

''یہ کہنا کہ: ان سے فقہائے جمہور نے خوب اخذ علم کیا۔ یہ صریح جھوٹ ہے، ان مشہور فقہائے جمہور نے ان سے اخذ علم نہ کیا۔ اگر بعض غیر معروف فقہائے جمہور نے ان

سے اخذ علم کیا تو کوئی عجب بھی نہیں کیوں کہ طالبان فقہ اپنے سے متوسط، اور متوسط سے بھی کمتر علم والوں سے اخذ و اکتساب کیا کرتے ہیں، بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ معروف کرخی ان کے خادم تھے، آپ نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ان کے خرقہ کا اتصال بھی آپ ہی سے تھا یہ بھی جھوٹ ہے جس پر تمام معروف شخصیتیں متفق ہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں:

(۱) اہل بیت کی مسلسل تنقیص شان میں سے ابن تیمیہ کی یہ بھی ایک گستاخی ہے۔ ابن تیمیہ سرداران اہل جنت حسن وحسین کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ: وہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہد و عالم نہ تھے۔

اور اپنے مریدوں سے اپنے بارے میں بقیۃ السلف، قدوۃ الخلف، اعلم بلاد الشرق والغرب کہلواتا ہے جیسا کہ اس کی کتاب ''الزہد والورع والعبادۃ'' (۱/۸۵) کے حوالہ سے گزرا۔

میں کہتا ہوں:

حفید حسین (حسین کے پوتے) کے بارے میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ: وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم وزاہد نہیں۔ اور اسے یہ یاد نہیں کہ اللہ نے ساتویں حفید (پوتے) کو ان کے آبا کے خیر وصلاح کے سبب کرامت وشرافت سے سرفراز فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صٰلِحًا﴾ [الکہف-۱۸:۸۲]

ترجمہ: ''اور ان کا باپ نیک آدمی تھا''۔

خلیفہ مامون نے حضرت علی رضا کی بارگاہ میں خلافت کا عریضہ پیش کیا تو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اسے قبول نہ فرمایا یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے زاہد تھے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''إن ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين''.

''میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں

صلح کرائے''۔

(۲) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا:

''آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم وزاہد کیسے ہوں گے جب کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑھ کر علم وزہد والے تھے جیسا کہ شافعی، اوراسحاق بن راھویہ، اوراحمد بن حنبل، اوراشھب بن عبدالعزیز، اورابوسلیمان دارانی اورمعروف کرخی''۔

اس کے اس کلام میں بہت سے مغالطے ہیں۔

یہ حضرات کون ہیں، ان کا ذکر کیوں نہ کیا، اوران کی دلیل کیا ہے؟ جب کوئی شخص حضرت علی رضا کی طرف کسی فضیلت کی نسبت کرتا ہے تو ابن تیمیہ اسے بے دلیل بات ٹھہراتا ہے آخر اس کے پاس اس کے خلاف دلیل کیا ہے؟ ہم ماسبق میں ذکر کر چکے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کرام سے بے حد محبت فرماتے یہاں تک کہ اس جرم محبت میں لوگوں نے آپ کو متشیع تک کہہ ڈالا، اسی طرح تصوف کے عظیم امام دارانی کی محبت اہل بیت کون نہیں جانتا، نیز حضرت معروف کرخی حضرت علی رضا کے خادموں میں سے تھے جیسا کہ بہت سے ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی۔ ہاں ابن تیمیہ اسے نہیں مانتا، چندصدیوں کے بعد اس پہلے شخص نے اپنی عادت کے مطابق یہ دعوی کیا کہ حضرت معروف کرخی حضرت علی رضا کے خادم نہ تھے، اور یہ صرف اس بنا پر کہ امام احمد بن حنبل، حضرت معروف کرخی کی بے پناہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے، ہم ابن تیمیہ سے کہتے ہیں کہ: ذراوہ اسحاق بن راھویہ کو دیکھیے ہم ابھی ذکر کر چکے کہ وہ حضرت علی رضا سے بھی بڑے زاہد تھے پھر بھی وہ حضرت علی رضا کا ادب فرماتے عجلونی نے کشف الخفاء (۲۲/۱) میں فرمایا:

''جب علی بن موسی رضا سفید خچر پر سوار ہو کر نیشاپور میں قدم رنجہ ہوتے تو اس شہر کے علما آپ کے استقبال کے لیے نکلے جن میں یحی بن یحی، اوراسحاق بن راھویہ، اوراحمد بن حرب، اورمحمد بن رافع خاص کر قابل ذکر ہیں ان حضرات نے آپ کی سواری کی لگام کو پکڑا، اوراسحاق بن راہویہ نے آپ سے عرض کیا: آپ کے آباء کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث

سنائیں تو آپ نے حدیث کی مکمل سند ذکر فرما کر فرمایا: مجھ سے عبد صالح میرے والد موسی بن جعفر نے یہ حدیث بیان فرمائی: ''لاإلــه إلاالـلّــه حصني'' (لاالٰہ إلا اللہ میرا مضبوط قلعہ ہے)۔

ذرا غور کیجئے تنہا اسحاق بن راہویہ علی رضا کی سواری کی لگام نہیں سنبھال رہے ہیں بلکہ آپ کے ساتھ یحی بن یحی بھی ہیں۔جن کی جلالت شان کا یہ حال تھا کہ امام احمد بن حنبل آپ کی مبارک قمیص سے اکتساب برکت کرتے۔اور احمد بن حرب اور محمد بن رافع جیسے ائمہ سلف بھی آپ کے ساتھ تھے،ان ائمہ سلف کا علی رضا کی سواری کی لگام سنبھالنے کا واقعہ کافی معروف ومشہور ہے۔

ابن عساکر حافظ الدنیا کی تاریخ دمشق (۴۶۳/۵) مطالعہ کیجئے۔

(۳) ابن تیمیہ کا یہ کلام گذر چکا: '' **ولـم يـأخذ عنه أحد من أهل العلم بالحديث شيئا ولا روى له حديث في الكتب الستة**'' آپ سے علمائے محدثین نے کچھ بھی اخذ نہ کیا اور نہ ہی اصحاب صحاح ستہ نے اپنی کتابوں میں ان کی کوئی حدیث روایت کی۔

ابن حجر نے اپنی تہذیب (۳۳۹/۷) میں فرمایا: ''ائمہ حدیث میں سے آدم بن ابوایاس،اور نصر بن علی جہضمی،اور محمد بن رافع قشیری وغیرہم نے آپ سے حدیث روایت کی''۔

ابن ماجہ (جو ائمہ کتب صحاح ستہ میں سے ایک عظیم محدث ہیں) انھوں نے آپ کی ایک حدیث روایت کی وہ یہ ہے ''**الإيـمـان معرفة بالقلب، وقول باللسان، وعمل بالأركان**''یعنی ایمان قلبی معرفت،اور اقرار باللسان،اور عمل بالارکان کا نام ہے''اور ابوالصلت کا یہ قول منقول ہے کہ: ''**لـو قـرأ هـذاالاسـنـاد على مـجـنون لبرأ**'' اگر یہ اسناد کسی مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو وہ روبصحت اور شفایاب ہو جائے۔ابن تیمیہ کو یہ نہیں معلوم کہ اہل بیت کن کرب انگیز حالات اور جبر وتشدد اور محاصرہ کے پرآشوب دور سے گذرے ہیں چاہے وہ دور اموی ہو یا عصر عباسی،خود حضرت علی رضا کو زہر آلود انار کی شربت پلائی گئی جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے۔

(۴) ابن تیمیہ نے کہا: ''**وإن أخـذ عـنه بعض من لا يعرف من فقهاء الجمهور فهذا لا**

ينكر فإن طلبة الفقهاء قد يأخذون من المتوسطين في العلم و من هو دون المتوسطين"۔

''اگر بعض غیر معروف فقہا نے آپ سے اخذ علم کیا تو یہ کوئی عجب نہیں کہ طالبان فقہ کبھی اپنے سے متوسط، اور متوسط سے کمتر علم والوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں''۔

اس عبارت پر جس کا جتنا جی چاہے دل کھول کر تبصرہ کرے، اور اہل بیت کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی عداوت و نفسانیت دیکھے اور خود فیصلہ کرے کہ کس کے ساتھ رہنا بہتر ہے۔

(۳۴) ائمہ سلف حضرت علی بن موسیٰ کی تعظیم وتکریم فرماتے ہیں، ان میں ابوزرعہ رازی اور ابن اسلم طوسی ودیگر بے شمار علما ومحدثین ہیں۔

(یہ حضرات آپ سے توسل فرماتے اور آپ پر قسمیں کھاتے یہاں تک کہ آپ ان سے حدیث بھی بیان فرماتے)

ماسبق میں ابن تیمیہ کا یہ کلام گزرا:

''علی بن موسی کے مناسب حال، اور لائق شان کچھ تعریفات اور مشہور محاسن ومکارم ہیں جنھیں اہل معرفت جانتے ہیں، لیکن اس رافضی نے ان کی ایک بھی فضیلت دلیل کے ساتھ ذکر نہ کی''۔

میں کہتا ہوں: کیوں ابن تیمیہ نے علی رضا کی کوئی فضیلت ذکر نہ کی اور یہ کہا: ''آپ کے مناسب حال اور لائق شان کچھ تعریفات ہیں'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ حاکم امت ہے یہاں تک کہ سیکڑوں سال پیشتر حضرات کا بھی حاکم ہے۔

ہم اس مقام پر امت کے سلف وخلف کے حوالہ سے یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حضرات حضرت علی بن موسی رضا کی بے حد تعظیم وتکریم فرماتے بلکہ آپ کی قبر اطہر کا بھی احترام فرماتے۔

(۱) یہ بہت مشہور ومعروف ہے کہ ائمہ سلف نے علی بن موسی رضا کی سواری کی لگام سنبھالی۔

یحی بن یحی، اور اسحاق بن راھویہ، اور احمد بن حرب، اور محمد بن رافع، اور ابوزرعہ رازی، اور ابن اسلم طوسی، اور یاسین بن نضر اور ان کے علاوہ بے شمار علما ومحدثین کے بارے میں یہ واقعہ مروی ہے۔

دیلمی نے مسند الفردوس اور ابن عساکر حافظ الدنیا نے تاریخ دمشق (۴۶۳/۵) میں اس واقعہ کو نقل کیا، اور حافظ مناوی نے فیض القدیر (۴۸۹/۴) اور حافظ عجلونی نے کشف الخفا (۲۲/۱) میں یہ واقعہ نقل کیا، بلکہ فیض القدیر (۴۸۹/۴، ۴۹۰) میں مناوی کا یہ قول دیکھیں: فائدہ: حاکم کی تاریخ نیشاپور میں ہے کہ: علی رضا بن موسی

کاظم، بن جعفر صادق، بن محمد باقر، بن علی زین العابدین بن حسین جب نیشاپور میں جلوہ آرا ہوئے تو آپ ایک سفید دراز گوش پر ایک قبہ میں سوار تھے جس پر پردہ لگا ہوا تھا کثرت ہجوم کے باعث دراز گوش کا بازار میں چلنا دشوار ہوگیا، امام حافظ ابوزرعہ رازی، اور ابن اسلم طوسی اور آپ کے ہمراہ بے شمار علما و محدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے سید جلیل، سرداران امت کے فرزند! آپ کے پاکیزہ آباء اور معزز اسلاف کے حق کی قسم آپ اپنا رخ زیبا کھول کر ایک ایسی حدیث پاک سنائیں جو آپ کے آبا نے آپ کے جد اعلی سے روایت فرمائی ہم اس حدیث کے ذریعہ آپ کا ذکر خیر کریں گے، اس خواہش و اصرار پر آپ نے اپنے غلاموں کو ٹھہرنے، اور قبہ سے پردہ ہٹانے کا حکم دیا اور اپنی طلعت زیبا کی زیارت سے لوگوں کی آنکھوں کو قرار و سکون بخشا آپ کی زلفیں شانہ کی طرف لٹک رہی تھیں لوگ حسب مراتب کھڑے ہو کر اس حسین دلکش منظر کا نظارہ کر رہے تھے کوئی اشک بار ہے تو کوئی چیخ رہا ہے، تو کوئی خاک وغبار میں لوٹ رہا ہے، تو کوئی دراز گوش کے کھر کے بوسے لے رہا ہے، شور وہنگامہ بپا دیکھ کر ائمہ اعلام نے بآواز بلند فرمایا: اے لوگو! خاموش ہو کر بغور حدیث پاک سماعت کرو اور اپنے شور وہنگامہ سے ہمیں ایذا نہ دو املا کی درخواست کرنے والے ابوزرعہ اور طوسی موجود تھے (علی بن موسی) نے حدیث روایت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میرے والد موسی کاظم نے اپنے والد جعفر صادق، انھوں نے اپنے والد محمد باقر، انھوں نے اپنے باپ علی زین العابدین، انھوں نے اپنے والد شہید کربلا حسین، انھوں نے اپنے باپ علی مرتضی سے روایت کیا کہ علی مرتضی نے فرمایا کہ: میرے حبیب، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی: ''مجھ سے جبریل علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ رب العزت سبحانہ نے مجھ سے یہ فرمایا: ''كلمة لا إله إلا الله حصني، فمن قالها دخل حصني، ومن دخل حصني أمن من عذابي'' کہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' میرا مضبوط قلعہ ہے جس نے اس کلمہ کا اقرار واعتقاد کیا وہ میرے مضبوط قلعہ میں داخل ہوگیا، اور جو میرے مضبطوط قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے محفوظ و مامون رہا''۔

یہ حدیث پاک روایت فرما کر آپ نے قبہ پر پردہ ڈال لیا، اور وہاں سے چل پڑے دوات و کاغذ لے کر لکھنے والوں کو جب شمار کیا گیا تو بیس ہزار سے بھی زائد افراد تھے۔

اور استاذ ابوالقاسم قشیری نے فرمایا کہ بعض امراے سامانیہ کے پاس یہ حدیث اس سند متصل کے ساتھ موجود ہے انھوں نے اس حدیث کو آب زر سے لکھ کر یہ وصیت کی کہ ان کے ہمراہ ان کی قبر میں اسے رکھ دیا جائے ان کے وصال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے کیسا معاملہ فرمایا؟ تو انھوں نے کہا: کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد اور اس بات کی تصدیق کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے لیے سامان بخشش ثابت ہوا۔

(۲) ابھی یہ سند گذری: ''علی بن موسی نے اپنے والد موسی کاظم، انھوں نے اپنے والد جعفر صادق، انھوں نے اپنے والد محمد باقر، انھوں نے اپنے والد علی زین العابدین، انھوں نے اپنے والد حسین، انھوں نے اپنے والد علی بن ابوطالب، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔ اس متصل سند کے بارے میں ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۹۱/۳-۱۹۲) میں فرمایا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ ثابت و مشہور ہے۔ یہ ان پاکیزہ نفوس کی روایت ہے جنھوں نے اپنے مقدس آبائے کرام سے روایت کیا۔ ہمارے بعض اسلاف محدثین جب یہ سند روایت کرتے تو فرماتے:

''لو قرأ هذا الإسناد على مجنون لبرأ''

ترجمہ:۔ ''اگر یہ سند کسی پاگل پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو روبصحت اور شفایاب ہو جائے''۔

ابن ماجہ (۲۵/۱) نے فرمایا:

''اگر یہ اسناد کسی مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو شفایاب ہو جائے''۔

اور خطیب نے تاریخ بغداد (۴۱۸/۵-۴۱۹) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا جنھوں نے یہ کہا: یہ پاگلوں کے ناک؟ میں چڑھانے کی دوا ہے۔ اگر یہ دوا مجنون کی ناک میں چڑھا دی جائے تو شفایاب ہو جائے۔

اور بعض ائمہ جرح و تعدیل جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی نے فرمایا: میں اپنے والد کے ہمراہ شام میں تھا میں نے مرگی کے ایک مریض کو دیکھا اسے مرگی آ رہی تھی تو میں نے یہ سند ذکر کی اور کہا کہ: میں اس سند سے

تجربہ کرتا ہوں میں نے اس مرگی کے مریض پر یہ سند پڑھ کر دم کردی تو وہ بیمار اپنی جگہ سے شفایاب ہو کر کھڑا ہو گیا، اور اپنے لباس جھاڑ کر چلا گیا۔ رافعی نے التدوین في أخبار قزوین (۴۸۲/۳) میں اسے ذکر کیا۔ یہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ کس قدر نامعقول بات ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث آپ کے اہل بیت تک نہ پہنچے، اور ساری امت اس کو جانے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ حاشیہ ابن قیم (۲۹۴/۱۲) میں ابن ماجہ کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے یہ کہا: بعض ائمہ حدیث نے کہا کہ اگر یہ (اسناد) کسی پاگل پر پڑھ کر دم کیا جائے تو وہ ضرور شفایاب ہوگا اگر یہ حدیث عبدالسلام سے سالم و محفوظ ہو۔ عبدالسلام ایک متہم راوی ہے۔

اس مقام پر ابن قیم نے یہ نہ ذکر کیا کہ یہ کس کی عبارت ہے، میرا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ یہ جملہ: ''اگر یہ حدیث عبدالسلام سے سالم و محفوظ ہو جو ایک متہم راوی ہے'' ان ائمہ کے ارشادات میں خود ابن قیم کا اضافہ ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ ابن قیّم کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ جس متصل سند میں اہل بیت اطہار ہیں اگر کسی پاگل پر صرف اس سند کو پڑھ کر دم کر دیا جائے تو وہ شفایاب ہوگا اور عنقریب کسی نہ کسی دن اسے فائدہ ہوگا۔

(۳۴) حکام وعلمائے مسلمین کا حضرت علی رضا کے وصال کے بعد آپ کی تعظیم وتکریم کرنا، اور آپ کی قبر اطہر سے اکتساب برکت کرنا

(۱) امام ابن خزیمہ، اور امام ابو علی ثقفی طوس تشریف لے جاتے اور علی بن موسی رضا کی قبر اطہر پر تعظیم وتکریم کے ساتھ حاضر ہوتے۔

حافظ ابن حجر نے حضرت علی رضا کے حالات کے تحت تہذیب التہذیب (۳۳۹/۷) میں فرمایا:
''حاکم نے تاریخ نیشاپور میں فرمایا: میں نے ابوبکر محمد بن مومل بن حسن بن عیسی سے یہ فرماتے سنا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر بن خزیمہ اوران کے ہم عصر ابو علی ثقفی اور دیگر مشائخ کی ایک وافر جماعت کے ساتھ علی بن موسی رضا کی قبر کی زیارت کے لیے ''طوس'' گئے، محمد بن مومل فرماتے ہیں: ہم نے ابن خزیمہ کو دیکھا کہ آپ اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے ،اوراس بارگاہ میں حد درجہ تواضع وتضرع فرماتے''۔الخ

میں کہتا ہوں:

ان پانچ اکابر علمائے امت کو دیکھیے جن کے سرخیل امام ابن خزیمہ ہیں اور جنہیں ابن تیمیہ امام الائمہ کہتا ہے اور دوسرے حافظ ابو علی ثقفی جو امام محدث، فقیہ، علامہ خراسان کے شیخ ہیں، ان کے متعلق ابن شریح نے کہا کہ: وہ حجۃ اللہ علی خلقہ (اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت) ہیں، ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۸۰/۱۵) میں ایسا ہی ذکر کیا۔ تیسرے شیخ الحاکم محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسیٰ بن ماسرجسی ہیں، جن کے بارے میں ابن تیمیہ کے تلمیذ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۶، ۲۴) میں کہا: امام رئیس نیشاپور نے محدثین کے لیے ایک مکان تعمیر کرایا اوران کے خورد ونوش کا اعلی انتظام فرمایا، ابو علی حافظ آپ کے پاس حاضر ہوتے، اور تاریخ احمد بن حنبل کا درس لیتے۔

اور چوتھے امام حاکم صاحب کتاب **المستدرک علی الصحیحین** ہیں۔
اور پانچویں **خاتمۃ الحفاظ و المحدثین** حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔
محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسیٰ ماسرجسی کے اس کلام میں غور کیجئے ''مشائخ کی ایک وافر جماعت کے ساتھ''
اور ذرا اس کلام پر غور کیجئے: ''میں نے ابن خزیمہ کو دیکھا کہ ''اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم کرتے، اور اس بارگاہ میں بے حد تواضع وتضرع فرماتے''۔
یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ صرف علمائے محدثین جیسا کہ امام ابن خزیمہ، ابوعلی ثقفی، ماسرجسی، اور آپ کے ہم رکاب مشائخ کرام ہی اہل بیت کے مشاہد وآثار سے محبت نہیں فرماتے بلکہ ساری [1] امت مسلمہ عقیدت ومحبت رکھتی ہے۔

(۲) امام حافظ ابن حبان:

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات (۸/۴۵۷) میں علی رضا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
''آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں معروف ومشہور ہے، رشید کی قبر کے قریب آپ کا مزار پاک ہے۔ میں بارہا اس بارگاہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا، جس وقت'' طوس''

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس نے شجرۂ طیبہ میں فرمایا:

حب اہل بیت دے آل محمد کے لیے — کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

یہ شجرہ طیبہ سلسلہ عالیہ رضویہ کے تمام مشائخ کرام اوران کے مریدین ومعتقدین ومتوسلین پڑھتے ہیں اور علمائے ربانیین عالم اسلام میں نبی پاک ﷺ کی آل پاک کے اکرام واحترام اوران کی عقیدت ومحبت کا درس دیتے ہیں۔
اور شیخ الکل مطاع العالم علامہ شیخ شرف الدین سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ برقول ایمان کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من ودست ودامان آل رسول (بوستاں سعدی)

امام شیرازی کی کتاب بوستاں ''ابن تیمیہ کے کفش بردار'' بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں اوراس کی تعلیم دیتے ہیں۔(مترجم)

میں میرا قیام رہا جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی علی بن موسی رضا کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوا (اللہ کی رحمتیں آپ کے جداعلی اور آپ پر ہوں) اور اس مشکل کے دفع کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کی تو میری دعا مقبول ہوئی اور میری وہ مشکل ٹل گئی، بارہا میں نے اس کا تجربہ کیا اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، اللہ عزوجل محبت اہل بیت کرام پر ہم سب کا خاتمہ فرمائے صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین'' الخ

ہم کہتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے علمائے امت محمدیہ کو کامل محبت ہے، اور جن کے دلوں میں بیماری ہے انہیں اہل بیت اطہار سے بغض وعداوت ہے ہم اس پر مزید کوئی تبصرہ نہ کریں گے۔

(۳) بادشاہ محمود بن سبکتگین:

حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱۶/۵۰۰) میں کہا:

یہ بات معروف ومشہور ہے کہ ۳۸۷ھ میں بلخ وغزنہ وغیرہ بادشاہ سبکتگین کے زیر سلطنت تھا، یہ بادشاہ دشمنان اہل بیت سے تھا، جب طوس پر اس کی سلطنت قائم ہوئی تو اس نے علی بن موسی رضا کے مزار پاک کو ویران کرڈالا، اور وہاں جانے والے زائرین کو قتل کرایا، جب اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا تو اس نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو خواب میں دیکھا آپ فرمارہے تھے: یہ سلسلہ کب تک قائم رہے گا؟ تو اس نے ازسرنو مزار پاک تعمیر کرایا اور اس مزار کے اوقاف اس کے حوالہ کردیے۔

بادشاہ محمود بن سبکتگین نے اپنے دور سلطنت میں اپنے باپ کی بدعتوں کے بعد مذہب اہل سنت وجماعت کو فروغ واستحکام بخشا، یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ نے آپ کی بار بار تعریف کی، اور مجموع الفتاوی (۴/۲۲) میں ان کے بارے میں یہ انکشاف کیا:

''بادشاہ محمود بن سبکتگین کی سلطنت ان کے ہم جنس بادشاہوں سے بہت اچھی تھی، ان کی

سلطنت میں اسلام وسنت کوفروغ واستحکام حاصل ہوا کیوں کہ انھوں نے ہندوستان کے مشرکین سے معرکہ آرائی کی اور عدل وانصاف کا ایسا پرچم لہرایا کہ اس سے پہلے اس طرح سر بلند نہ ہوا، ان کے زمانہ میں سنت کوغلبہ حاصل ہوا، اور بدعتوں کا قلعہ قمع ہوا''۔

اور درءالتعارض (۲۵۳/۶) میں کہا:

''سلطان محمود بن سبکتگین نے برسرمنبر کھلم کھلا اہل بدعت پرلعنت کی اور سنت کوفروغ دیا''۔

اور بیان **تلبیس الجھمیة** (۳۳۱/۲) میں کہا:

''چوتھی صدی ہجری میں سلاطین اہل مشرق میں سلطان محمود بن سبکتگین گذرے ہیں جواسلام وعقل، دین وجہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے بہت اچھے بادشاہ گذرے ہیں''۔

اور اپنی کتاب منہاج (۴۲۹/۳) میں آپ کے بارے میں لکھا:

''**كان من خيار الملوك**''.

ترجمہ:۔''آپ اچھے بادشاہوں میں سے تھے''۔

وصل اللهم صلى على سيدنا محمد
وعلى آل بيته وسلم تسليما كثيرا كثيرا

(۳۵) کیا اللہ تعالی نے ابن تیمیہ کو جہنم کا علم بخشا ہے کہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ساری ذریت پر جہنم کی آگ حرام نہیں ہے؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶۳/۴، ۶۴) میں کہا:

''فاطمہ کی ساری اولاد پر جہنم کی آگ حرام نہیں بلکہ ان میں بھی اچھے اور برے ہیں'' الخ

میں کہتا ہوں:

آخر ابن تیمیہ اور نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کا کیا معاملہ ہے؟ اہل بیت کرام کے خصائص سے اس کا کیا بگڑ رہا ہے؟

ہم ابن تیمیہ کے نیاز برداروں سے کہتے ہیں:

(۱) ابن تیمیہ کے پاس کون سی دلیل ہے کہ فاطمہ کی ساری اولاد پر جہنم کی آگ حرام نہیں ہے؟

(۲) بخاری (۱۲۳۲/۳) کی حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ ساری امت کو اولاد فاطمہ پر درود بھیجنے کا حکم ہے اور مسلم (۳۰۶/۱) میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں، تو حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: اس طرح درود بھیجو ''**اللھم صل علی محمد وأزواجه وذريته ، كماصليت على آل ابراهيم ،وبارك على محمد وأزواجه وذريته، كمابارکت علی آل إبراهيم إنك حميد مجيد**''.

ابن تیمیہ کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ اولاد فاطمہ ہی حضور اقدس کے اہل بیت ہیں، اس نے مجموع الفتاوی (۲۴۵/۲۴) میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ازواج واولاد آپ کی آل ہیں، یا آپ کی اولاد آپ کی آل ہیں''۔

اوراس نے اپنی منہاج (۷/۲۴۰) میں کہا:

''صحیحین میں ہے کہ حضور نے ارشادفرمایا:''**اللھم صل علی محمدوعلی أزواجه وذريته**'' بلکہ اس درود میں قیامت تک کے سارے اہل بیت داخل ہیں''۔

(۴) نبی پاک ﷺ کے اہل بیت ہی دنیاوآخرت کے سردار ہیں، اوراس کے لیے نبی پاک کا یہ ارشادکافی ہے: ''فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں'' اور''حسن اورحسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں''۔

اورہم یہ ذکر کر چکے کہ ہمیں اس ذریت پر درود بھیجنے کا حکم ہے جوآپ کی آل ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ کوبھی اس کا اقرار ہے کہ وہ سب آپ کی آل سے ہیں، تو پھر کیسے سرداران دنیاوآخرت کی شان میں ایسی گفتگو کررہاہے، حالاں کہ ان کی سیادت مسلم ہے چاہے ابن تیمیہ مانے یانہ مانے، آپ کی آل سے بغض ودشمنی رکھنے والا کس قدر بدانجام ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ طبرانی نے کبیر (۱۱/۲۶۳) میں ابن عباس سے روایت کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا:''**إن اللّٰہ غیر معذبکِ ولا ولدکِ**'' اللہ عزوجل تم پر، اورتمہاری اولاد پرعذاب نہ فرمائے گا''۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد(۹/۲۰۲) میں کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(۵) ہرعاقل پرلازم ہے کہ ابن تیمیہ کی اتباع سے اپنے آپ کودوررکھے، اس کا کام یہ ہے کہ فضائل اہل بیت میں آئی ہوئی تمام صحیح حدیثوں کو بالائے طاق رکھ دیتاہے، یاان میں من مانی تاویل کرتاہے، اورجن کی سندضعیف ہوتی ہے اسے موضوع قراردیتاہے، جبکہ ضعیف (جس کی نسبت صحت کاجزم نہیں ہوتا) اورموضوع (جس کے کذب کا جزم ویقین ہوتا ہے اورصدق کا احتمال نہیں ہوتا) کے درمیان زمین وآسمان کافرق ہے۔

نیز فضائل اعمال ومناقب میں ضعیف حدیثیں حجت ہوا کرتی ہیں۔

حدیث میں وارد ہے:''**إن فاطمة أحصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار**''''فاطمہ نے اپنی عفت وعصمت (شرم گاہ) محفوظ رکھی ہے اس لیے اللہ نے ان کی اولاد پر جہنم کی آگ حرام فرمادی ہے۔[1] ابن تیمیہ نے اپنی شنیع عادت کے مطابق فضائل اہل بیت کا انکار، اوراس حدیث مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۶۲۱/۴) میں کہا:

''**هو كذب باتفاق أهل المعرفة بالحديث**''

ترجمہ:۔''مشہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے'' الخ

اے کاش اس طرح غلواور مبالغہ آرائی کرنے والا ہمیں اس مصنف کا نام بتادیتا، یا کم ازکم اس مقام کی نشاندہی کردیتا جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ:''تمام مشہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے'' ہاں چند صدیوں بعد ابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں نے حدیث کی روایت وتخریج کا فریضہ انجام دینا شروع کردیا اس لیے اب ابن تیمیہ کا جوش غضب جس حکم پر اتفاق کرنا چاہے وہ اوراس کے اصحاب

(۱) یہ حدیث''**إن فاطمة أحصنت فرجها، فحرم الله ذريتها على النار**''فاطمہ نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا ہے اس لیے اللہ تعالی نے ان کی اولاد پر جہنم کی آگ حرام فرمادیا ہے''۔بزار (۲۲۳/۵)، اورطبرانی نے کبیر (۴۱/۳) میں تخریج کیا، اورحاکم نے تخریج کرکے اس کو صحیح کہا (۱۶۵/۳) اورابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۸۸/۴)، ابن شاہین نے فضائل فاطمہ (۲۱/۱-۲۳) اورتمّام نے اپنے فوائد (۱۵۴، ۱۵۵) میں تخریج کیا۔حاکم کے نزدیک یہ حدیث درجہ صحت میں ہے کیوں کہ انھوں نے اس کو صحیح کہا البتہ ذہبی نے کہا: بلکہ ضعیف ہے، معاویہ نے تنہا روایت کیا اوراس میں ابن غیاث کے سبب روایت میں ضعف ہے یہ ضعیف اورواہی ہیں، سبط بن عجمی نے **الكشف الحثيث** (۲۰۲/۱ نمبر ۵۷۳) میں اس روایت کو برقرار رکھا۔اورھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۲/۹) میں کہا: اس میں عمرو بن غیاث ضعیف ہیں۔مناوی نے فیض القدیر (۴۶۳/۲) میں اس کو ثابت رکھا۔ اورذہبی کی تضعیف نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس حدیث کی شاہد حدیثیں موجود ہیں، یہاں تک کہ البانی جس کی احادیث فضائل اہل بیت میں شدت معروف ومشہور ہے اس نے اپنی ضعیفہ (۱۸۸۵) میں اس حدیث کو ضعیف کہا۔اور حافظ مزی تلمیذ ابن تیمیہ نے تہذیب الکمال (۲۵۱/۳۵) میں مناقب سیدہ فاطمہ میں اس حدیث کو ذکر کیا۔ان روشن حقائق وشواہد کے ہوتے ہوئے بہ اتفاق محدثین یہ حدیث کیوں کر کاذب ہوگی۔

اتفاق کریں اور اپنی خواہش کے مطابق احادیث کی تخریج کریں۔

(۶) یہ امر بھی واضح رہے کہ ائمہ تفسیر جیسا کہ طبری (۲۳۲/۳۰)، قرطبی (۹۵/۲۰)، ابن کثیر (۵۲۴/۴)، سیوطی نے درمنثور (۵۴۲/۸)، شوکانی نے فتح القدیر (۴۵۹/۵)، اور آلوسی نے روح المعانی (۱۶۰/۳۰) میں اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

ترجمہ:۔"اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

کی تفسیر کے تحت عبداللہ بن عباس کی یہ تفسیر ذکر کی:

"من رضا محمد ﷺ ألا یدخل أحد من أهل بیته النار".

ترجمہ:۔"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شخص جہنم میں نہ جائے" الخ

قارئین کرام ماسبق کے ان حقائق کا مطالعہ کریں جنہیں ہم نے اس مصیبت کے تحت ذکر کیا جس میں ابن تیمیہ گرفتار ہوا اس لیے کہ ماسبق میں اس کی یہ تصریح گزری کہ نبی پاک ﷺ کا نسب، اور آپ کی قرابت کام نہ آئے گی، اور نبی پاک کی ازواج کا آپ کی زوجیت میں آنا کسی خصوصیت اور فضیلت کا موجب نہیں۔

ناظرین وہ صحیح حدیث بھی پیش نظر رکھیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"کل سبب و نسب مقطوع یوم القیامة إلا نسبي و سببي"

ترجمہ:۔"قیامت کے دن میرے نسب، اور سبب کے علاوہ سارے انساب واسباب منقطع ہو جائیں گے"

اور ام ہانی بنت ابو طالب کی وہ حدیث بھی پیش نظر رہے کہ جب آپ زیبائش کے ساتھ نکلیں اور آپ کے کان کی بالیاں کھلی ہوئی دیکھ کر عمر بن خطاب نے آپ سے فرمایا:

آپ عمل (صالح) کریں کیوں کہ محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) تمہارے کام نہ آئیں گے۔ ام

ہانی نے نبی پاک کی خدمت میں آ کر سب کچھ بتایا تو آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں کا کیا معاملہ ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کو نفع نہ دے گی حالانکہ میری شفاعت کا نفع تمہارے ان دو قبیلوں حاوح حاوح کو بھی ملے گا''۔نسب اور مصاہرت کے مسائل کے تحت ہم نے مکمل حدیث ذکر کر دی ہے اور اس کی تخریج بھی وہاں گزر چکی ہے۔

وصل اللهم على من قال لابنته ''إن الله غير معذبک ولا ولدک'' وسلم تسليما كثيرا كبيرا

اے اللہ! اس پر بے کراں رحمت وسلام نازل فرما جو آپ کی شہزادی کے حق میں یہ کہے:

''إن الله غير معذبكِ ولا ولدكِ''

ترجمہ:۔''کہ اللہ تم پر اور تمہاری اولاد پر عذاب نہ فرمائے گا''۔

(۳۶) اے ابن تیمیہ! اہل بیت میں وہ کون ہیں جو طاہر نہیں؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۵۹/۴) میں کہا:

''اللہ تعالی نے یہ خبر نہیں دی کہ اس نے تمام اہل بیت کو پاک فرمادیا ہے، اوران سے ان کی آلائش اور پلیدی کو دور فرمادیا ہے، کیوں کہ یہ اللہ کے حق میں کذب ہے، ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمیں یقین سے معلوم ہے کہ بنو ہاشم میں ایسے لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک نہیں، اور نہ ہی ان سے پلیدی دور رکھی گئی خاص کر رافضیوں کے نزدیک، کیوں کہ ان کے یہاں تو بنو ہاشم میں سے جو شخص ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما سے محبت رکھتا ہے وہ مطہر نہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں:

کوئی زندیق ابن تیمیہ کی بعینہ یہی بولی بول کر یہ کہہ سکتا ہے کہ: اللہ تعالی نے اس بات کی خبر نہیں دی کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی تمام ازواج کو پاک فرمادیا ہے۔ یا کوئی یہ کہہ سکتا ہے''**اللّٰهم صل على النبي** ﷺ **وعلى من ثبت طهره من أهل البيت** ''یعنی اے اللہ! نبی ﷺ اور آپ کے ان اہل بیت پر رحمت نازل فرما جن کی پاکی ثابت ہوچکی ہے؟

کیا اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اہل بیت میں سے بعض یا نصف کو پاک فرمادیا ہے، اور باقی کو پاک نہ فرمایا، ابن تیمیہ مجھے بتائے کہ علمائے مسلمین میں کون سے حضرات ہیں جنھوں نے طاہر اور غیر طاہر اہل بیت کے اسما کے بیان میں کتابیں تالیف فرمائیں، ایسا صرف زندیقوں ہی کی کتابوں میں ہوگا؟

مجھے بتایا جائے کہ کن علمائے مسلمین نے سابقہ صدیوں میں ابن تیمیہ کی سی بات کی؟

مجھے بتایا جائے خود ابن تیمیہ خطا اور بدعت پر ہے، یا وہ علمائے امت جاہل ہیں جو اپنی کتابیں شروع، اور ختم کرتے وقت نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود بھیجتے ہیں اوران کی تطہیر کا اعتراف کرتے اوراس کی شہادت دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں''**وعلى أهل بيته الطاهرين أو الأطهار الذين طهرهم الله تطهيرا**''

علماے اسلام کی قدیم وجدید کتابیں اس صیغہ تطہیر کے ذکر سے مالا مال ہیں۔

مجھے بتایا جائے کیا یہ محبان اہل بیت کا کلام ہے یا دشمنان اہل بیت کا؟

مجھے نہیں معلوم کہ جنتی نوجوانوں کے سردار حضرت حسن، اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالی عنہما کی تصدیق کریں یا ابن تیمیہ کو سچا جانیں؟

طبرانی نے کبیر (۹۳/۳) میں ابوجمیلہ سے یہ روایت کیا کہ حضرت علی کی شہادت کے وقت جب حضرت حسن مسند آرائے خلافت ہوئے تو ابھی آپ نماز پڑھا رہے تھے اچانک ایک شخص آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ پر خنجر سے وار کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کئی ماہ بیمار رہے، پھر آپ نے منبر پر جلوہ نشیں ہو کر خطبہ کے درمیان فرمایا: اے اہل عراق! ہمارے معاملہ میں اللہ کا خوف رکھو کیوں کہ ہم تمہارے حاکم وامیر، اور تمہارے مہمان ہیں۔ اور ہم اہل بیت کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے''۔

اس دن آپ جب تک خطاب فرماتے رہے مسجد میں سارے حاضرین اشک بار ہی نظر آئے۔الخ

ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۲/۹) میں کہا: ''رجاله ثقات'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور ابوطفیل کی ایک دوسری روایت جو ایک طویل حدیث ہے اس میں یہ ہے کہ ابوطفیل نے فرمایا: حسن بن علی بن ابو طالب نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اللہ کی حمد وثنا فرمائی اور اس خطبہ میں یہ فرمایا: میں ان اہل بیت سے ہوں جن کی ناپاکی اللہ نے دور فرمائی، اور انہیں خوب خوب پاک فرمایا۔ اور میں ان اہل بیت سے ہوں جن کی محبت ودوستی اللہ نے فرض قرار دی کیوں کہ اس نے محمد ﷺ کی شان میں یہ نازل فرمایا:

﴿قُلْ لَاأَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّاالْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ﴾ [الشوری-۴۲:۲۳]

ترجمہ:۔''تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۴۶/۹) میں اس حدیث کے بعض طرق کو حسن قرار دیا، حاکم (۱۸۸/۳) اور دولابی نے الذریۃ الطاہرۃ (۱۴/۷) میں علی بن زین العابدین سے اسے روایت کیا۔

اور طبرانی نے اپنی تاریخ (۳۳۶/۳)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۹۳/۸) میں ذکر کیا کہ جب سیدہ زینب عبداللہ بن زیاد کے پاس پہنچیں (حضرت حسین کی شہادت کے بعد) عبیداللہ بن زیاد نے کہا: یہ کون خاتون ہیں؟ اس پر آپ نے اسے جواب نہ دیا تو حضرت زینب کی بعض کنیزوں نے جواب دیا: یہ زینب شہزادیٔ فاطمہ ہیں تو عبیداللہ نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کی جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، اور تمہیں قتل کرایا، اور تمہارے افسانہ کا جھوٹا ہونا ظاہر فرمایا، اس پر حضرت زینب نے فرمایا: بلکہ اس خدائے یکتا و بے ہمتا کا شکر ہے جس نے ہمیں محمد ﷺ کی پاکیزہ نسبت سے مشرف و مکرم فرمایا، اور ہمیں خوب خوب پاک فرمایا، ایسا نہیں جیسا کہ تو کہتا ہے، صرف فاسق کو ذلیل وخوار کیا جاتا اور بدکار کو جھٹلایا جاتا ہے، عبیداللہ بولا: تم نے نہ دیکھا اللہ نے اہل بیت کا کیسا حال کیا۔ سیدہ زینب نے فرمایا: اللہ نے ان کی شہادت مقدر فرمادی تھی تو انھوں نے اپنی آرام گاہوں کی پناہ لی۔ اور جلد ہی اللہ تمہیں اور انہیں جمع فرمائے گا اور اپنی بارگاہ میں تم پر انہیں غالب رکھے گا۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے (جس کو ابن حبان (۴۳۲/۱۵) نے صحیح کہا، اور ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۸۵/۳) میں حسن قرار دے کر فرمایا (''یہ حدیث حسن غریب ہے'') کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو اپنے داہنے، علی کو اپنے بائیں، اور حسن وحسین کو اپنے سامنے بیٹھا کر یہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اللهم هؤلاء أهلي'' یعنی ''اے اہل بیت! اللہ تم سے ناپاکی دور فرمانا چاہتا ہے اور تمہیں خوب خوب پاک کرنا چاہتا ہے، اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں''۔

واثلہ بن اسقع نے کہا: میں نے گھر کے گوشہ سے عرض کیا: اور یا رسول اللہ میں آپ کے اہل سے ہوں؟ فرمایا: ''اور تم میری آل سے ہو، واثلہ نے کہا'' کہ ہم وابستگان رسالت کے لیے یہ بڑی امید افزا بات ہے۔

پھر ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷۹/۷) میں کہا:

''اگر یہ کہا جائے چلیے مان لیتے ہیں کہ اہل بیت کی تطہیر،اوران کی ناپا کی دور کرنے سے جومراد ومقصود ہے اس کا وقوع قرآن سے نہیں معلوم ہوتا لیکن نبی پاک ﷺ نے ان کے حق میں ایسی دعا فرمائی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت کی تطہیر ہوچکی اوران کی ناپا کی دور کردی گئی کیوں کہ آپ کی دعا مقبول ومستجاب ہے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:اس مقام پر مقصود یہ ہے کہ قرآن سے اس دعوی کا علم نہیں ہوتا کہ ان کی طہارت ثابت ہے،اوران کی ناپا کی دور ہوگئی چہ جائے کہ عصمت وامامت کا علم ہو،رہا حدیث سے استدلال تو اس کا دوسرا مقام ہے۔الخ

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کواس بات کا اعتراف ہے کہ نبی پاک ﷺ کی دعا مقبول ومستجاب ہے،تو پھراس کے کلام سابق کا کیا معنی کہ ''**وإن ليس كل أهل البيت مطهرين**''(سارے اہل بیت مطہر نہیں)اوراس کا کیا معنی کہ''اس حدیث سے استدلال کا دوسرا مقام ہے''اوراپنی کتابوں میں اس حدیث کے متعلق کیوں کلام نہ کیا؟

(۳۷) ابن تیمیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور ان پر درود وسلام کی اہمیت گھٹا رہا ہے، اور امام شافعی وامام احمد پر جھوٹ کا دعوی کر رہا ہے۔

''ابن مطہر نے ذکر کیا کہ نبی پاک کے اہل بیت دوسروں سے اس لیے افضل ہیں کہ ان پر درود بھیجا جاتا ہے'' ابن تیمیہ نے ابن مطہر کا اس مسئلہ میں رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۷/۷۸) میں کہا:

''آپ کی تبعیت میں آپ کی آل پر درود بھیجا جانا اس امر کو مستلزم نہیں کہ آپ کی آل آپ کے ان اولیا سے بھی افضل ہوں جن پر درود نہیں بھیجا جاتا، کیوں کہ انبیا اور مرسلین آپ کے اولیا میں سے ہیں اور یہ حضرات آپ کے اہل بیت سے بھی افضل ہیں اگر چہ تبعا درود میں داخل نہیں، اس لیے کہ کبھی مفضول کو کوئی خصوصیت حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ مفضول فاضل سے بھی افضل ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین کی روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ کی ازواج پر درود بھیجا جاتا ہے پھر بھی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیا ان سب سے افضل ہیں''۔

اس نے اپنی کتاب منہاج (۷/۲۴۰) میں یہ بھی کہا:

''یہ بات معلوم ہے کہ صلاۃ وسلام کے حکم میں ان کا داخل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ ان سے بھی افضل ہیں جو درود وسلام میں داخل نہیں''

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ کے اہل بیت سے ابن تیمیہ کا کیا مقصود ہے... اور اس کے اس کلام سے کیا ایہام ملحوظ ومنظور ہے: ''انبیا ومرسلین آپ کے اولیا سے ہیں، اور آپ کے اولیا آپ کے اہل بیت سے افضل ہیں'' کیا اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہے۔

اہل سنت کا مقصود یہ ہے کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ انبیاء ومرسلین اوران حضرات کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں جن کی افضلیت کی تصریح حضور اقدس ﷺ نے فرمادی ہے، جیسا کہ فرمایا: ''ابوبکر وعمر تمام جنتیوں میں ادھیڑ عمر والوں کے سردار ہیں'' اور یہ بھی حدیث سے ثابت شدہ ہے کہ ''سیدہ فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں'' ''اور حسن وحسین تمام جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' اوران کے والدان دونوں سے افضل وبہتر ہیں'' نبی پاک ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا، اور آپ کی ازواج طاہرات رضی اللہ تعالی عنہن بنص قرآن کریم آپ کے ساتھ رہیں گی، اوراسی طرح آپ کی اولا دامجاد بھی۔

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ نبی پاک ﷺ کا نسب اور آپ کی قرابت ومصاہرت کو کالعدم قرار دینے سے ابن تیمیہ کا کیا مقصود ہے؟ ابن تیمیہ نے معاذ اللہ گزشتہ حقائق کو بالائے طاق رکھ دیا تو ان کروڑ ہا کروڑ درود کا کیا جائے جنھیں ہر روز نمازی اپنی نمازوں میں اہل بیت پر بھیجتے ہیں، حدیث پاک سے تو یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ تین چیزوں کو چھوڑ کر انسان کے تمام اعمال کا نفع منقطع ہوجاتا ہے، اور نبی پاک کے اہل بیت پر درودوں کا سلسلہ منقطع ہونے والا نہیں۔

پھر ابن تیمیہ کے اس کلام کا کیا معنی ہے:

''یہ بات **معلوم** ہے کہ صلاۃ وسلام میں ان کا داخل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو اس درود وسلام میں داخل نہیں''۔

یہ ''**امر معلوم**'' کہاں سے ابن تیمیہ کے ہاتھ لگا، اس کی دلیل کیا ہے؟ اس اسلوب سے ہوشیار رہیے جس کا مغز دشمنان اسلام کے ذریعہ دھویا گیا ہے۔

اگر اہل بیت کو یہ افضلیت حاصل نہ ہوتی تو اللہ عز وجل انہیں اہل بیت میں پیدا نہ فرماتا، اور نبی پاک ﷺ کی برکت میں داخل نہ فرماتا، پھر آپ کے حکم اور آپ کی تعلیم امت کے سبب ان آل پاک پر نمازیوں کا جو درود بھیجا جاتا ہے اس میں بھی انہیں شامل نہ فرماتا۔

(۳۸) جو شخص نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود بھیجنا نہیں چاہتا، ابن تیمیہ اس کے لیے مکمل دروازہ کھول رہا ہے

ابن مطہر نے ذکر کیا کہ ''نبی پاک ﷺ کے اہل بیت دوسروں سے اس لیے افضل ہیں کہ مسلمان نماز پنجگانہ اور نوافل وسنن کے تشہد میں ان پر درود بھیجتے ہیں'' ابن مطہر کے اس ذکر کردہ مسئلہ کا رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۵۹۵/۴) میں کہا:

''اس سلسلہ میں فقہا کا اختلاف ہے کہ نماز میں نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، جمہور فقہا اس کو واجب نہیں کہتے، اور جو فقہا وجوب کے قائل ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ درود آپ پر بھیجا جائے، نہ کہ آپ کی آل پر'' الخ

اور اس کلام کو موکد کرنے کے لیے اپنی کتاب منہاج (۵۹۸/۴) میں یہ بھی کہا:

''بلکہ بعض فقہا اس کے قائل ہیں کہ صرف آپ پر درود بھیجنا واجب ہے، نہ کہ آپ کی آل پر جیسا کہ شافعی واحمد کے مذہب میں یہ مشہور ہے۔ اس بنا پر آپ کی آل پر درود بھیجنا واجب نہیں'' الخ

میں کہتا ہوں:

اے اہل بیت! اللہ ورسول آپ کے لیے کافی ہیں، ابن تیمیہ آپ کے خصائص کا انکار کر کے کمزور ایمان والوں کے لیے درود نہ بھیجنے کی مکمل راہیں کھول رہا ہے، کاش! اسے یہ نظر آتا کہ جو فقہا وجوب کے قائل نہیں وہ استحباب کے تو قائل ہیں۔ ابن تیمیہ نے امام احمد کے مسلک میں خلط ملط کیا، اور آپ پر جھوٹ باندھا، ہم جلد ہی ابن تیمیہ سے پہلے حنابلہ کے اقوال پیش کریں گے، اور اس کے بعد اس کے بعض تلامذہ کے اقوال گوش گذار کریں گے جس سے ابن تیمیہ کے کذب کا پردہ فاش ہو جائے گا، اس لیے کہ اس کا یہ دعوی ہے کہ جمہور کا قول

یہ ہے کہ نماز میں نبی پاک پر درود بھیجنا واجب نہیں، حالاں کہ سیدنا امام شافعی و امام احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے، تو پھر کیسے جمہور کا یہ قول ہے کہ واجب نہیں؟

(۱) ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے کہا: (ابن تیمیہ کے مرنے سے ۱۰۸ سال پہلے آپ کا وصال ہوا) مغنی (۳۱۸/۱) میں ہے مسئلہ: فرمایا: تشہد کے بعد نبی پاک ﷺ پر یہ درود بھیجے: "**اللھم صل علی محمدو اٰل محمد کماصلیت علی آل إبراهيم إنک حميد مجيد، وبارک علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی إبراهيم إنک حميدمجيد**" حاصل یہ کہ جب نماز کے آخر میں بیٹھے تو مذکورہ تشہد پڑھے، پھر نبی پاک ﷺ پر درود بھیجے جیسا کہ خرقی نے ذکر کیا اور یہ صحیح مذہب میں واجب ہے۔ یہ شافعی اور اسحاق کا قول ہے، اور احمد کی روایت میں واجب ہے اور امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ واجب ہے، کیوں کہ ابوزرعہ دمشقی نے امام احمد سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: مجھے اس سے ڈر لگتا تھا پھر مجھ پر روشن ہوگیا تو اب درود واجب ہے' اس سے یہی ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے پہلے قول سے اس قول کی طرف رجوع فرمالیا۔

(۲) ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن مفلح حنبلی نے المبدع (۴۹۷/۱) میں کہا: خرقی کی مختار روایت میں نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم ہے، اور مغنی میں ہے کہ یہ روایت ظاہر مذہب کے مطابق ہے، اور شرح میں اس کو صحیح کہا، اور "**وجیز**" نے اس روایت پر جزم کیا اس لیے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿يَآ أَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْاعَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الاحزاب-۳۳ ۵۶]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد پاک میں امر کا معنی یہ ہے کہ درود و سلام بھیجنا واجب ہے، اور فرض نماز سے بہتر کوئی جگہ نہیں جہاں درود بھیجنا واجب ہو، اور آپ سے مروی ہے کہ رکن ہے۔ "المحرر والفروع" میں اسی روایت کو مقدم رکھا، اور "المذهب و الوسيله" میں اس کو صحیح کہا، اور ابن ہبیرہ نے ذکر کیا کہ یہ مشہور روایت ہے۔ اور کعب کی حدیث کے سبب یہ اکثر حضرات کا مختار ہے۔ اور یہ بھی

مروی ہے کہ سنت ہے۔ مروزی نے ابوعبداللہ سے کہا: ابن راھویہ یہ فرماتے اگر کوئی شخص تشہد میں حضور اقدس ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے، تو ابوعبداللہ نے کہا: میں ایسا کہنے کی جرأت نہیں رکھتا، اور ایک روایت میں ہے کہ: یہ شاذ ہے۔

(۳) اور مرداوی حنبلی (ابن تیمیہ کے ۱۵۷ سال بعد آپ کا وصال ہوا) کی الانصاف (۱۱۶/۲) میں ہے: ''نبی پاک ﷺ پر درود کے مقام میں درود بھیجنا یعنی تشہد اخیر میں درود بھیجنا واجب ہے۔ یہ امام احمد کی ایک روایت ہے جس پر العمدة، اور الھادی، اور الوجیز میں جزم فرمایا۔ اور خرقی اور مجد نے اپنی شرح تذکرہ میں اس کو مختار قرار دیا، اور نظم اور حاوی کبیر میں اس کو صحیح کہا۔ مغنی میں کہا کہ یہ ظاہر مذہب ہے، اور فائق میں اس کو مقدم رکھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ: رکن ہے۔ اور یہی مذہب ہے جس پر اکثر اصحاب ہیں۔ الخ

(۴) ابن کثیر شافعی نے اپنی تفسیر (۵۰۹/۳) میں کہا: ہم نے اس کا واجب ہونا روایت کیا اور یہ ذکر کیا کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم وارد ہے جیسا کہ آیت سے یہی ظاہر ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے اس حدیث کی یہی تفسیر منقول ہے جن میں عبداللہ ابن مسعود، ابومسعود بدری اور جابر بن عبداللہ ہیں۔ تابعین میں شعبی، ابوجعفر باقر، اور مقاتل ابن حبان نے اس حدیث کی یہی تفسیر فرمائی۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے، اس سلسلے میں نہ تو امام شافعی کا کوئی اختلاف ہے، اور نہ ہی آپ کے اصحاب کا۔ اور اخیر میں امام احمد کا یہی مذہب رہا جیسا کہ ابوزرعہ دمشقی نے آپ سے یہی مذہب نقل کیا۔ اسی کے قائل اسحاق ابن راھویہ، اور فقیہ امام محمد بن ابراہیم معروف با بن المواز مالکی رحمہم اللہ تعالی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ حنابلہ نے یہ فرمایا: نماز میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے اس لیے کہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو حضور نے انہیں درود اور اس کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے آپ کی آل پر درود بھیجنا واجب فرمایا جیسا کہ بندنیجی، سلیم رازی، اور ان کے ساتھی نصر بن ابراہیم مقدسی نے اس کو نقل فرمایا، اور امام الحرمین اور آپ کے شاگرد امام غزالی

نے اسے امام شافعی کا ایک قول نقل فرمایا،اور صحیح یہ ہے کہ یہ ایک وجہ ہے،علاوہ ازیں جمہور اس کے برخلاف ہیں،ان حضرات نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا،اور حدیث سے وجوب کا قول ظاہر ہے۔واللہ تعالی اعلم۔اھ

(۵) صاحب سبل السلام (۱؍۱۹۳) نے کہا: ''اور''قولوا'' کے ظاہری معنی کے سبب حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں حضور اقدس پر درود بھیجنا واجب ہے اس لیے کہ حدیث میں ''قولوا'' (پڑھو) فرمایا جو امر کا صیغہ ہے جس کا ظاہر واجب ہونا ہے۔اور سلف وائمہ کی ایک جماعت،امام شافعی واسحاق کا یہی مذہب ہے ان حضرات کی دلیل گزشتہ حدیث ہے جس میں آل کا اضافہ بھی ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ کی آل پر بھی درود بھیجنا واجب ہے،اور یہ ہادی،قاسم،اور احمد بن حنبل کا قول ہے۔اور یہیں سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ درود سے آل کا لفظ حذف کرنا مناسب نہیں جیسا کہ کتب حدیث میں واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ محدثین کے نزدیک نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنے کا یہ طریقہ بلاشبہ صحیح ہے،خود ان حضرات نے درود کا یہ طریقہ روایت کیا۔گویا انھوں نے ازراہ تقیہ غلطی سے اسے حذف کردیا۔دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اموی حکومت میں کچھ لوگ اہل بیت کرام کا ذکر سننا پسند نہ کرتے'' اھ تو کیا ابن تیمیہ انہیں کی اتباع میں نماز کے اندران کا ذکر نا پسند کرتا ہے؟

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے نیاز برداروں سے ہمارا مواخذہ یہ ہے کہ: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا واجب نہیں،کیا انھوں نے نماز میں تشہد کے اندر آپ،یا آپ کے اہل بیت پر درود بھیجنا چھوڑ دیا؟ابن تیمیہ کا طریقہ استدلال کیا ہے؟

(۳۹) ابن تیمیہ کی نظر میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کے خون کی قدر و قیمت

ابن تیمیہ نے اپنے گزشتہ جوش وخروش کے ساتھ رافضی کا رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج السنہ (۵۸۶/۴) میں کہا:

''اسی طرح یہ کہنا کہ نبی پاک نے یہ فرمایا: جو میرے اہل بیت کی خون ریزیاں کرے گا، اور میری عترت کے بارے میں مجھے ایذا دے گا اس پر اللہ کا، اور میرا سخت غضب نازل ہوگا'' یہ ایسی بات ہے جسے ایک جاہل ہی نبی ﷺ سے نقل کرے گا، اور آپ کی طرف اسے منسوب کرے گا۔ کیوں کہ حسن وحسین وغیرہما کے خون کی حفاظت ان کے ایمان وتقوی کے سبب کرنے والا مومن متقی محض قرابت والے سے بڑھ کر ہے، اور اگر نبی ﷺ کے اہل بیت کا کوئی شخص ایسا کام کرے جس کے سبب اسے قتل کرنا، یا اس کا عضو کاٹنا مباح ہو جائے تو باجماع مسلمین اسے قتل کرنا، اور اس کا عضو کاٹنا جائز ہوگا''۔ اھ

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ یہ چاہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ فرما دیں کہ صرف اللہ پر بھروسہ کرو، اور میرے اہل بیت کو ذبح کردو، ابن تیمیہ کے دل کی جو پوشیدہ بغض وعداوت اس کے کلام سے ظاہر ہے ____ ہم اس کے رد میں کہتے ہیں:

۱۔ جب ابن تیمیہ کے کلام کے مطابق جنتی نوجوانوں کے سرداروں کے خون کی حفاظت کرنے والا مومن متقی محض قرابت کے سبب حفاظت کرنے والے سے بڑھ کر ہے تو کیوں جبریل وہاں کی خاک لے کر نہ آئے جہاں حجاج اور یزید بن معاویہ کے لشکر نے سیکڑوں اور ہزاروں رسول پاک کے اصحاب کو شہید کیا، جیسا کہ امام حسین کی شہادت گاہ ''کربلا'' کی خاک سرخ بارگاہ رسالت میں لے کر آئے۔

شجرۂ طرفاء کا موضوع مطالعہ کیجئے، یہ وہ درخت ہے جس پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون بہا۔

۲۔ ابن تیمیہ کسی حدیث کی تضعیف تو نہیں کر رہا ہے لیکن حدیث کے مفہوم ومعنی کا انکار کر رہا ہے اس لیے

اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ رہ گیا رسول پاک کی پاکیزہ عترت کے خون کا معاملہ تو اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ رسول پاک ﷺ سے حیا کی جائے، اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اگر کسی دشمن کا دین وایمان کمزور ہے، اس کے یقین میں کمی ہے، اور اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی حرمت کی تعظیم نہیں ہے اس وجہ سے وہ کوئی دلیل چاہتا ہے تو اسے سیدہ عائشہ کی یہ روایت کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ستة لعنتهم، لعنهم الله، وكل نبي يجاب: المكذب بقدرة الله، والزائد في كتاب الله، والمتسلط بالجبروت يذل من أعز الله، ويعزمن أذل الله، والمستحل لحرم الله، والمستحل من عترتي ماحرم الله، والتارك لسنتي**'' ''چھ لوگوں پر میں، اللہ اور ہر نبی مستجاب الدعوات لعنت بھیجتے ہیں:

(۱) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

(۲) اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا،

(۳) غالب طاقت وقدرت رکھنے والا جو اسے ذلیل کرے جسے اللہ نے عزت بخشی، اور اسے عزت وغلبہ دے جسے اللہ نے ذلیل فرمایا۔

(۴) اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا۔

(۵) میری عترت سے اس چیز کو حلال کرنے والا جسے اللہ نے حرام فرمایا، اور

(۶) میری سنت ترک کرنے والا۔[1]

---

(۱) کم ازکم چھ (۶) حفاظ حدیث نے اس حدیث کو صحیح کہا: ابن حبان (۱۳/۶۰) اور حاکم (۱/۹۱)، (۲/۵۲۷) نے صحیح کہا، ذہبی نے تلخیص میں کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور مجھے اس حدیث میں کوئی علت قادحہ معلوم نہیں، اور مناوی نے فیض القدیر میں کہا: اس حدیث کو ذہبی نے کبائر میں عائشہ کی حدیث سے تخریج کی پھر فرمایا: اس کی اسناد صحیح ہے، اور اس کو ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱/۱۷۶)، (۷/۲۰۵) میں ذکر کر کے کہا: طبرانی نے اس کو اوسط (۲/۱۸۶) میں روایت کیا، اور اس کے

۴۔ جو شخص یہ کہے کہ: ''نبی پاک ﷺ کو ایذا نہ دی جائے اور آپ کی ذریت کی خوں ریزی نہ کی جائے''
ایسا شخص ابن تیمیہ کی نظر میں جب جاہل ہے تو پھر عالم کون ہے؟
ابن حبان، طبرانی، حاکم، اور ابن ابوعاصم نے یہ حدیث مذکور روایت کی یہ حضرات ائمہ حدیث ہیں
تو کیا یہ سارے حضرات جاہل ہیں؟

۵۔ حاکم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ نے محمد ﷺ کی طرف یہ وحی فرمائی: "**إني قتلت بيحي بن زكرياسبعين ألفا، وإني قاتل بابن ابنتک سبعين ألفا وسبعين ألفا**" ''میں نے یحیٰ بن زکریا کے بدلے ستّر ہزار کو قتل کیا، اور آپ کے نواسہ کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار کو قتل کروں گا''۔(۱)

رجال ثقہ ہیں۔ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا.... میں کہتا ہوں: اور طبرانی نے کبیر (۱۲۶/۳) میں بھی اسے روایت کیا، اور سیوطی نے جامع صغیر (۳۲/۲) میں اس کو صحیح کہا، اور اس کو بیہقی نے بھی شعب الایمان (۴۴۳/۳) میں روایت کیا جیسا کہ حاکم نے (۱۵۷/۲) بطریق علی بن حسین اسے روایت کر کے صحیح کہا، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔
اسی طرح یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مروی ہے "سبعةٌ لعنتهم" (سات لوگوں پر میری لعنت ہے) طبرانی نے کبیر میں (۴۳/۱۷) عمرو بن شغوی سے اس کو روایت کیا، اور ابن ابوعاصم نے (۱۴۹/۱) سیدہ عائشہ سے روایت کیا، اور سیوطی نے جامع صغیر (۳۱/۲) میں اس کو حسن کہا، اور مناوی نے فیض القدیر (۹۱/۴-۹۲) میں نقل کیا کہ دیلمی نے اسے صحیح کہا۔

(۱) حاکم نے چھ حضرات کے طریق سے مستدرک (۳۱۹/۲، ۶۴۸) اور (۱۹۵/۳) میں ابونعیم سے تخریج کر کے صحیح کہا، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور اپنی تلخیص میں یہ کہا: مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ خطیب نے تاریخ بغداد (۱۴۱/۱-۱۴۲) میں اس کو روایت کیا، اور ابن حجر نے لسان (۴۵۷/۴) میں یہ ذکر کیا کہ: ابن حبان نے ان تین راویوں کو ضعیف کہا جو ابونعیم کی روایت میں ہیں، اس کے بعد ابن حجر نے کہا: حاکم نے مستدرک میں بروایت ابونعیم چھ حضرات کے طرق سے اس کی تخریج کی اور صحیح کہا اور مصنف (ذہبی) نے اپنی تلخیص میں اس کی موافقت کی۔ اور عجلونی نے کشف الخفا (۱۲۸/۲) میں کہا: اس کو حاکم نے مستدرک میں ابن عباس سے مرفوعاً چند ایسی سندوں سے روایت کی جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا۔

ان ارشادات کے ہوتے ہوئے کیااللہ عزوجل کی بارگاہ میں بھی حسین اوررسول اللہ ﷺ کی عترت کا خون بے قدر و قیمت ہے، ابن تیمیہ نے چونکہ اس حدیث کو ذکر نہ کیا نہ صحیح کہہ کر نہ ضعیف، بلکہ مکمل تجاہل سے کام لیا۔اس کی دراصل وجہ یہ ہے کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب حضرت عثمان کے معاملہ میں لوگوں کے درمیان شورش پھیلی تو عبداللہ بن سلام نے فرمایا:''اے لوگو!اس شیخ کو قتل نہ کرو، نہ ان پر عتاب طلب کرو کیوں کہ جب بھی کسی امت نے اپنے معاملہ کی اصلاح کی خاطر اپنے نبی کو قتل کیا تو ستر ہزار کی خوں ریزی ہوئی اور جب کوئی امت اپنے اصلاح امر کی خاطر اپنے خلیفہ کو قتل کرے گی تو ان میں سے چالیس ہزار کا خون رائیگاں ہوگا''۔

اوراسی اثر میں ہے:''علی کی شہادت کے وقت عبداللہ نے،ابن معقل سے کہا: یہ چالیس کے سردار ہیں اورعنقریب ان کے سردار ہی کے سرصلح ہوگی،اور جب بھی کوئی امت اپنے نبی کو قتل کرے گی تو اس کے

علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے بعض نوخیزوں نے جب اس حدیث کی تضعیف کی کوئی راہ نہ پائی تو یہ کہا کہ یہ حدیث حبیب ابن ابوثابت کے سبب ضعیف ہے اس لیے کہ ان میں عنعنہ کی علت پائی جاتی ہے۔اگر ان نوخیزوں کی بات مان لی جائے تو اس طرح بخاری ومسلم وغیرہ کی ایسی دسیوں حدیثیں ضعیف قرار پائیں گی جنہیں حبیب ابن ابوثابت نے سعید بن جبیر وغیرہ سے بطریق عنعنہ روایت کیا اس لیے کہ عنعنہ کی علت ان احادیث میں بھی دائر ہے جب یہ حدیث اس علت کے سبب ضعیف ہے تو ان کے پاس بخاری ومسلم وغیرہ کی دسیوں حدیثوں کی تضعیف سے کوئی مانع نہیں،اور حبیب بن ابوثابت کے بارے میں ابن عدی نے کامل میں کہا: وہ مشہور ہیں ان کی حدیثیں بہت زیادہ ہیں جنہیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں،ائمہ حدیث نے ان سے حدیث روایت کیا،وہ ثقہ حجت ہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا:اور علی بن مدینی نے کہا:ان کی تقریباً دوسو (۲۰۰) حدیثیں ہیں اور ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: کوفہ میں تین حضرات کے سوا کوئی چوتھا نہ تھا: حبیب بن ابی ثابت،حکم اور حماد، اور یہ تینوں حضرات اصحاب فتوی تھے،اور کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حبیب کے سامنے سرنگوں نہ ہو۔اور ابوبکر بن عیاش نے کہا،ابو یحیی قتات سے مروی ہے: میں حبیب بن ابی ثابت کے ساتھ طائف آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان میں کوئی نبی جلوہ ساماں ہوا ہے۔اور ابن مبارک نے سفیان سے روایت کر کے کہا: ہم سے حبیب بن ابی ثابت نے حدیث بیان کی اور وہ عظیم ستون تھے یا اس طرح اور کوئی کلمہ کہا۔میں کہتا ہوں: خواہش وخواری سے اللہ کی پناہ کہ صرف اہل بیت کرام کی شان گھٹانے کے لیے ہی عنعنہ کو مشق ستم بنایا جارہا ہے۔

بدلے ستر ہزار کا خون رائیگاں ہوگا، اور جب کسی امت کے خلیفہ کا قتل ہوگا تو اس کے عوض چالیس ہزار کا ناحق خون ہوگا''۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۲۴۶-۲۴۷) میں کہا: اس کو طبرانی نے دو طریق سے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا معنی یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حرمت وکرامت کے پیش نظر حسین کی خون ریزی کا وہی بدلہ ہے جو کسی نبی کے کشت وخون کا بدلہ ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے ارشاد فرمایا:

''**من أشقى الأولين**''قال:عاقر الناقة،قال''فمن أشقى الأخرين''قال: الله ورسوله أعلم، قال: ''**قاتلك**'' ''اگلوں میں کون بد بخت ہے''عرض کی: صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا، فرمایا ''بعد والوں میں کون شقی و بد بخت ہے''عرض کی: اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے تو آپ نے فرمایا: ''تمہارا قاتل''

بزار نے عمدہ سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا۔

(۴۰) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اقدس کی زیارت، اور صالحین کی قبروں سے متعلق بعض اہم احکام

اے اللہ کے رسول! ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ: ''آپ کی بارگاہ کا سفر نا جائز ہے، اور ائمہ اس پر متفق ہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مقبول نہیں، جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعا کرے وہ آپ کی طرف اپنی پیٹھ کرے، آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، صحابہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے سے بے نیاز رہے، انھوں نے آپ کو بے یار و مددگار رکھا، وہ اپنے آبا و اجداد کی زیارت کو جاتے مگر آپ کی زیارت کو نہ آتے۔ یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی زیارت کو نہ جاتے، اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ لوگ آپ کی قبر اقدس کی زیارت نہ کریں اس لیے کہ آپ کا سننا حجرہ نبویہ کی چند میٹر ہی تک محدود ہے تو پھر ان دور دراز مسافتوں سے سفر کر کے آپ کی زیارت کے لیے آنا کس لیے ہے'' اور اس کے علاوہ بہت سے دعوے کیے۔

گویا ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہا ہے: سفر زیارت آپ کی خاطر ہے۔ آپ تو رہے نہیں، ہاں مسجد کے در و دیوار، اور چٹائیاں و قالینیں وغیرہ موجود ہیں۔

میں آپ کی خاطر یہ خدمت انجام دوں گا کہ آپ کی امت کے اندر آپ کی زیارت کے متعلق شک وشبہ پیدا کروں گا، اور انہیں آپ کی برکت سے محروم و بے فیض رکھوں گا، ___ جیسا کہ یہ ذکر کیا کہ مدینہ منورہ نبی پاک ﷺ کی برکت کے سبب محفوظ نہیں ___ میں لوگوں کو اس پر آمادہ کروں گا کہ وہ اس کی حاضری دیں جسے صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا" رہ گئے آپ اے وہ ذات پاک جن کی شان میں اللہ عز وجل نے فرمایا:

﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ [الطّور-۵۲:۴۸]

ترجمہ:۔''کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو''۔

اور موسی کے متعلق فرمایا:

﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ [طہ-۲۰:۳۹]

ترجمہ:۔"اور اس لیے کہ تم میری نگاہ کے سامنے تیار ہو"۔

تو میں آپ کی امت کو اس ذات کی زیارت نہ کرنے دوں گا جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے یہ فرمایا: ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

میں ہر زمانے میں کچھ افراد فراہم کروں گا، خاص کر آخری زمانہ میں، جس وقت علما کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا اور ایسی کمسن نوخیز نسل تیار ہوگی جن کے اندر بڑے کی تعظیم، اور چھوٹے پر مہربانی وشفقت نہ ہوگی، ان کا ایمان ان کے حلقوم سے نیچے نہ اترے گا، وہ اپنی خواہش کے مطابق حدیثیں صحیح کہیں گے، اور اپنی خواہش کے معیار پر حدیثیں ضعیف قرار دیں گے، اور جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ: فلاں امام نے یہ فرمایا تو بس وہ یہی کہیں گے: ہم تو ابن تیمیہ کے سوا کسی کو مانتے ہی نہیں۔

ان کے شیوخ کو تکفیر کے سوا کچھ کام نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ زمین گول ہے تو ان کی تکفیر کی تلوار اسے سر قلم کرنے کو تیار رہتی ہے، اور کسی نے چاند کے سفر کا قول کیا تو انھوں نے اس کی تکفیر سے گریز نہ کیا یہاں تک کہ مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بھی ان کے نزدیک عظیم ترین بدعات سے ہے۔

پھر نوع بنوع ٹولیاں اور جدید نسلیں پیدا کی جا رہی ہیں، ایک ایسی ٹیم کی تشکیل کا بھی عمل جاری ہے جو حرم پاک میں لوگوں کو ہتھیاروں سے قتل کرے کیوں کہ ان کا یہ دعوی ہے کہ انہیں میں سے مہدی کا ظہور ہوگا (۱۹۷۸ء)

انہیں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اسرائیلیات کی حدیث صحیح قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس جھوٹی گڑھی ہوئی حدیث کو صحیح کہا "إن الله تعالى لما فرغ من الخلق استلقى على قفاه، ووضع رجلا على رجل، وقال إن هذا لاينبغي لابن آدم" (اللہ تعالی جب تخلیق خلق سے فارغ ہوا تو وہ چت لیٹ گیا اور اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھا اور یہ فرمایا یہ انسان کے لیے زیبا نہیں)

أقول والدمع من عيني منسجم لما رأيت جدار القبر يستلم

والـنـاس يغشـونـه بـاک ومـنـقـطـع	مـن الـمـهـابة أو داع فـمـلـتـزم
فـمـا تـمـالكـت أن ناديـت من حـرق	في الصدر كادت لها الأحشاء تضطرم
يـا خيـر مـن دفـنـت بـالقاع أعظمـه	فـطـاب مـن طيبهـن القـاع والأكـم
نـفسـي الـفـداء لقبـر أنـت سـاكـنـه	فيـه الـعـفـاف وفيـه االجود والكـرم
وفيـه شـمـس الـتـقـى والدين قد غربت	مـن بـعـد مـا أشـرقت من نورها الظلم
حـاشـا لـوجهک أن يبـلـى قد هديـت	فـي الشـرق والـغـرب من أنواره الأمم
وان تـمـسک أيـدى التـرب لامسة	وأنـت بـيـن السـمـوات الـعـلـى علم
لـقيـت ربک والإسـلام صـارمـه	مـاض وقـد كـان بـحـر الـكـفر يلتطم
فـقـمـت فيـه مـقـام الـمـرسلين الى	أن عـزّ فهـو عـلـى الأديـان يـحتـكـم
لـئـن رأيـنـاه قبـراً إن بـاطـنـه	لـروضة مـن ريـاض الـخـلـد تبتسم
طـافـت بـه مـن نـواحيـه ملائـكة	لا تـمـش إلا عـلـى خدي لک القدم
هـدى بک الـلـه قـومـا قـال قـائلهم	ببـطـن يثـرب لـمـا ضـمـه الـرجـم
إن مـات احـمـد فـالـرحـمـن خـالقـه	حيـي ونـعبـده مـا أورق السـلـم

(من نظم أبو الطيب أحمد المقدسي رحمه الله)

(۱) میں اشک بار آنکھوں سے کہہ رہا ہوں، جب میں نے یہ حسین منظر دیکھا کہ دیوار قبر اطہر کا بوسہ لیا جا رہا ہے۔

(۲) اور لوگ اس پر پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں کوئی نالہ زن ہے، تو کسی کا دل ہیبت جلال سے اڑا جا رہا ہے، کوئی اس سے چمٹ کر دعا کر رہا ہے

(۳) تو میرے سینہ میں ایسی سوزش ہوئی کہ محسوس ہو رہا تھا سارا قلب وجگر شعلہ زن ہو جائے گا۔

(۴) تو میں نے بے تابانہ عرض کیا اے ان میں افضل جن کی ہڈیاں سپرد خاک کی گئیں تو ان کی پاکیزگی کے

سبب وہاں کی خاک اور ٹیلے اور پہاڑ پاکیزہ ومشک بار ہیں

(۵) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جودوکرم کا پیکر بن کر جلوہ آرا ہیں اس قبر کے اندر عفت وپارسائی اور جودوسخا ہے۔

(۶) اس تربت اقدس میں دین وتقوی کا وہ روشن آفتاب روپوش ہوگیا جس کی ضوبار کرنوں سے شرق وغرب کی تاریکیاں روشن ہوئیں۔

(۷) آپ کی طلعت زیبا بوسیدگی سے پاک ہے، آپ کے رخ رنگیں کی تابشوں سے شرق وغرب میں آباد امتیں رشد وہدایت سے ہمکنار ہوئیں۔

(۸) جب آپ بلند آسمانوں کے درمیان سردارامت ہیں تو اس خاک اقدس کو بوسہ لینے والے ہاتھ کیوں کر روکے جائیں گے۔

(۹) آپ اپنے رب سے اس حال میں جا ملے کہ اسلام کی تلوار چل رہی تھی، اور کفر کا سمندر موج زن تھا۔

(۱۰) آپ تمام رسولوں کے اعلی مقام پر فائز ہیں اسی لیے تمام دینوں پر آپ کی حکمرانی قائم ہے۔

(۱۱) اگر ہم آپ کی قبر اطہر پر نظر ڈالیں تو وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک تبسم ریز کیاری ہے۔

(۱۲) جس کے اردگرد ملائکہ رحمت ہر روز ازدحام وہجوم لگا کر اس کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

(۱۳) اگر میں آپ کو آپ کی ظاہری زندگی میں چشم سر سے دیکھتا تو عرض کرتا حضور میرے رخسار ہی پر اپنا قدم رنجہ فرما کر تشریف لے چلیں۔

(۱۴) آپ کی برکت سے اللہ نے ایسی قوم کو ہدایت بخشی جس قوم کے کہنے والے نے وادی مدینہ منورہ میں اس وقت یہ کہا تھا جب آپ پر پتھر برسائے گئے۔

(۱۵) اگر محمد جاں بحق ہوگئے تو رحمٰن ان کا خالق زندہ ہے ہم اس کی عبادت کریں گے جب تک درخت سلم کے درخت پتہ دار رہیں گے۔ (ابوطیب احمد مقدسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ)

بلا مبالغہ اگر ہزار نہیں تو سیکڑوں صفحات ابن تیمیہ نے صرف اس لیے سیاہ کیے تا کہ یہ ثابت کرے کہ نبی

پاک کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا حرام ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس نے یہ دعوی کیا کہ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہے، پھر اس معاملہ میں مزید شدت کے ساتھ یہ دعوی کیا کہ دوسروں کی زیارت کی طرح نبی ﷺ کی زیارت نہ کی جائے، آپ کی زیارت ناجائز ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ والوں کے لیے بھی جائز نہیں، اور یہ بھی دعوی کیا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا بدعت ہے۔ اس پر سارے ائمہ کا اتفاق ہے، اور اگر کوئی دعا کرے تو اپنی پیٹھ حضور اقدس ﷺ کے رخ اقدس کی طرف رکھے، آپ کے چہرہ اقدس کے مواجہہ میں کھڑے ہوکر دعا نہ کرے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس درود پڑھنا شرک و بدعت ہے۔

پھر اس کا حال اس سے بھی زیادہ سخت ہوا یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام پیش کرنے کی اہمیت گھٹائی اور یہ کہا کہ حضور اقدس ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے اور یہ بھی دعوی کیا کہ صحابہ حضور کی قبر کے پاس سلام نہ پیش کرتے، اور اس بات کی تصریح کی کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں، پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ گزشتہ دعووں کے بعد اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۴۱۶) میں مزید یہ کہا:

''آپ کی قبر کی زیارت میں نہ ان لوگوں کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ان (حضور ﷺ) کا'' الخ۔

پہلے مرحلہ میں ابن تیمیہ کا طریقہ کار کیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱) نبی پاک کی زیارت کے سلسلے میں وارد صحیح حدیث کی صحت کا انکار۔

۲) اس بات کا انکار کرنا کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

۳) یہ شخص شدرحال والی حدیث سے استدلال کرتا ہے جس میں یہ ہے کہ: ''**لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد**''، ''صرف تین مسجدوں کا سفر کیا جائے''۔

۴) نیز اس حدیث سے استدلال کرتا ہے جس میں یہ ہے: ''**لاتتخذوا قبري عيدا**'' میری قبر کو عید نہ بناؤ''

جب اس کے ہم عصر علما نے اس کی سخت مخالفت کی، اور اس کا بلیغ رد کیا تو ابن تیمیہ نے اس سے بھی خطرناک ایک دوسرے مرحلہ کا آغاز کیا کیوں کہ اس نے مخالفت کرنے والے علما کی دلیلوں میں نظر کرکے ماسبق

کی طرح اپنے طریقۂ کار کو مرتب کیا اور اس میں کچھ اضافہ بھی کیا مثلاً:

۱) نئی پیشانیاں اور جدید مسائل کھولے (مثلاً توسل کا مسئلہ) کیوں کہ اولاً وہ توسل کا اثبات کرتا تھا اور نبی پاک سے استغاثہ کا انکار کرتا تھا، یہاں تک کہ ابن کثیر کو ابن تیمیہ کے متعلق یہ گمان ہوا کہ وہ توسل کا منکر نہیں۔

ابن کثیر نے ''البدایۃ والنہایۃ'' (۱۴/۴۵) میں کہا:

''برزانی نے کہا: ان لوگوں نے اس بارے میں شافعی قاضی کی طرف رجوع کیا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک مجلس قائم ہوئی، ابن عطا نے ابن تیمیہ کے خلاف کچھ ایسے دعوے کیے جن کا ثبوت فراہم نہ ہوسکا، لیکن ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ صرف اللہ ہی سے استغاثہ کیا جائے، نبی پاک سے کسی طرح کا کوئی استغاثہ نہ کیا جائے، ہاں آپ سے توسل کیا جائے اور آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بنایا جائے، اس پر بعض حاضرین نے کہا: اس میں تو کوئی قباحت نہیں، لیکن قاضی بدرالدین بن جماعہ کی رائے یہ تھی کہ یہ گستاخی و بے ادبی ہے۔ اس کے بعد قاضی کے پاس یہ پیغام پہنچا کہ ابن تیمیہ کے ساتھ شرع کے موافق عمل کیا جائے تو قاضی نے کہا: میں نے ابن تیمیہ کے متعلق وہی کہا جو اس طرح کے لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے''۔

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن کثیر خود نبی پاک ﷺ سے توسل کر رہے ہیں جیسا کہ البدایۃ والنہایۃ (۱۳/۱۹۲) میں ہے کہ جب مدینہ منورہ طیبہ میں آگ رونما ہوئی تو انھوں نے یہ کہا:

''**فالله يجعلها عبرة للمسلمين ورحمة للعالمين بمحمد واٰله الطاهرين**'' اللہ عزوجل محمد (ﷺ) اور آپ کی پاکیزہ آل کے وسیلہ سے اس آگ کو مسلمانوں کے لیے عبرت، اور سارے عالم کے لیے رحمت فرمائے۔

۲) اس شخص نے یہ کہا کہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے کے لیے بحالت سفر نماز میں قصر کرنا حرام ہے، حالاں کہ اس نے مجموع الفتاوی (۲۴/۱۰۹) میں یہ کہا:

’’یہ ابن حزم وغیرہ کا قول ہے۔ابوحنیفہ اورابن حزم وغیرھما یہ کہتے ہیں کہ بحالت سفر نماز میں قصر واجب ہے اگرچہ سفرحرام ہی کیوں نہ ہو،جیسا کہ یہ سارے حضرات سفرحرام میں پانی پرقدرت نہ ہونے کے وقت تیمّم واجب قرار دیتے ہیں۔اورابن عقیل نے بعض مقامات پرسفرحرام میں قصراورافطار ہی کوترجیح دی ہے،اوردلیل انہیں لوگوں کی تائید کرتی ہے جولوگ جنس سفر میں قصروافطار کومشروع کہتے ہیں،اورکسی سفر کی تخصیص نہیں کرتے اوریہی قول صحیح ہے،کیونکہ کتاب وسنت میں سفرمطلق وارد ہےاللہ تعالی کاارشاد ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۴]

ترجمہ:۔’’توتم میں جوکوئی بیمار یاسفر میں ہوتو اتنے روزے اوردنوں میں‘‘

اورجیسا کہ آیت تیمّم میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ [النساء-۴:۴۳]

ترجمہ:۔’’اوراگرتم بیمار یاسفر میں ہو‘‘

یعنی ابن تیمیہ کےنزدیک سفرحرام میں قصر کاجواز ہی راجح ہے،اور جب نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی بات آتی ہےتو علمائے امت سے مشتعل ہوکر یہ کہتا ہے کہ اس سفر زیارت میں نماز میں قصر حرام ہے۔

ابن تیمیہ نے جب اس سلسلے میں یہ دعوی کیا کہ یہی جمہور،اورخاص کر مالک وشافعی اوراحمد کامذہب ہے توعلمائے امت نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ ان حضرات نے جس جگہ یہ گفتگوفرمائی ہے اس کوسامنے لائے،آج تک ابن تیمیہ اوراس کے کسی کفش بردار سے یہ نہ بن پڑا کہ وہ کسی بھی ایک امام کایہ قول پیش کرے کہ ان حضرات نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کاسفرکرنے والے قصر نہ کریں،ان حضرات علمائے امت نے یہی سمجھا کہ ابن تیمیہ کایہ کلام سراسر تلبیس ہے۔

۳) ابن تیمیہ نے سابقہ علمائے امت کے استدلال کاسرے سے انکارکیا،یامزید نقول کاسہارا لےکران

حضرات کے استدلال کی تاویل کی اگر چہ ان حضرات کے روشن استدلال اور اس کی تاویل میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ مزید ابن تیمیہ پر ایک کھلی ہوئی تہمت یہ بھی ہے کہ وہ نقل کے معاملہ میں امانت کو بالکلیہ بالائے طاق رکھ دیتا ہے، اس کا مطمح نظر صرف اور صرف اپنا مطلوب ومقصود ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم اسے واضح کریں گے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ابن تیمیہ کا قید کیا جانا اس کی باطل رایوں اور مذکورہ دعووں کا لازمی نتیجہ ہے، ان دومرحلوں کے بعد ابن تیمیہ نے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھا جس میں دو چیزیں کافی نمایاں ہیں۔

۱۔ ابن تیمیہ کے قتل کے بجائے عرصۂ دراز تک اس کے حکم قید کی حیثیت اور اس کے اسباب.

۲۔ ابن تیمیہ اور اس کے اصحاب پر زندیقیت اور سید الخلق ﷺ کی عداوت کی تہمت تھی، اس تہمت کے سبب قتل سے نجات ورستگاری حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ایک فکری طور وطریقہ اختیار کیا۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نے اس قتل سے خلاص ورستگاری حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل فکری طور وطریقہ اور لائحہ عمل اختیار کیا:

الف۔ ابن تیمیہ نے تقیہ کا عقیدہ اختیار کیا، جس کی واضح مثال ابن تیمیہ کی خودنوشتہ دستی تحریر ہے جس میں اس نے یہ لکھا کہ اس نے توبہ کر کے امام شافعی کا مذہب اختیار کیا۔

ب۔ اس نے پروپیگنڈہ کا حربہ استعمال کیا، اس کے کفش برداروں کا کام یہ تھا کہ وہ ہمہ وقت یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ ابن تیمیہ اپنے مناظر پر غالب رہا، اور ٹھیک اسی وقت ابن تیمیہ اس کے برعکس یہ شہادت بھی دیتا ہے کہ اس نے ان رایوں سے توبہ ورجوع کر لیا ہے۔

ج۔ اس نے ایک پروپیگنڈہ ادارہ قائم کیا تا کہ اس کے ذریعہ اس کی خوب روئی ظاہر ہو، اور یہ دعوی ممکن ہو کہ اس کے اقوال ایسے ایسے نہیں جب کہ ٹھیک اسی وقت ابن تیمیہ عوام کے روبرو یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس نے ان گستاخانہ اقوال سے رجوع نہیں کیا ہے؟

د۔ اس کے پروپیگنڈہ ادارہ نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل کی طرح ایک مظلوم

امام ہے، اس کے ہم عصر علما حاسد ہیں، اس سے حسد کرتے ہیں، ان کے پاس حسد کے سوا اور کچھ نہیں۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے اس قول سے رجوع نہ کیا کہ: ''نبی پاک ﷺ کی زیارت کا قصد حرام ہے، چاہے اہل مدینہ منورہ زیارت کو جائیں یا دور دراز مقامات کے لوگ زیارت کو جائیں'' اور سب سے بڑی آفت اور عظیم مصیبت یہ ہے کہ اس کا یہ خیال ہے کہ اس کا یہ قول اجماعی ہے۔

ہم اس مقام پر ابن تیمیہ کے رد کی خاطر اس کے اہم مسائل ذکر کریں گے پھر ان کا رد پیش کریں گے، ہمارا اسلوب رد ان حضرات کے اسلوب رد سے مختلف اور جداگانہ ہوگا جنھوں نے ابن تیمیہ کے رد میں کتابیں تحریر کیں اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

ہم سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب پھر علمائے امت کے اقوال پیش کریں گے پھر مختلف مسائل پر بحث وتمحیص کریں گے۔

(۴۱) ان حضرات کے روشن ارشادات جنھیں رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت، اور قبروں کے اندر اہل اللہ کی زیارت کے باب میں روشنی عطا کی گئی

طبرانی نے معجم صغیر (۳۲/۲) میں روایت کیا:

''نعیم بن عبداللہ مجمر نے یہ خبر دی کہ انس بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ثلاث من کن فیه فقد وجد حلاوة الإیمان '' ترجمہ:۔''تین خصلتیں جس شخص کے اندر رہوں گی وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ ور ہوگا''۔

اوراس میں یہ ہے کہ: مجمر کا نام مجمر اس لیے ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دھونی دیتے، آپ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے آزاد کردہ تھے''۔

طبرانی نے معجم اوسط (۲۰۲/۳) میں تخریج کیا:

''ابراہیم نے ہم سے بیان کیا ہم سے مرار بن حمویہ ہمدانی نے بیان کیا، مجھ سے یحیی بن سعید ابوزکریا مدنی (رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی حفاظت کرنے والے) نے بیان کیا، مجھ سے محمد بن صالح نے بیان کیا''۔

ابن ابوعاصم کی کتاب الزہد (۳۶۹/۱) میں ہے:

''ہم سے عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ مجھے ابن مبارک سے یہ خبر ملی کہ ایک خاتون نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا: آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اطہر دکھائیں جب عائشہ صدیقہ نے ان کے سامنے آپ کا روضۂ اقدس کھولا تو اس قدر اشک بار ہوئیں کہ جاں بحق ہوگئیں''۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۵۸/۵-۳۵۹) میں ہے:

مصعب بن عبداللہ نے کہا، مجھ سے اسماعیل بن یعقوب تیمی نے بیان کیا کہ: ابن منکدر اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپ پر سکوت چھایا رہتا آپ اسی حالت میں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ اپنا رخسار نبی پاک ﷺ کی قبر اطہر پر رکھ دیتے پھر واپس آتے، اس بارے میں انہیں ملامت کی گئی تو فرمایا: مجھے ایک خطرہ لاحق ہوا جب میں نے اسے محسوس کیا تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے استعانت کی۔

آپ مسجد کے ایک گوشہ میں آ کر وہاں کی خاک میں لوٹتے، اور چت لیٹ جاتے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کو اس جگہ دیکھا ہے۔

دارمی (۵۷/۱) نے کعب احبار سے روایت کیا:

کسی دن سورج طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار ملائکۂ رحمت نزول فرماتے اور نبی پاک ﷺ کی قبر اقدس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہوتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں پھر شام کے وقت آسمان کی طرف واپس چلے جاتے ہیں اور اسی تعداد میں دوسرے فرشتگان رحمت نازل ہوکر انہیں جیسی خدمت انجام دیتے ہیں یہاں تک کہ جب روضۂ اقدس کی خاک شق ہو جائے گی تو حضور ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں رونق افروز ہوں گے جو حضور کو رب تعالی کی بارگاہ میں پہنچائیں گے۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۱۷۸/۳۶) میں ہے:

عبدالرزاق بن ہمام فرماتے ہیں: میں جب حج کو گیا تو رسول پاک کے روضۂ پاک کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ طیبہ آیا۔

بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۲/۳) میں ذکر کیا:

''ابن ابوفدیک نے کہا مجھ سے بعض ملنے والوں نے کہا: ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک پر جا کر یہ آیت کریمہ پڑھے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

تَسۡلِيۡمًا﴾ [الاحزاب-۳۳ ۵۶]

ترجمہ:۔''بے شک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اور پھر یہ کہے اے محمد ﷺ آپ پر اللہ عزوجل درود نازل فرمائے، ستر مرتبہ جو شخص اسے پڑھے، تو ایک فرشتہ اسے جواب دیتا ہے: اے فلاں اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے تمہاری حاجت ناکام نہ ہوئی''اس کی اسناد حسن ہے۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۱۲/۱۱) میں ہے:

عبداللہ بن امام احمد نے فرمایا: میں نے اپنے والد کو دیکھا وہ نبی پاک ﷺ کے موئے مبارک کو اپنی ہتھیلی میں رکھ کر بوسہ لیتے، اور میرا گمان ہے کہ میں نے اپنے والد کو اسے اپنی آنکھوں سے بھی لگاتے دیکھا، آپ اسے پانی میں ڈال کر اس کا دھوون پیتے تو شفا پاتے، اور میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ نبی پاک ﷺ کے کاسہ شریف کو لے کر اسے پانی کے گھڑے میں دھوتے، پھر اس پیالہ میں پیتے، اور میں نے آپ کو شفا کے لیے آب زمزم شریف نوش جاں کرتے دیکھا آپ زمزم شریف کو اپنے ہاتھ اور چہرہ پر ملتے۔

میں (علامہ ذہبی) کہتا ہوں: کہاں ہیں امام احمد پر غلو اور انکار کرنے والے؟ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عبداللہ نے اپنے والد امام احمد سے پوچھا کہ جو نبی پاک ﷺ کے منبر شریف کی لکڑی اور حجرہ نبوی کو مس کرے اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا'' اللہ ہمیں اور آپ لوگوں کو خوارج اور اہل بدعات کی رائے سے پناہ بخشے۔

ابن عبدالبر کی تمهيد (۲۲۹/۱۲) میں ہے:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے روضۂ پاک اور آپ کی مسجد شریف کی فضیلت قائم ہے، اور مدینہ منورہ کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ابن عبدالبر کی تمهيد (۲۲۶/۲۲) میں ہے:

حدیث پاک میں ہے:"والمدینۃ خیر لھم لو کانو ایعلمون" (اور مدینہ منورہ ان کے لیے افضل وبہتر ہے اگر وہ لوگ جانتے) ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ ان کے لیے اس لیے افضل ہے کہ وہاں نہ طاعون آئے گا، اور نہ ہی دجال، اور ایکقول یہ ہے کہ: دوسرے شہروں کی بہ نسبت مدینہ طیبہ میں فتنے کم ہیں، اور ایک [۳] قول یہ ہے: وہاں رسول اللہ ﷺ کی مسجد، اور اس میں نماز، اور آپ کے روضۂ اقدس کے جوارِ فیض وکرم میں رہنے کی فضیلت حاصل ہے۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۷۳/۶) میں ہے:

خطیب نے فرمایا ہم کو ابوالعلاء واسطی نے خبر دی، ہم سے عمر بن شاہین نے بیان کیا، ہم سے حسین ابن قاسم نے بیان کیا، مجھ سے احمد بن وہب نے بیان کیا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن صالح ازدی نے بیان فرمایا: خلیفہ ہارون رشید حج کے لیے آئے تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے، آپ کے ساتھ موسی بن جعفر بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اردگرد موجود لوگوں پر فخر کرتے ہوئے عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم (اے اللہ کے رسول اے چچا کے شہزادے آپ پر سلام) تو موسی بن جعفر نے قریب ہوکر عرض کیا السلام علیک یا أبت (اے والد محترم آپ پر سلام) تو ہارون رشید کا چہرہ متغیر ہو گیا اور کہا: اے ابوالحسن! یہ فخر کرنا حق اور بجا ہے۔

امام بخاری کی تاریخ کبیر میں ہے:

آپ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس مدینہ منورہ طیبہ کی تاریخ تصنیف کی، میں اسے چاندنی راتوں میں لکھتا تھا۔

حکیم ترمذی کی نوادر الأصول في أحادیث الرسول (۶۷/۲) میں ہے:

ایک سو بارہواں (۱۱۲) اصول: اس بیان میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت بیقراروں اور بیتابوں کے لیے سامانِ ہجرت ہے۔

ابونعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء (۲۶۲/۹) میں ہے:

ابوسلیمان دارانی نے فرمایا: جب اویس حج کو گئے تو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مسجد کے دروازہ پر کھڑے

ہو گئے، ان کو بتایا گیا کہ نبی پاک ﷺ کا روضۂ اطہر ہے: فرماتے ہیں: یہ سن کر آپ پر غشی طاری ہو گئی، ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: مجھے باہر لے چلو اس لیے کہ میرا شہر، اس شہر پاک کی طرح نہیں جہاں محمد ﷺ آرام فرما ہیں۔

حافظ ابن عبد البر کی **الاستیعاب** (۱۵۱۸/۴) میں ہے:

نابغہ جعدی نے یہ شعر عرض کیا:

فیاقبرَ النبي و صاحبیه　　　　ألا یاغوثَنالو تسمعُونا

اے نبی پاک اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبر　اے ہمارے غوث و مددگار کاش آپ حضرات ہماری (حاجت) سنتے۔

مؤطا امام مالک (۴۶۲/۲ حدیث نمبر ۹۸۸، ۹۸۹) میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''**ماعلی الأرض بقعة هي أحب إلي أن یکون قبري بها منها**'' روئے زمین پر مدینہ سے زیادہ (افضل) کوئی جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی قبر ہونا پسند ہو''۔

مرداوی حنبلی کی **الانصاف** (۴۳/۸) میں ہے:

ابن عقیل نے ذکر کیا کہ: شمس و قمر کی روشنی میں نبی پاک ﷺ کا سایہ اس لیے نہ ہوتا کہ آپ نورانی ہیں اور سایہ ایک قسم کی ظلمت و تاریکی ہے اور زمین آپ کا ثقل (محبت سے) اپنی طرف کھینچتی ہے۔

مصنف ابن شیبہ (۴۵۰/۳) میں ہے:

یزید بن عبد الملک بن قسیط نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے اصحاب میں سے ایک جماعت کو دیکھا جب وہ مسجد کو خالی پاتے تو منبر شریف کی لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ہاتھ پھیرتے، اور دعا کرتے، انھوں نے فرمایا: اور میں نے یزید کو ایسا کرتے دیکھا۔

طبقات الحنفیه (۲۸۲/۱) میں ہے:

عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا، آپ نے فرمایا: ایوب بن ابو تمیمہ

سختیانی آئے اور میں مدینہ منورہ میں تھا، میں نے اپنے دل میں کہا: میں ضرور ضرور ان کا عمل دیکھوں گا کہ وہ یہاں کیا کرتے ہیں آپ نے اپنی پشت قبلہ کی سمت کی، اور اپنا چہرہ رسول اللہ ﷺ کی طلعت زیبا کے مواجہہ میں کیا، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کسی فقیہ کے مقام پر جلوہ بار ہیں۔

ابو یعلی خلیلی کی الارشاد (۱/۱۸۵،۱۸۶) میں ہے:

''سب سے پہلے مدینہ منورہ طیبہ حاضر ہوا اس لیے کہ وہ نبی پاک ﷺ کا دار الہجرت ہے، اور وہاں آپ کا روضۂ اطہر ہے''۔

ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ (۶/۹۱،۹۲) میں ہے:

حضرت حسان بن ثابت نے اشک بار آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں یہ اشعار کہے:

قال حسان بن ثابت أيضايبكى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

(۱) ما بال عينك لاتنام كأنما كحلت مافيها بكحل الأرمد

(۲) فظللت بعد وفاته متبلدا متلددا ياليتني لم أولد

(۳) أأقيم بعدك بالمدينة بينهم ياليتني صبحت سم الأسود

(۴) والله لا أسمع بهالك إلا بكيت على النبي محمد

(۵) ياويح أنصر النبي ورهطه بعدالمغيب في سواء الملحد

(۶) ضاقت بالأنصار البلاد فأصبحوا سوداوجوههم كلون الإثمد

(۷) ولقدولدناه وفينا قبره وفضول نعمته بنالم نجحد

(۸) والله أكرمنا به وهدى به أنصاره في كل ساعة مشهد

(۹) صلى الإله ومن يحف بعرشه والطيبون على المبارك أحمد

(۱) تیری آنکھ کا کیا حال ہے کہ اسے نیند نہیں آتی گویا اس میں آشوب چشم کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔

(۲) میں آپ کے وصال جانکاہ کے بعد سست وکند خاطر اور متحیر ہو گیا، اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔

(۳) کیا آپ کے بعد ان کے درمیان مدینہ میں میرا قیام رہے گا، اے کاش مجھے کالے سانپ کا زہر پلا دیا جاتا۔

(۴) خدا کی قسم! میں مدینہ میں آپ کے متعلق سنتا ہوں تو اللہ کے سچے نبی محمد (ﷺ) پر اشک بار ہو جاتا ہوں۔

(۵) ہائے میری بربادی گوشہ قبر میں نبی پاک کے روپوش ہو جانے کے بعد بھی میں آپ، اور آپ کی قوم کی نصرت وحمایت کروں گا۔

(۶) مہاجرین کی آمد آمد سے انصار پر ان کے شہر تنگ ہو گئے یہ دیکھ کر مشرکین عرب اثمد کی طرح روسیاہ ہو گئے۔

(۷) آپ ہم میں جلوہ گر ہوئے، اور ہمارے ہی درمیان آپ کا روضۂ اطہر بھی ہے، اور ہم پر آپ کے بیکراں انعامات واحسانات ہیں جن کا ہم انکار نہیں سکتے۔

(۸) اللہ نے آپ کے ذریعہ ہمیں کرامت بخشی، اور آپ ہی کے ذریعہ ہر گھڑی، ہر جگہ آپ کے انصار کو ہدایت عطا فرمائی۔

(۹) اللہ، اور اس کے عرش کو گھیرنے والے فرشتے، اور پاکیزہ لوگ مبارک احمد (ﷺ) پر گلہائے سلام ورحمت بھیجتے ہیں۔

نورالدین محمود قاہر الفرنجہ باذن اللہ نے "کتاب الروضتین فی أخبار الدولتین النوریة" (۸۳/۳) میں فرمایا: "ہمارا بھتیجا حجاز کے ابتدائی بیابان میں بلاد فرنگ کے دور ترین شہروں میں غائب ہو گیا کیوں کہ ان میں سے ایک متکبر سرکش نے اپنے گھوڑ سواروں اور پا پیادہ لوگوں کو جمع کیا اور اس کی خبیث طبیعت میں آیا مدینہ منورہ کی دہلیز "تیماء" کا قصد وارادہ کرے (مدینہ منورہ میں جلوہ ساماں رسول عربی پر سلام ہو) اور اس سال بیابان حجاز کا سرسبز وشاداب ہونا غنیمت شمار کیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم نبی صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی قبر کے اہم امور میں مشغول ہو کر اس کی حمایت وحفاظت کرتے ہیں اور مذکور (صاحب موصل) اپنے دست ظلم سے ہماری اس

ولایت کو لینے کے لیے نزاع کررہا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اے نورالدین! کاش ابن تیمیہ آپ کے عہد میں ہوتا۔

ابن کثیر نے البداية والنهاية (۱۲/۳۲۲) میں کہا:

پھر سلطان نورالدین محمود نے خاک حطین کی آبلہ پائی کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی پھر وہاں سے اردن کا سفر کیا اوران تمام بلاد کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

بیہقی نے شعب الإيمان (۳/۴۸۴) میں کہا:

میں نے ابوسعید حسن بن احمد اصطخری شافعی سے سنا آپ نے فرمایا: میں نے یحیی بن معاذ رازی سے سنا آپ نے اپنے وعظ میں فرمایا: میرا ایک پیغام ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوکر نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی جائے، اور آپ کی مسجد، اور مسجد قباء میں نماز ادا کی جائے۔

فاکہی (۲۱۷-۲۷۵ھ) کی ''أخبار مكة'' (۲/۲۹۹) میں ہے:

۱) لا خير فيمن ليس يعرف فضلكم   من كان يجهله فلسنا نجهل

۲) في أرضكم قبر النبي وبيته   والمنبر العالي الرفيع الأطول

۳) وبها قبور السابقين بفضلهم   عمرو صاحبه الرفيق الأفضل

۴) والعترة الميمونة اللاتي بها   سبقت فضيلة كل من يتفضل

أخبار مكة للفاكهي ۲۱۷-۲۷۵ھ (۲/۲۹۹)

۱) اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں جو آپ لوگوں کے فضل سے ناآشنا ہے، اگر وہ آپ لوگوں کی فضیلت نہیں جانتا تو ہم تو جانتے ہیں۔

۲) تمہاری فضیلت یہ ہے کہ تمہاری زمین پر نبی پاک کا روضۂ اطہر، اور آپ کا کاشانۂ اقدس، اور بلند و بالا منبر مبارک ہے۔

۳) اور اسی خاک اقدس ہی پر حضور اقدس کے ساتھی کی بھی قبریں ہیں جو اپنی فضیلت کے لحاظ سے سابق

ومقدم ہیں۔

(۴) اور آپ کی مبارک عترت کی بھی قبریں ہیں جن کی فضیلت ہر ذی فضل سے اعلیٰ ہے۔

ابن حبان کی "**مشاهير علماء الأمصار**" (۳/۱) میں ہے:

صقع اول: امام ابوحاتم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس صقع کا آغاز مدینہ منورہ سے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مہبط وحی، معدن رسالت ہے جہاں اللہ نے آپ پر کثرت سے درود وسلام نازل فرمایا، وہیں سے دین اسلام پھیلا، اور وہاں دین کی عظیم نشانیاں ظاہر ہوئیں، اوراسی خاک اقدس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جلو میں آرام فرما ابوبکر وعمر کی قبریں ہیں۔

الاكتفاء بماتضمنه من مغازي رسول الله ﷺ (۴۶۸/۲) میں ہے:

ابواسحاق اسماعیل بن قاسم غزی کوفی معروف بہ ابوالعتاہیۃ نے یہ اشعار کہے:

(۱) **ليبک رسول الله من كان باكيا — ولاتنس قبرا بالمدينة ساويا**

(۲) **جزي الله عنا كل خير محمدا — فقد كان مهديا دليلا هاديا**

(۳) **لمن تبتغي الذكرىٰ لماهوأهله — إذا كنت للبر المطهر ناسيا**

(۴) **أتنسى رسول الله أفضل من مشى — وآثاره بالمسجدين كماهيا**

(۱) جسے آنسو بہانا ہے وہ اللہ کے رسول کی محبت میں آنسو بہائے اور مدینہ منورہ میں برابر وہموار قبر کو نہ بھولے۔

(۲) اللہ عزوجل محمد ﷺ کو ہماری طرف سے ہر خیر کی جزا بخشے اس لیے کہ آپ ہدایت یافتہ، اور ہمارے رہبر ورہنما ہیں۔

(۳) جب تم اس پاکیزہ ومقدس ذات کو فراموش کردو گے تو پھر کسے لائق ذکر پاؤ گے۔

(۴) کیا اللہ کے اس مقدس رسول کو فراموش کردو گے جو تمام چلنے والوں میں سب سے افضل وبرتر ہیں، اور دونوں مسجدوں میں جن کے آثار ونشانات آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔

الاكتفاء بماتضمنه من مغازي رسول الله ﷺ (۴۷۳/۲) میں ہے:

ابوعبداللہ محمد بن ابوالخصال غافقی اندلسی نے کہا:

(۱) وأدعو إلى الرحمٰن دعوة تائب	إلى عفوه من طيبه يتزود
(۲) وأسمو إلى البيت العتيق بفرضهٖ	فكل به من ذنبهٖ يتجرد
(۳) ولست على قبر	الرسول بمؤثر

(۱) میں رحمٰن کی بارگاہ میں اس انسان کی طرح دعا کرتا ہوں جو اس کے عفو کی طرف تائب ہوکر اس کی پاکیزگی سے توشہ حاصل کرے۔

(۲) اور اس کے فرض میں مشغول ہوکر خانۂ کعبہ کی طرف مائل ہوتا ہوں۔ اس لیے کہ ہر انسان خانہ کعبہ کی خیر و برکت سے اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

(۳) میں رسول پاک کے روضۂ اطہر پر کسی دوسری شئ کو فضیلت نہیں دیتا۔

مزید انھوں نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار کی تضمین کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

(۱) مابال عينک لاتنام كأنما	بهٰذه الكلمة المرسومة بعد
(۲) هل يجمعن صبح يوم أوغد	بيني وبين القبرقبر محمد
(۳) حتى أروي ناظري من عبرتي	ويقرعيني طيب ذاک المشهد
(۴) وأقبل الأرض التي حملت بهٖ	نورا يجلي كل جنح أسود
(۵) وأهش للأفق المبارک جوه	متجددا من نوره المتجدد
(۶) وأسح في أبيات آل محمد	دمعا كنظم اللؤلو المتبدد
(۷) والله يعلم أن آل محمد	آل تمكن حبهم في محتدي
(۸) بكربتي منهم أبوح وأنطوي	وبحسرتي فيهم أ روح وأغتد ي

(۱) تیری آنکھ کا کیا معاملہ ہے کہ اسے نیند نہیں آتی گویا اس مرسوم کلمہ کے سبب اس کی نیند اڑادی گئی ہے۔

(۲) کیا آج یا کل کی صبح مجھے اور محمد ﷺ کے روضۂ اقدس کو جمع کرے گی۔

(۳) یہاں تک کہ میں اپنے اشکوں سے اپنی آنکھوں کو سیراب کروں، اور وہ پاکیزہ روضۂ اقدس میری چشم اشک بار کو ٹھنڈک بخشے۔

(۴) اور کیا میں اس مقدس خاک تک پہنچ سکوں گا جو حضور اقدس کو اپنی آغوش میں لیے بقعہ نور بن کر ہر تاریک وسیاہ افق عالم کو روشن وفروزاں کر رہی ہے۔

(۵) اور کیا مجھے اس افق تاباں سے نشاط وشادمانی حاصل ہو سکے گی جس کی فضا مبارک ہے۔ اور جہاں نئی کرنیں نمودار ہو کر افق درخشاں کو نئی روشنی عطا کرتی ہیں۔

(۶) اور میں محمد ﷺ کے اہل بیت کی محبت میں مسلسل ایسے آنسو بہاتا ہوں جیسے بکھری ہوئی موتیاں پرودی گئی ہوں۔

(۷) اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے رسول پاک کی پاکیزہ آل ایسی آل ہیں جن کی محبت میرے دل میں رچی بسی ہے۔

(۸) میں اپنا رنج وغم ان سے لپٹ کر ظاہر کرتا ہوں، اور ان کی حسرت میں صبح وشام کرتا ہوں۔

المجموع للإمام النووی (۳۸۹/۷) میں ہے:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اقدس ہے وہ تمام زمینوں سے افضل ہے۔ اختلاف اس کے علاوہ زمینوں کے بارے میں ہے۔

ابن جوزی نے **صفوة الصفوة (۲۰۵/۲)** میں ذکر کیا:

اللہ عزوجل کی ایک مخلص بندی نے کہا: میں مسلسل وسوسہ کا شکار رہتی تھی یہاں تک کہ بخدا میں نے تقصیر کا قصد وارادہ کیا، پھر میں مغرب وعشا کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوئی اور آپ کے روضۂ اطہر کو مضبوطی سے پکڑ کر اللہ عزوجل کی حمد کی اور اس کے رسول پر درود بھیجا۔

تفسیر طبری (۲۶/۱۱) میں ہے:

اہل تاویل کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون سی مسجد مراد ہے:

﴿ لَّمَسۡجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقۡوَىٰ مِنۡ أَوَّلِ يَوۡمٍ ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۸]

''بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جن کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی''

بعض اہل تاویل نے کہا: اس سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد مراد ہے جہاں آج آپ کا منبر اور قبر اطہر ہے۔

ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱۳۹/۲۲-۱۴۰) میں کہا:

سلطان کبیر علاء الدین خوارزم شاہ عزالدین علی بن اثیر نے کہا: آپ مشقت پر بے پناہ صبر فرماتے، اور عیش ولذت سے دور وکنارہ کش رہتے، آپ فاضل، فقہ واصول کے عالم تھے، علما کی تعظیم کرتے، ان سے مناظرہ پسند فرماتے، اور دین دار لوگوں سے برکت حاصل کرتے۔

مجھ (عزالدین علی بن اثیر) سے حجرہ نبویہ کے خادم نے کہا: میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے مجھے اپنے گلے سے لگایا، اور میری خاطر چند قدم پیدل چلے اور فرمایا: آپ نبی ﷺ کے حجرہ پاک کے خادم ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرہ پر پھیرا اور مجھے ہدیہ عطا فرمایا۔

علامہ ابن حجر کی فتح الباری (۹۳/۴-۹۴) میں ہے:

ایمان مدینہ منورہ میں پھیلا۔ اور چوں کہ ہر مومن کے دل میں نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے اندر ایک ایسا محرک پاتا ہے جو مدینہ منورہ کی طرف اس کے بیتاب دل کو کھینچتا ہے۔ ہر زمانہ میں مدینہ منورہ کی یہی شان رہی اس لیے کہ نبی پاک کے زمانہ میں آپ سے اکتساب علم کے لیے طالبان علم مدینہ منورہ آتے اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے دور میں ان کے روشن طریقہ کی اقتدا کے لیے وارفتگان شوق مدینہ منورہ آتے، اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت، اور آپ کی مسجد میں ادائے نماز، اور آپ اور آپ کے اصحاب کے آثار کے مشاہدہ کی برکت وزیارت کے لیے ایک مومن کا دل ہمہ

وقت شہر مدینہ منورہ کی طرف بیتاب رہتا ہے۔

امام سیوطی کی دیباج (۱/۱۶۶) میں ہے: حدیث پاک میں ہے "إن الإیمان لیأرز إلی المدینة" بے شک ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر چلا جائے گا" امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ: اس ارشاد پاک کا معنی یہ ہے کہ شروع اور آخر میں ایمان کا یہی حال رہا اور رہے گا، اس لیے کہ آغاز اسلام میں مومن مخلص اور سچے مسلمان مدینہ منورہ میں رہے، مدینہ منورہ کی طرف انھوں نے ہجرت کی، اور اسے اپنا وطن بنایا پھر اس کے بعد حضور کے روضۂ مکرم، اور آپ اور آپ کے اصحاب کے آثار کے فیض زیارت کا سلسلہ ہمہ وقت قائم رہے گا۔ ان برکتوں سے مالا مال ہونے کے لیے صرف مومن ہی مدینہ منورہ آئیں گے۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۴/۴۸۳-۴۸۵) میں فرمایا:

"کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جو حجرۂ اقدس کے پاس تضرع و عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرے، اس لیے کہ اس نے اچھی طرح زیارت کی، تضرع وانکسار کی دولت اور کمال محبت سے سرشار رہا اس نے اس شخص سے بہتر عبادت کی جس نے اپنی سرزمین پر یا اپنی نماز میں حضور پر درود وسلام پیش کیا اس لیے کہ زیارت کرنے والا زیارت، اور آپ پر درود بھیجنے کا اجر پاتا ہے، اور دوسرے شہروں میں درود بھیجنے والے صرف درود بھیجنے کا اجر پاتے ہیں، تو جو شخص ایک بار حضور پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، لیکن جس نے حضور (صلوات اللہ علیہ) کی زیارت کی، اور زیارت کے لیے عمدہ وضو نہ کیا یا روضۂ اطہر کو سجدہ کیا، یا غیر مشروع افعال کیے تو اس نے اچھا اور برا دونوں کام کیا، ایسے شخص کو رفق وملاطفت سے زیارت کے آداب بتائے جائیں، اللہ عز وجل زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا کی قسم جو بھی مسلمان آپ کی محبت میں بیقرار و بیتاب ہو کر چیختا چلاتا، دیوار و در کے بوسے لیتا، اور شدت سے روتا اور بلکتا ہے وہ اللہ

اوراس کے رسول کی سچی محبت سے سرشار ہوتا ہے، اس کی یہ محبت جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان حد فاصل اور عظیم معیار ہے''۔

آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت بہترین قربت وعبادت ہے، اگر بالفرض انبیا اوراولیا کی قبروں کی زیارت کے لیے شرعاً سفر کی اجازت اس لیے نہ ہو کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''**لاتشدوا الرحال إلاإلى ثلاثة مساجد**'' ترجمہ :۔''صرف تین ہی مسجدوں کی طرف سفر کرو''۔

تو نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کا سفر آپ کی مسجد کے سفر کو مستلزم ہے، اور آپ کی مسجد کا سفر مشروع ہے جس میں کسی کا نزاع نہیں اس لیے کہ آپ کی مسجد سے ہو کر ہی آپ کے حجرہ تک پہنچنا ممکن ہے اس لیے سب سے پہلے تحیۃ المسجد بجالائے پھر صاحب مسجد کی تحیت بجالائے اللہ عزوجل ہمیں اور آپ سب کو اس کار خیر کی توفیق بخشے، آمین۔

ثقات ابن حبان (۲/۲۷-۲۷۲) میں ہے:

ابوایوب انصاری آپ کے پاس آئے اور عرض کیا اے امیر المومنین: کاش ان شہروں میں آپ کا قیام ہوتا اس لیے کہ یہ مضبوط زرہ ہیں، یہاں نبی ﷺ کا دار الہجرت، آپ کا روضۂ اقدس، آپ کا منبر اور اسلام کا منبع ہے۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۱۱/۱۰۴) میں ہے:

ہم کو ابوالفتح نصر اللہ بن محمد نے خبر دی، نصر بن ابراہیم نے ہمیں املا کرایا کہ ابوالقاسم ثابت بن احمد بن حسین بغدادی نے مجھ سے بیان کیا کہ: انھوں نے مدینۃ النبی میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس صبح کی اذان دی، اور اذان میں یہ کہا''**الصلاۃ خیر من النوم**'' (نماز نیند سے افضل ہے) یہ سن کر مسجد کا ایک خادم آیا، اور آپ کو ایسا سخت مکا مارا کہ آپ رو پڑے، اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی بارگاہ عالی میں میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے، اس آدمی پر فالج کا اثر ہوا، اسے اس کے گھر لایا گیا اور تین دن کے

بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔

حافظ قضاعی نے کتاب الحلة السیراء (۲/۲۸۴) میں کہا:

ابوعلی کے بہت سے اشعار ہیں (آپ کو اللہ تعالیٰ عزت بخشے) میں آپ کے دیوان سے واقف و آگاہ ہوں، میں نے آپ سے بہت سے قصائد اور قطعے لفظ بلفظ سماعت کیے، اور انہیں میں سے آپ کے وہ اشعار ہیں جنہیں الحاج ابوبکر بن عربی اشبیلی کے ہاتھ نبی پاک ﷺ کے روضۂ انور کی طرف بھیجا تھا ان اشعار کا مطلع یہ ہے:

(۱) عسى قبول لديک يلحقني بقبرک المستنير والحرم

(۲) وصاحبيک اللذين خصّهما بنعمة القرب منک ذو النعم

(۳) فقد توسلت بالذي لک عند اللّٰه من رفعة ومن عظم

(۱) امید ہے کہ آپ کی بارگاہ کی مقبولیت مجھے آپ کے روضۂ انور اور حرم پاک۔

(۲) اور آپ کے ان دونوں ساتھیوں کی قبروں کی زیارت نصیب کرے جنہیں منعم حقیقی نے آپ کے قرب خاص کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔

(۳) میں نے اللہ عزوجل کے حضور آپ کی اس رفعت وعظمت کو وسیلہ بنایا ہے جو اس کی بارگاہ میں آپ کو حاصل ہے۔

الریاض النضرة (۱/۳۳۴، نمبر ۱۹۹، ۲۰۰) میں ہے:

مالک بن انس نے فرمایا کہ: خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر کا کیا مقام تھا؟ آپ نے فرمایا: حضور کے وصال کے بعد آپ کے روضۂ پاک سے ان دونوں کی قبروں کو جو قرب حاصل ہے وہی قرب آپ کی حیات میں بھی انھیں حاصل تھا، ہارون رشید نے کہا: اے مالک! آپ نے تشفی بخش جواب عنایت فرمایا، بصری اور حافظ سلفی نے اس کی تخریج کی۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۵۵/۳۶۱، ۳۶۲) میں ہے:

ہم کو ابوالقاسم نے خبر دی، عمر بن عبداللہ نے ہمیں خبر دی، علی بن محمد بن بشران نے ہمیں خبر دی، عثمان بن

احمد نے ہمیں خبر دی، حنبل بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا، ہم سے حمیدی نے بیان کیا، ہم سے سفیان نے بیان کیا: زہری سے کہا گیا: کاش آپ مدینہ منورہ میں رہتے، اور رسول پاک کی مسجد اور روضۂ انور پر حاضر ہوتے لوگ آپ سے علم سیکھتے، تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ عمل اس وقت تک زیب نہیں دیتا جب تک کہ دنیا چھوڑ کر آخرت کی طرف مائل نہ ہو جاؤں، حمیدی کہتے ہیں: سفیان نے فرمایا: زہری کے پایہ کا کون تھا۔

سہمی کی تاریخ جرجان (۲۳۶/۱) میں ہے:

طیب بن محمد بن صول جرجانی کے حالات کے بیان میں: سلامی نے اپنی تاریخ میں کہا: ہمارے بعض شیوخ نے ان کے متعلق ہم سے بیان کیا: احمد بن محمد بن طیب جرجانی نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے والد نے اپنے دادا محمد بن صول سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: جس وقت جرجان فتح ہوا تو صول نے یزید بن مہلب سے کہا: کیا اسلام میں آپ سے بھی بلند و بالا کوئی شخصیت ہے جس کے ہاتھ پر میں اسلام لاؤں؟ انھوں نے کہا: ہاں، سلیمان بن عبدالملک ہیں۔ انھوں نے کہا: مجھے ان کے پاس لے چلیں تا کہ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ آپ انہیں لے کر گئے، جب سلیمان کے پاس آئے تو انھوں نے ان سے بھی ویسا ہی سوال کیا جیسا کہ یزید سے کیا تھا تو سلیمان نے کہا: اس وقت مسلمانوں میں مجھ سے بلند و بالا کوئی نہیں ہے، لیکن رسول پاک کے روضۂ پاک کی فضیلت مسلم ہے، انھوں نے کہا: میں وہیں اسلام قبول کروں گا، سلمان نے انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا، آپ نے وہاں جا کر اسلام قبول کیا، پھر یزید بن مہلب کے پاس واپس آئے، اور آپ کی صحبت میں رہے اور آپ کے مصارف میں تصرف کیا یہاں تک کہ مسلمہ بن عبدالملک نے کونچیں کاٹنے کے دن آپ کو اسی جگہ شہید راہ حق کر دیا جہاں یزید بن مہلب نے جام شہادت نوش فرمایا۔

ابن حبان نے ثقات (۴۵۷/۸) میں علی موسی رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق ذکر کیا: آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں معروف و مشہور ہے، رشید کی قبر کے پاس آپ کا مزار اقدس ہے، میں نے بارہا اس کی زیارت کی ہے، اور طوس میں قیام کے دوران مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش آئی علی بن موسی رضا (آپ کے جد اعلی اور آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) کی قبر کی زیارت کی، اور اس مشکل کے ازالہ کے لیے اللہ سے دعا کی تو میری دعا مقبول و

مستجاب ہوئی اور میری مشکل دور ہوگئی، میں نے جب بھی اس کا تجربہ کیا تو کامیابی ملی، اللہ عزوجل حضور اور آپ کے اہل بیت کی محبت پر خاتمہ فرمائے۔ صلى الله تعالى عليه وسلم وعليهم أجمعين .

حافظ ابن ابو عاصم کی الآحاد والمثاني (۱۶۳/۱) میں ہے:

آپ نے طلحہ بن عبید اللہ کے بارے میں فرمایا کہ: آپ کے لیے ستر ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا گیا، دونوں ہجرت کے وقت اسی گھر میں آپ کی قبر تھی، میں نے اصحاب علم وفضل کی ایک جماعت کو دیکھا جب انہیں کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دعائیں کرتے، اور اجابت سے شادکام ہوتے۔

علامہ ابن حجر کی تهذيب التهذيب (۲۶۰/۱۱) میں ہے:

حاکم نے کہا: میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں سخت غم میں مبتلا تھا کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے سرشار ہوا اور آپ مجھے یہ حکم فرمارہے ہیں کہ یحی بن یحی کی قبر کے پاس جاکر استغفار کرو، اور اپنی حاجت پیش کرو تمہاری حاجت برآئے گی، میں نے صبح ایسا ہی کیا میری حاجت برآئی۔

سير أعلام النبلاء (۱۰۷/۱۰) میں ہے:

علامہ ذہبی نے سیدہ نفیسہ کے بارے میں فرمایا کہ: آپ کے بھائی قاسم زاہد، صالح نیک انسان تھے آپ کا مسکن نیشاپور تھا، وہاں آپ کی اولاد واحفاد ہیں، ان میں سید علوی ہیں جن سے حافظ بیہقی حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور کہا گیا کہ حضرت نفیسہ عبادت گزار نیک خاتون تھیں آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے بلکہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس، مسجدوں کے اندر، عرفہ ومزدلفہ اور سفر مباح میں دعا مقبول ہوتی ہے۔

سير أعلام النبلاء (۲۵۲،۲۵۱/۲۱) میں ہے:

علامہ ذہبی نے حجری کے حالات ذکر کرتے ہوئے کہا: شیخ، امام، علامہ، معمر، مقری، مجود، محدث، حافظ، حجت، شیخ الاسلام ابومحمد عبداللہ بن محمد رعینی حجری اندلسی مربی مالکی کے متعلق میں نے ابوربیع بن سالم سے فرماتے سنا کہ آپ کے وصال کے وقت قحط پڑا، جب آپ کا جنازہ رکھا گیا اور لوگوں نے آپ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ

میں دعا کی تو اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ لوگ ہفتہ بھر آپ کی قبر پر کیچڑ ہی میں آتے جاتے۔

حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں کہا: ابوعبداللہ محمد بن علی بن عبداللہ صوری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسین محمد بن احمد بن جمیع سے سنا: میں نے ابوعبداللہ بن محاملی سے سنا آپ نے فرمایا: میں ستر سال سے معروف کرخی کی قبر کے بارے میں جانتا ہوں کہ جو بھی غم رسیدہ آپ کی بارگاہ میں آیا اللہ نے اس کا غم دور فرمایا۔

اور فرمایا: میں نے امام شافعی سے سنا آپ نے فرمایا: میں امام ابوحنیفہ سے اکتساب برکت کے لیے ہر روز آپ کی قبر کی زیارت کرنے آتا ہوں، جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں میری حاجت پوری ہوتی ہے۔

تاریخ بغداد (۱۲۰/۱) میں ہے:

اس باب میں بغداد کے علما و زہاد کی ان خاص قبروں کا بیان ہے جو جانب غرب میں مدینہ منورہ کے بالائی حصہ میں واقع ہیں جہاں قریش کی قبریں ہیں۔ (صاحب تاریخ بغداد نے) کہا: میں نے حسن بن ابراہیم ابوعلی خلال کے متعلق سنا آپ نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہو کر آپ کے وسیلہ سے دعا کرتا، میرا پسندیدہ مطلوب مجھ پر آسان ہو جاتا۔

المنتظم لابن الجوزي (۲۵۷ھ) (۸۹/۹) میں ہے:

حسن بن حسین استرابادی نے کہا ہم کو احمد بن جعفر بن ہمدان قطیعی نے خبر دی کہ حسن بن ابراہیم خلال نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آیا میں نے موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہو کر آپ کے وسیلہ سے دعا کی، اللہ نے میرا محبوب مطلوب آسان فرما دیا۔

حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب (۳۳۹/۷) میں فرمایا:

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں کہا: میں نے ابوبکر محمد بن مومل بن حسن، بن عیسیٰ سے سنا آپ نے فرمایا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر بن خزیمہ اور آپ کے ہمسر ابوعلی ثقفی کے ساتھ طوس میں علی بن موسیٰ رضا کی قبر کی

زیارت کے لیے نکلے، ہمارے ساتھ مشائخ کی ایک عظیم جماعت تھی، ابوبکر محمد نے فرمایا: میں نے امام ابن خزیمہ کو دیکھا آپ اس خاک اقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے، اور علی بن موسی رضا رضی اللہ تعالی عنہم کی بارگاہ میں حیرت انگیز تواضع وتضرع فرماتے۔

تهذيب التهذيب (۲۶۰/۱۱) میں ہے:

بشر بن حکیم نیشاپوری نے کہا: ہمارا تخمینہ واندازہ ہے کہ یحی بن یحیٰ کے جنازہ میں ایک لاکھ انسان شریک تھے، اور حاکم نے کہا: میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں سخت غم میں مبتلا تھا خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا اور آپ مجھے یہ حکم فرمارہے ہیں کہ یحیٰ بن یحیٰ کی قبر پر حاضر ہوکر استغفار اور عرض حاجت کرو تمہاری حاجت برآئے گی۔ صبح میں نے ایسا ہی کیا تو میری حاجت برآئی۔

سير أعلام النبلاء (۱۶۲/۱۶) میں ہے:

علامہ ذہبی نے کہا: ابوالحسن رحمہ اللہ تعالی نے صحیح اصولوں سے بتایا اور میں نے آپ سے فرماتے سنا: مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، میں آپ کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ آپ یحیٰ بن یحیٰ کی قبر کے پاس تشریف لاکر کھڑے ہوگئے آپ آگے تھے اور آپ کے پیچھے صحابہ کی جماعت صف بستہ تھی، حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: یہ قبر اس شہر والوں کے لیے امان ہے۔

علامہ ابن حجر کی **تهذيب التهذيب** (۳۱۰/۵) میں ہے:

آپ نے عبداللہ بن غالب حدانی ابوقریش کے حالات میں کہا: (امام بخاری نے ''الادب'' میں اور امام ترمذی نے آپ سے روایت کیا)

نوح بن قیس نے کہا: عون بن ابوشداد سے مروی ہے کہ عبداللہ بن غالب ایک سو (۱۰۰) رکعت نماز چاشت ادا فرماتے، اور یہ فرماتے کہ: اسی لیے ہمیں پیدا کیا گیا، اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا، یوم الترویہ کو آپ کی شہادت ہوئی تو لوگ آپ کی خاک قبر لارہے تھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ گویا وہ مشک ہے۔

یاقوت حموی کی **معجم البلدان** (۳۰۶/۱) میں ہے:

صاحب معجم البلدان نے کہا: قطیعۂ ام جعفر میں عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر ہے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جسد خاکی وہیں سپرد خاک کیا گیا، اس کا راز یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے صحت کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ قطیعۂ مذکورہ میں ایک نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے قرب وجوار کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار اقدس میں رہنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔

سیر أعلام النبلاء (۱۸/۲۷۹) میں ہے:

حافظ ابن عساکر نے کہا: میں نے حسین بن محمد سے سنا وہ ابن خیرون یا اور کسی سے یہ بیان فرما رہے تھے کہ خطیب نے ذکر کیا کہ: حج کے دوران آپ نے تین مرتبہ زمزم شریف نوش جان فرمایا، اور اللہ سے تین حاجتوں کا سوال کیا (۱) وہاں تاریخ بغداد بیان کریں، (۲) اور جامع منصور میں حدیث کا املا کرائیں، (۳) اور بشر حافی کے قریب آپ کو دفن کیا جائے، آپ کی اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی تینوں حاجتیں پوری ہوئیں۔

صحیح ابن حبان (۱۱/۳۰۸) میں ہے:

ابن حبان نے کہا: ہم کو ثابت بن اسماعیل بن اسحٰق نے بغداد میں معروف کرخی کی قبر کے پاس اس حدیث کے بارے میں اس سند کے ساتھ خبر دی کہ ہم سے محمد بن ولید بسری نے بیان کیا، ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا، ہم سے شعبہ نے بیان کیا، شعبہ نے محمد ابن اسحٰق سے، اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی سے، انھوں نے سعید بن مسیّب سے، انھوں نے معمر سے روایت کیا کہ معمر نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (حکم) کے بعد کوئی خطا کار ہی احتکار کرے گا (مہنگا بیچنے کے لیے سامان روک رکھے گا)

حافظ ابن صلاح کی **''صیانة صحیح مسلم''** (۱/۶۴) میں ہے:

آپ نے امام مسلم کے بارے میں روایت کر کے کہا: میں کہتا ہوں: میں نے نیشاپور میں آپ کی قبر کی زیارت کی ہے، وہاں آپ کی کتاب صحیح مسلم کا خاتمہ وغیرہ سماعت کیا، اللہ ان سے اور ہم سے راضی ہو، اور آپ کی اس کتاب اور تمام علوم سے ہمیں نفع عطا فرمائے آمین آمین۔

حافظ ابن نقطہ حنبلی کی **'' التقیید''** (۱/۲۳۸، ۲۳۹) میں ہے:

آپ نے حسن بن محمد بن ابراہیم بن احمد، بن علی، بن حیویہ ابونصر یونارتی کے ترجمہ میں کہا: میں آپ کے وصال کے وقت موجود تھا، لوگ فوج درفوج آپ کی قبر پر جاتے، اور ہمارے شیخ حافظ ابوموسی نے آپ کی قبر کے پاس آپ کے مناقب کے سلسلے میں ایک طویل مجلس قائم فرمائی، اکثر فقہائے اصفہان آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہمارے شیخ حافظ ابوموسی نے آپ سے فقہ کی تحصیل کی، اور حدیث بھی روایت کی، اسکندریہ کے ہمارے شیخ سلفی نے اصفہان کے شیوخ کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے ان سے رستمی کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: میں آپ کو ایک فقیہ عابد وزاہد جانتا ہوں۔

حافظ سلفی نے **معجم السفر** (۸۱/۱) میں کہا:

آپ ایک شیخ صالح تھے آپ کی آنکھیں خوب اشک بار رہتیں، حج فرمانے کے بعد فرمایا: میری صرف ایک حسرت نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین (ابوبکر وعمر) کی قبر کی زیارت باقی ہے اس لیے کہ میں نے حج کیا اور زیارت کی سعادت سے محروم رہا۔

ابوالقاسم بن بلیان نے **تحفة الصديق** (۴۶/۱) میں کہا:

میں نے اسکندریہ کی سرحد میں ابوطاہر احمد بن محمد سلفی کی قبر کے قریب باب اخضر میں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن مکی بن حاسب کے پاس پڑھا۔

حضور اقدس سید عالم ﷺ کے روضۂ اقدس اور صالحین کی قبروں سے متعلق ائمہ کے احوال واقوال پیش کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں:

ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کا ارشاد "**الرفيق الاعلى**" ایک مرتبہ ذکر کیا، اور اس نے آپ کی قبر اطہر کو صرف دو بار "قبر مکرم" کے لفظ سے ذکر کیا جیسا کہ مجموع الفتاوی (۳۲۳/۲۷، ۳۲۴) میں ہے۔

اسی طرح اس نے قبر شریف صرف دو مرتبہ ہی کہا جیسا کہ **زیارة القبور** (۲۶/۱) اور مجموع الفتاوی (۷۶/۲۷) میں ہے۔

ذرا ابن تیمیہ کے اصحاب کو دیکھیں وہ اپنے مرثیوں میں اس کی قبر کے کیسے اعلی اوصاف ذکر کرتے ہیں:

صاحب عقود دریہ (۱/۱۷۴) نے کہا:

قد أودع القبر الشريف علومه عجبا لوسع القبر بحرًا سائلا

قد كان لايحتاج طالب علمه كثر السئوال وليس يلقى سائلا

اس کے علوم قبر شریف میں ودیعت کردیے گئے، کس قدر حیرت انگیز ہے کہ قبر کی وسعتوں میں علم کا بحر سائل سماں گیا۔

کبھی اس کے طالب علم کو کثرت سوال کی حاجت نہ ہوئی اور نہ ہی کسی سائل سے اس کا مقابلہ وسامنا ہوتا۔

ذرا غور کیجئے ابن تیمیہ کی قبر قبر شریف ہے، اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت حرام ہے۔ **إنالله وإناإليه راجعون**

(۴۲) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے دلائل

جب نبی پاک ﷺ اپنی قبرانور میں زندہ ہیں تو آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کسی دلیل کی محتاج نہیں، اگر کسی فلسفی سے یہ پوچھا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنا واجب ہے تو قرآن وسنت سے ایسی کوئی نص نہ لا سکے گا جس میں صراحۃً یہ وارد ہو کہ ''اللہ ہی پر بھروسہ کرنا لازم ہے، صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو وغیرہ۔

لیکن جو شخص رسول پاک ﷺ کے فیض زیارت سے محروم نہیں، یا محروم رہ کر اللہ عزوجل سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت و بلا سے نجات بخشے ہم ان کے سامنے ایسے روشن دلائل پیش کریں گے جن سے یہ انکشاف تام ہوگا کہ اس ذات اقدس کے روضۂ اطہر کی زیارت بلاشبہ جائز ہے جس نے شب معراج میں براق پر سوار ہو کر مکیں سے لامکاں تک سیر فرمایا، اور اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی، بلاشبہ وہ ذات پاک صادق اور امین ﷺ، یا اللہ کے امین جبریل یا دونوں حضرات ہیں جنھوں نے مقدس وقت میں پاکیزہ سواری پر سوار ہو کر لمبی مسافت طے فرمائی اور زیارت فرمائی۔

ہم سب سے پہلے قرآن کریم کے دلائل پیش کریں گے اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اس آیت مبارکہ سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے کوئی ایسا مسلمان نہ گزرا جس نے یہ تصریح کی ہو کہ بارگاہ رسالت کی یہ حاضری نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص اور مقید ہے، اور آپ کے وصال کے بعد اب یہ حکم باقی نہ رہا، بلکہ صحابہ و تابعین اور علمائے قرون ثلاثہ اولیٰ نے یہی روشن تصریح

فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر آپ سے گناہوں کی بخشش طلب کرنا اب بھی مشروع ہے۔ ان حضرات کے استدلال کی بنیاد یہ آیت کریمہ ہے، ہاں ان حضرات کے بعد ابن تیمیہ آیا جس نے ایسی بات کہی جسے اس سے پہلے کسی عالم نے نہ کہی اس کے اس قول کی بنیاد نہ تو کسی دلیل پر قائم ہے، نہ ہی کسی صحابی، تابعی، یا اسلاف سے اس کا یہ قول منقول ہے۔ علمائے مسلمین میں سے کسی عالم نے ایسا قول نہ فرمایا جس میں یہ تصریح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمانے کے بعد اس آیت مقدسہ کے موجب پر عمل کرنا صحیح نہیں۔

ہم ناظرین کرام کی خدمت میں صحابہ وتابعین اور علمائے امت کے اقوال پیش کر رہے ہیں:

۱۔ صحابی جلیل عبداللہ بن مسعود:

سعید بن منصور، اور حاکم وطبرانی وغیرہم نے تخریج کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سورۃ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں جن کے عوض مجھے دنیا و مافیہا حاصل ہونا پسند نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جب ان آیتوں پر علما کی نظر پڑتی ہے تو وہ انہیں جان لیتے ہیں وہ پانچ آیتیں یہ ہیں:

(۱) ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔''اور اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے''۔

(۲) ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ [النساء-۴:۳۱]

ترجمہ:۔''اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ بخش دیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

(۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء-۴:۴۸]

ترجمہ:۔''اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے نیچے جو کچھ ہے

جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے''۔

(۴) ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

(۵) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ:''اور جوکوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے ان کے عوض دنیا و مافیہا کا حاصل ہونا پسند نہیں۔(۱)

---

(۱) یہ اثر صحیح ہے حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۱/۷-۱۲) میں اس کو صحیح کہا اور یہ کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ حاکم نے مستدرک (۳۳۴/۲) میں تخریج کر کے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اگر عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے تو اس میں اختلاف ہے، اور سعید بن منصور نے بھی اس اثر کو تخریج کیا (۱۲۹۷/۴) اور طبرانی نے معجم کبیر میں (۲۲۰/۹) تخریج کی۔

اور سیوطی نے درمنثور (۴۹۸/۲) میں ابوعبید، اور عبد بن حمید، اور ابن جریر اور ابن منذر کی طرف بھی اس اثر کو منسوب کیا، رہا حاکم کا یہ قول: ''یہ اسناد صحیح ہے اگر عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے تو اس میں اختلاف ہے'' تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے علی بن مدینی، اور یحیی بن معین اس طرف گئے کہ سماع کا ثابت ہونا صحیح ہے، معاویہ بن صالح نے ایسا ہی نقل کیا۔ اور امام بخاری اور ابوحاتم بھی سماع کی صحت کی طرف گئے۔ اور امام احمد بن حنبل نے یحیی بن سعید سے روایت کر کے کہا: ابن مسعود کا وصال ہو گیا اور عبدالرحمٰن ابھی چھ سال کے تھے۔

میں کہتا ہوں:

آپ کا یہ ارشاد مذکور روشن دلیل ہے خاص کر آپ کا یہ ارشاد: ''اور مجھے معلوم ہے کہ جب ان آیتوں پر علما کی نظر پڑتی ہے تو وہ انہیں جان لیتے ہیں''۔

اور ایک دوسری روایت میں ایک دوسری سند سے مروی ہے (جسے بیہقی نے شعب الایمان (۳۷۶/۲) میں تخریج کیا) کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اگر کوئی شخص یہ آیتیں (صدق دل اور اخلاص نیت سے) تلاوت کرے اللہ عزوجل اسے بخش دے گا۔

میں کہتا ہوں: علمائے محدثین اس عمر میں بچوں کا حافظہ ثابت قرار دیتے ہیں...جیسا کہ ہم چھ سال سے بھی کم عمر کے بچوں کو حافظ قرآن دیکھتے ہیں۔

ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث (ص۱۳۰) اور رامہرمزی نے المحدث الفاصل (۱۸۹-۱۹۰)، اور خطیب بغدادی نے الكفاية في علم الرواية (ص۱۰۳) میں یہ ثابت فرمایا کہ محدثین کا عمل اس پر قائم ہے کہ صغیر کے سماع کی حد پانچ سال ہے۔

اور صحابی محمود بن ربیع ذکر فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ میرے گھر میں ایک ڈول آویزاں تھی رسول اللہ ﷺ نے اس ڈول کے پانی سے میرے چہرہ پر کلی فرمائی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ اور دبیری کو عبدالرزاق سے سماع حاصل ہے آپ کی اکثر کتابیں عبدالرزاق سے مروی ہیں لوگوں نے آپ کی روایتیں آپ سے نقل کیں، اور انہیں سنا بھی جب کہ عبدالرزاق کے وصال کے وقت دبری صرف چھ یا سات سال کے تھے امام بخاری نے تاریخ صغیر میں بطریق قاسم بن عبدالرحمٰن عن أبیہ تخریج کیا کہ جب عبداللہ کے وصال کا وقت ہوا تو میں نے آپ سے عرض کیا: آپ مجھے وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا: آپ اپنی خطا پر گریہ وزاری فرمائیں ___ ان کی سند میں کوئی حرج نہیں ___ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین (۴۰/۱) میں فرمایا:

اور ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب (۱۹۵/۶) میں فرمایا: بخاری نے تاریخ کبیر، اور اوسط میں بطریق خیثم عن القاسم بن عبدالرحمٰن عن أبیہ روایت کیا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں اپنے والد کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد تاخیر صلاۃ کی حدیث ذکر کی، اور بخاری نے اوسط میں بروایت شعبہ یہ اضافہ فرمایا: محدثین فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد سے نہ سنا۔ اور ابن خیثم کی حدیث میرے نزدیک اولی ہے۔

﴿ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰] ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۶۴] ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۱۱۰] ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران-۳:۱۳۵] جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں''

آپ کا روشن ارشاد اس بات کی محکم دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک اس آیت کریمہ کا حکم ساری امت کے لیے عام ہے، صرف صحابہ کے لیے خاص نہیں۔

۲۔سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ سادات تابعین سے ہیں۔

سعید بن جبیر نے فرمایا: استغفار کی دو قسمیں ہیں قولی، اور عملی، استغفار قولی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ [النساء-۴:۶۴]

یہ ان حضرات کی حجت ہے جنھوں نے عبدالرحمٰن کا اپنے والد سے سماع ثابت مانا اگر چہ بعض ہی حدیثوں میں، خاص کر جب وہ اپنی بعض روایتوں میں خود صاف صاف تصریح فرمار ہے ہیں کہ ''میں نے اپنے والد سے سنا'' یا عبداللہ بن مسعود نے فرمایا''، یہ بات واضح رہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔اور خاص کر جب کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ثقہ لوگوں میں سے ہیں اس لیے کہ بخاری ومسلم اور باقی ائمہ صحاح ستہ وغیرہم نے آپ کی حدیثیں تخریج کیں۔علاوہ ازیں صرف عبدالرحمٰن ہی نے اپنے والد عبداللہ بن مسعود سے یہ اثر تنہا روایت نہ کی بلکہ اس اثر کے مزید تین طرق شاہد ہیں۔

۱۔طریق یحیی بن عباد: بیہقی نے شعب الایمان (۳۷۶/۲) میں اس طریق کو روایت کیا،۲۔طریق بشیر الاودی، ھناد نے زہد (۴۵۴/۲) میں اس کو روایت کیا،۳۔طریق یسیر بن عمرو الاودی، تاریخ واسط (۱۵۰/۱۱، ۱۵۱)

بلاشبہ ان طرق سے ایک دوسرے کو قوت ملتی ہے اسی لیے حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں اس اثر کو صحیح کہا جیسا کہ گذر چکا۔

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے''۔

اور استغفار عملی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸:۳۳]

ترجمہ:۔اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ بندہ جب قول وعمل کے ذریعہ استغفار کرتا ہے تو اللہ عزوجل کی بخشش اس پر سایہ فگن ہوتی ہے، اور مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ اپنی زبانوں سے استغفار کے باوجود جہنم میں جائیں گے یہ دوسرے مذاہب کے لوگ ہیں جو محض زبان سے اسلام کا دعوی کرتے ہیں۔[1]

ہم اجمالاً ان مصادر ومراجع کو ذکر کریں گے جن میں یہ مذکور ہے کہ علمائے امت نے مذکورہ آیت کریمہ سے استدلال کیا۔ پھر ان شاء اللہ تعالی ان کی تفصیلات پیش کریں گے۔

---

(۱) ابن منذر اور ابن ابوحاتم نے سعید بن جبیر کے اثر کی تخریج کی جیسا کہ علامہ سیوطی نے درمنثور (۵۸۳/۲، ۵۸۴) میں ان کی طرف اس کی نسبت کی۔

(۴۳) ان حضرات کے اقوال جنھوں نے گزشتہ آیت کی روشنی میں زیارت روضۂ اقدس کو مشروع قرار دیا، جن سے یہ روشن ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حاضریٔ روضۂ اقدس نیز بخشش وشفاعت کا سوال جائز ہے۔

اس سلسلے میں عتبی کا واقعہ کافی مشہور ہے، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انھوں نے اس طرح سلام عرض کیا: السلام علیک یارسول اللہ، اور یہ کہا: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد پاک سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں۔ اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو اپنا شفیع لاتا ہوں اور آپ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہتا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

۱) یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبهن القاع والأکم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه فیه العفاف، وفیه الجود والکرم

(۱) اے ان میں افضل وبہتر جن کی ہڈیاں سپرد خاک گئیں تو ان پاکیزہ ہڈیوں کی برکت وفیض سے فرش زمین، پہاڑ اور ٹیلے پاکیزہ ومشک بار ہو گئے۔

(۲) میری جان اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جود وکرم بن کر جلوہ ساماں ہیں، اس قبر

اطہر میں عفت و پاکدامنی اور جود وکرم ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس چلے گئے اتنے میں میری آنکھ لگ گئی خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے عتبی! اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

میں کہتا ہوں:

عتبی امام شافعی کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں، آپ سلف صالح سے ہیں، ہر دور میں جمہور امت نے اس قصہ سے استدلال کیا، اب ہم اس مقام پر ان اجلہ علمائے کرام کا ذکر کریں گے جنھوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال فرمایا۔

مفسرین:

قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۶۵/۵، ۲۶۶) میں اور ثعالبی (۳۸۶/۱) اور ابن کثیر (۵۲۰/۱-۵۲۱) اور نسفی (۲۳۰/۱، ۲۳۱)

فقہائے حنفیہ:

کمال ابن ہمام نے فتح القدیر (۱۷۹/۳-۱۸۰-۱۸۱) اور علامہ شرنبلالی نے نورالایضاح (۱۵۵/۱) میں ذکر کیا۔

فقہائے مالکیہ:

قاضی عیاض نے شفا، اور شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳۷۵/۳، ۳۷۶)، اور زرقانی وقسطلانی نے المواہب اللدنیۃ میں استدلال کیا۔

فقہائے شافعیہ:

اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب ''الشامل'' اور بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۵/۳) اور امام نووی نے المجموع (۲۰۲/۸) (آپ نے قاضی ماوردی اور قاضی ابوالطیب کے حوالہ سے اسے

نقل کیا) اور سبکی نے شفاء السقام اور ابن الملقن نے **غایۃ السول في خصائص الرسول** ﷺ (ص ۱۸۳)، اور علامہ سیوطی نے درمنثور (۱/۰۷ ۵ ،۲۳) ،اور ابن حجر نے **الجوهر المنظم** ،اور حصنی نے ''دفع شبہ'' (ص ۱۱۵) ،اور حاوی نے نہایۃ الزین (۱/۲۲۰-۲۲۱) میں ذکر کیا۔

فقہائے حنابلہ:

ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ ،اور عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ ،اور ابن الجوزی نے **المنتظم** (۹/۹۳) ،اور ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (۳/۲۹۷-۲۹۹) ،اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے **المستوعب** ،اور ابن مفلح نے المبدع (۳/۲۵۹) ،اور البھوتی نے کشف القناع (۲/۵۱۶) میں ذکر کیا۔

مورخین:

ابن الاثیر نے الکامل (۸/۵۰۶) ،اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۵/۱۳۶) ،اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۲/۱۵۰-۱۵۱) میں ذکر کیا۔

ان حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد ابن تیمیہ کی خطا اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کیوں کہ اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۱/۱۵۹) میں کہا:

بعض لوگ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]، (ترجمہ:۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں)

میں تاویل کر کے کہتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد آپ سے بخشش وشفاعت کا سوال صحابہ سے بخشش وشفاعت کے سوال کی طرح ہے یہ لوگ صحابہ وتابعین اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف تاویل کرتے ہیں کیوں کہ ان حضرات میں سے کسی نے حضور کے وصال کے بعد آپ کو اپنا نہ تو شفیع بنایا اور نہ ہی آپ سے کچھ مانگا، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے اپنی کتاب میں اسے ذکر کیا''۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا:

''ان ساری صورتوں میں ملائکہ وانبیاوصالحین کے وصال کے بعد ان کی قبروں سے دورونزدیک سے خطاب کیا جاتا ہے، اوران کی تصویروں اور مجسموں کوخطاب کرنا عظیم ترین شرک ہے۔اہل کتاب کے علاوہ تمام مشرکین میں ان رسموں کا رواج تھا۔اوراب ان مبتدع اہل کتاب اورمسلمانوں میں بھی پایا جارہا ہے۔ ان لوگوں نے بعض ایسے شرک ،اورایسی عبادتیں اختراع کرلی ہیں جن کا اللہ تعالی نے حکم نہ دیا''۔

اس نے الردعلی الکبری (۱/۱۴۶) میں یہ بھی کہا:

تیسرا درجہ:

یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ سوال کرے کہ وہ اللہ سے اس کے لیے سوال والتجا کریں، یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعت ہے،اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں یہ خبر دی کہ انھوں نے آپ کوسجدہ کیا۔اسی طرح آپ کے والدین نے بھی آپ کوسجدہ کیا، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں (لہٰذا کسی کوکسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں)''

اوراپنے مجموع الفتاوی میں کہا:

''زیارت بدعت اہل شرک کی زیارت ہے یہ نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے۔ یہ لوگ میت سے دعا کرتے ،اس سے مدد مانگتے، اوراس سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ،اس کی قبر کے پاس درود پڑھتے ،اوراس کو پکارتے ہیں وغیرہ ،ایسا نہ توصحابہ نے کیا،اورنہ ہی رسول اللہ نے اس کا حکم دیا،اورنہ ہی امت کے اسلاف وائمہ نے اسے مستحب قراردیا۔''

میں کہتا ہوں: یہ سب ابن تیمیہ کی بالاخانیاں ہیں۔گزشتہ اوراق میں اس کا ردگزرچکااور باقی رداب کریں گے۔ اولاہم قارئین کرام کی خدمت میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے ابن تیمیہ کا کذب ودروغ طشت ازبام ہوجائے گا۔کیوں کہ اس نے انبیاکے وصال کے بعدان کی قبروں سے دورونزدیک سے خطاب ونداا ور دعا کا خوف دلایا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے جب رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: ہائے میرے پدر محترم! رب نے آپ کی دعا کو اجابت سے سرفراز فرمایا، ہائے میرے پدر محترم! جنت الفردوس آپ کا مسکن بنا، ہائے میرے ابا حضور! ہم جبریل کو آپ کے وصال کی اطلاع دیں گے۔ (۱)

حضور کی تدفین کے بعد فاطمہ نے فرمایا: اے انس! کیا رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنا آپ لوگوں کو اچھا لگا؟ حضرت ابوبکر صدیق آئے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زیبا کھول کر بوسہ لیا، اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کا دنیا میں رہنا اور اس سے کوچ فرمانا پاکیزہ وعمدہ ہے، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ آپ کو کبھی دو موتوں کا ذائقہ نہ چکھائے گا۔ (۲)

اور قیس بن حازم نے فرمایا: ایک روز عمر بن خطاب نے مدینہ کے منبر پر لوگوں کو خطاب فرمایا: اور خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: جنات عدن میں ایک محل ہے جس کے پانچ سو دروازے ہیں، ہر دروازہ پر پانچ ہزار حور عین ہیں، ان دروازوں سے صرف انبیا داخل ہوں گے، پھر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے اس روضۂ پاک میں جلوہ نشیں! آپ کو مبارک وخوش گوار ہو۔ پھر فرمایا: یا صدیق (اس دروازہ سے داخل ہوں گے) پھر ابوبکر کی قبر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابوبکر! آپ کو مبارک ہو۔ پھر فرمایا: یا شہید (اس دروازہ سے داخل ہوں گے) پھر اپنی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اور اے عمر! تمہاری شہادت کہاں ہے؟ پھر فرمایا کہ: جس ذات نے مجھے مکہ سے نکالا، اور مدینہ منورہ کی ہجرت کا شرف بخشا وہ اس پر قادر ہے کہ میری طرف شہادت جاری فرمائے۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: اللہ نے اپنی بدتر مخلوق مغیرہ کے مملوک غلام کے ہاتھ عمر کی شہادت جاری فرمائی۔ (۳)

---

(۱) حدیث (یا أبتاه) بخاری (۱۶۱۹/۴) وابن حبان (۵۹۱/۱۴) اور حاکم (۵۳۷/۱) نے تخریج کی۔

(۲) حدیث (طبت حیا ومیتا) بخاری (۱۳۴۱/۳) نے عائشہ، اور بزار (۱۸۲/۱) نے عبداللہ ابن عمر سے تخریج کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۸/۹) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ علی بن منذر ثقہ ہیں اور بیہقی نے بھی کبری (۱۴۲/۸) میں یہ حدیث تخریج کی۔

(۳) اثر عمر بن خطاب طبرانی نے اوسط میں (۹/۱۶۳-۱۶۴) روایت کیا، اور حارث نے اپنی مسند (زوائد ھیثمی) (۸۹۱/۲) میں روایت کیا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۵۴-۵۵) میں کہا: شریک نخعی کے علاوہ اس کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں، اور شریک ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیا کے وصال کے بعدان کی غیبت میں ان سے خطاب کرنا،اورانہیں پکارنا جائز ومشروع ہے۔

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ ساری امت مسلمہ اپنے تشہد میں آپ کو خطاب وندا کرتی ہے اورعرض کرتی ہے "**السلام علیک ایھاالنبي ورحمة الله وبركاته**" اس کی روشن دلیل نبی پاک ﷺ کی وہ سنت کریمہ بھی ہے جسے ہم آئندہ سطور میں دلائل کی روشنی میں ذکر کریں گے۔

علماے امت کے نقول،اورعتبی کے واقعہ،اور نبی پاک ﷺ کے شرف دیدار کے حوالہ سے استدلال پیش کرنے کے بعد اس قصہ کے متعلق ابن تیمیہ کی رائے ہم پیش کریں گے کیوں کہ اس نے اس قصہ کے بارے میں جمہور امت کی مخالفت کی ہے۔

(۴۴)ابن تیمیہ کے نزدیک خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والا اپنے دین میں کمزور ہے، اس کے اندر نفاق پایا جاتا ہے، ایسا شخص مولفۃ القلوب سے ہے

عتبی کے بارے میں یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ آپ نے ذکر کیا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور سلام عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ، سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد پاک سنا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع لاتا ہوں، اور آپ سے اپنے گناہ کی بخشش کا خواستگار ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

۱) یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه — فطاب من طیبهن القاع والأکم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه — فیه العفاف، وفیه الجود والکرم

(۱) اے ان میں افضل وبہتر جن کی ہڈیاں سپرد خاک گئیں تو ان پاکیزہ ہڈیوں کی برکت وفیض سے فرش زمین، پہاڑ اور ٹیلے پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میری جان اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جود وکرم بن کر جلوہ ساماں ہیں اس قبر اطہر

میں عفت و پاکدامنی اور جود و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس چلے گئے: اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور مجھے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی سرکار نے حکم فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کو جا کر بشارت دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

ابن تیمیہ نے اس مشہور واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب **قاعدة فی المحبة** (۱/۱۹۱،۱۹۲) میں کہا:

''بعض فقہا نے اعرابی کے متعلق عتبی کا یہ واقعہ ذکر کیا'' کہ اعرابی نبی پاک کی قبر کے پاس آئے اور عرض کیا اے ساری مخلوق میں افضل! اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴] میں آپ کی خدمت میں حاضر آیا ہوں، عتبی نے خواب دیکھا کہ خواب میں سرکار نے انھیں یہ حکم فرمایا کہ اعرابی کو خوش خبری دے دیں، اس طرح کے جو بھی واقعات نبی پاک اور دیگر صالحین کی قبر کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں صرف اس انسان کو پیش آتے ہیں جس کے ایمان میں ضعف اور کمزوری ہے، اور رسول پاک کے مقام و مرتبہ، اور آپ کے حکم سے جاہل ہے اگر اس طرح کا انسان اپنی حاجت کے سبب معاف نہ کر دیا جائے تو اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا، اور اس کا نفاق بڑھ جائے گا اس لیے کہ ایسا شخص مولفۃ القلوب کے درجہ میں ہے جسے نبی پاک کی حیات میں تالیف قلب کے لیے کچھ دیا جاتا تھا، جیسا کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا: میں کچھ لوگوں کے دلوں کی بے صبری اور ضعف و بزدلی کے سبب ان سے ظاہری محبت رکھتا ہوں، اور کچھ لوگوں کو اس تونگری اور خیر پر چھوڑ دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں قائم فرما دیا ہے'' ان مولفۃ القلوب کو بھی یہ مال لینا مکروہ ہے۔ تو اس شخص کا حکم بھی انہیں حاجتمندوں کے حکم کی طرح ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ مرضی مولی کے خلاف ایک جھوٹی بات کہہ رہا ہے کیوں کہ خواب میں نبی پاک کا دیدار کرنے والا

اس کے نزدیک منافق ہے کس نے اسے یہ خبر دی کہ ایسے شخص کا ایمان کمزور ہے، یا وہ رسول پاک ﷺ کے مقام ومرتبہ سے جاہل ہے، ان حضرات کا علمی پایہ تو ابن تیمیہ سے بدر جہا بلند و بالا ہے، کس نے اسے یہ بتایا کہ اس شخص کے دل میں نفاق ہے اور اس کا نفاق بہت بڑھا ہوا ہے یہ تمام خرافات ابن تیمیہ کے ایسے مفروضات ہیں جو حد درجہ قبیح ہیں۔ ان مفروضات کا صرف ایک ہی مقصد ہے نبی پاک کی زیارت کی اہمیت گھٹانا۔

کیا آپ کو کچھ خبر ہے کہ ابن تیمیہ خواب میں نبی پاک کے دیدار پر انوار کی اہمیت کیوں گھٹا رہا ہے؟؟؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کتابوں، اور اس کے اصحاب کے کلام میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہیں نبی ﷺ کا دیدار پر انوار نصیب ہوا، اسی طرح اگر کوئی انسان اس سے یہ پوچھے کہ کیا تمہیں نبی پاک کے دیدار کا شرف حاصل ہوا، تو اس کا وہی جواب ہوگا جو گزر چکا، اور اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ علما اور صالحین میں سے فلاں عالم اور فلاں صالح کو نبی پاک ﷺ کا شرف دیدار حاصل ہوا اسی لیے میں ان کی اتباع کرتا ہوں تو ابن تیمیہ کا یہ کھلم کھلا رد ہوگا۔

اب تک ابن تیمیہ کے کفش برداروں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سال (۱۴۲۳ھ میں) ۲۵ رمضان المبارک کی شب میں بعض حضرات نبی پاک کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے سرکار دوعالم ﷺ نے ۲۵ رمضان المبارک کی شب میں ان حضرات کو یہ خبر بخشی کہ یہ شب قدر ہے، تو بعض جہلا نے (جنہیں پوست کے سوا کچھ نہیں معلوم، صرف بعض مسجدوں میں تدریس کرتے ہیں) یہ کہا اس کا کیا معنی ہے "**كويس علشان تجتهدى فى العبادة ولكن ده مش دليل**".

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بے فیض انسان شرف زیارت سے محروم ہے۔ اگر خود یہی شخص شرف زیارت سے مشرف ہوتا تو اپنے اصحاب اور رفقا کو اس زیارت کی خبر دیتا، اور اگر اکثر صالحین سے دریافت کرتا تو وہ حضرات یہی جواب دیتے کہ یہ پچیسویں شب ہے یہ شخص عبداللہ بن عمر کی اس حدیث پاک سے غافل ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے اصحاب نے خواب دیکھا کہ شب قدر اخیر کی سات راتوں میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أري رُؤيـاكـم قـد تواطأت في السبع الأواخر فمن كان متحريها فليتحرها في السبع الأواخر" (۱)

ترجمہ:۔"مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کا خواب دیکھنا اخیر کی سات راتوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہے۔تو جو شخص اس کو تلاش کرنا چاہے وہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرے"۔

اگر مسلمانان اہل سنت کی کتابوں کا غائرانہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہ حضرات خواب میں نبی پاک کی زیارت کرنے والوں سے بے پناہ خوش ہوتے ،اوران کی حد درجہ تعظیم وتوقیر کرتے ہیں،اوراسے زیارت کرنے والے کے اعلی مناقب میں شمار کرتے ہیں،اوراسے ان کے فضل وکمال اور زہد وورع کی دلیل جانتے ہیں اس لیے جو حضرات نبی پاک کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں خیار امت سے ہیں۔

بعض علما اس سے پناہ مانگتے تھے کہ خواب میں نبی پاک کا دیدار حاصل نہ ہو۔

میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ ابن تیمیہ کا کوئی کفش بردار نبی پاک کے دیدار پر انوار کی تعظیم کرتا نظر نہیں آتا اس لیے یہ لوگ شرف زیارت سے محروم ہیں شاذ ونادر ہی کوئی ان سے یہ سنے گا کہ میں نے نبی پاک کی زیارت کی ہے، یہ شخص یا تو ابن تیمیہ،اوراس کے حامیوں،اوراس کے نقوش راہ پر چلنے والوں کی فکر سے دور رفتہ ہے یا والعیاذ باللہ تعالی آپ کی یہ زیارت خوف دلانے کی خاطر ہے بشارت وخوش خبری کے لیے نہیں۔

ان بے فیض لوگوں سے پوچھنے پر کوئی جواب نہیں ملتا،صرف یہ لوگ نبی پاک ﷺ کے دیدار پر جمال کی اہمیت گھٹاتے ہیں وبس۔

نبی پاک کا دیدار پر جمال عارفوں کے نزدیک تریاق کا درجہ رکھتا ہے خواہ یہ دیدار آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں ہو یا رفیق اعلی کی طرف سفر فرمانے کے بعد۔نبی پاک کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**من أشـد أمتي لي حبا ناس**

---

(۱) حدیث (أری رؤیاکم) امام بخاری نے روایت کی (۲/۷۰۹) اور مسلم (۸۲۲) وغیرہ نے بھی **مشکاة المصابیح** ص ۱۸۱ باب لیلة القدر ، ابوداودرمضان، ترمذی صوم، مؤطا امام مالک اعتکاف، مسند امام احمد ۲/ص ۸۹۶ وغیرہ

یکونون بعدي، یود أحدھم لو راني بأھله وماله'' ''میری امت میں سب سے زیادہ میری محبت انہیں ہوگی جو میرے بعد ہوں گے، ان میں سے بعض یہ خواہش وتمنا کریں گے کاش ان کے اہل ومال میں انہیں میرا دیدار حاصل ہوتا''۔(۱)

(۲) طبرانی نے سمرہ بن جندب سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إن أحدکم سیوشک أن یحب أن ینظر إلي نظرة بماله من أھل ومال**''، تم میں سے بعض لوگ عنقریب یہ پسند کریں گے کہ اپنے اہل ومال میں میرا دیدار کریں''۔(۲)

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے: ''**قل لیلة تاتي علي إلا وأنا أری فیھا خلیلي صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم، وأنس یقول ذالک وتدمع عیناہ**'' میرے پاس بہت کم ایسی راتیں آتیں جن میں اپنے خلیل ﷺ کا شرف دیدار حاصل نہ ہوتا، حضرت انس یہ فرما کر اشک بار ہو جاتے۔(۳)

---

(۱) حدیث (أشدأمتي لي حُبًّا) امام احمد (۲/۴۱۷)، مسلم (۴/۲۱۷۸)، ابن حبان (۱۶/۲۱۴)، طبرانی نے اوسط (۷/۸۹) اور حاکم نے مستدرک میں (۴/۹۵) یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) (سمرہ کی حدیث) طبرانی نے روایت کیا۔(۷/۲۶۸) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۹) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) (انس کی حدیث) احمد نے روایت کیا (۳/۲۱۶) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

ثانیا: سنت مطہرہ

ہم سب سے پہلے یہ واضح کر دیں کہ اس باب میں تین طرح کی حدیثیں وارد ہیں:

(۱) عام قبروں کی زیارت۔

(۲) خاص نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت۔

(۳) نبی پاک نے انبیا کی قبروں کی زیارت فرمائی، اوران کی قبروں کی معرفت کا شوق دلایا۔ میرے علم میں اس نقطہ پر کوئی متنبہ نہ ہوا۔

(۱) قبروں کی زیارت کی ترغیب

اس مضمون کی حدیثیں موضوع بحث نہیں، ابن تیمیہ ان حدیثوں کو مانتا ہے، اوراس بات کو بھی مانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد، وبقیع کی زیارت کی ترغیب دلائی، اور نبی پاک نے خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فرمائی۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۷/۲۳۳) میں کہا:

''اورانہیں میں سے یہ گمان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت، دوسری قبروں کی زیارت معہودہ کی طرح ہے یہاں تک کہ بقیع وشہدائے احداور آپ کی والدہ ماجدہ کی زیارت قبر سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ان نصوص کو پیش کرے جن میں روضۂ اقدس کی زیارت کی نفی مذکور ہے اس لیے کہ یہ معاملہ ظاہر و باہر ہے۔

کیا نبی ﷺ نے یہ فرمایا: میری قبر کے علاوہ دوسری قبروں کی زیارت کرو؟

ابن تیمیہ کے استدلال کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

''لاتتخذو اقبري عيدا'' ترجمہ:۔''میری قبر کو عید نہ بناؤ''

اس حدیث کا معنی بچوں کو بھی معلوم ہے کہ میری قبر کو عید میں ہونے والے کھیل کود کی طرح نہ بناؤ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۸۰۰/۲) نبیشہ ھذلی سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' أیـــــام التشريق أيام أكل وشرب''۔''ایامِ تشریق کھانے اور پینے کے دن ہیں''۔

اور صحیح مسلم میں (۶۰۷/۲، ۶۰۸، ۶۰۹) یہ بھی ہے:''اس باب کے اندر ایام عید کے اس کھیل کی رخصت کا بیان ہے جس میں کوئی معصیت اور گناہ نہیں ہشام نے اپنے والد، انھوں نے عائشہ سے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: میرے پاس ابوبکر آئے انصار کی دو کنیزیں میرے پاس وہ گیت گا رہی تھیں جو انصار نے بغاث کے دن خوشی میں پڑھے تھے، ابوبکر نے یہ دیکھ کر فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطان کے مزامیر ہیں (یہ عید کے دن کا واقعہ ہے) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''یـاأبابكر إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا''(اے ابوبکر! بے شک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے)۔

اور امام مسلم نے عروہ سے یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ نے فرمایا: حضرت ابوبکر آپ کے پاس آئے ایام منی میں آپ کے پاس دو کنیزیں گا رہی تھیں، اور دف بجا رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ اپنی چادر اقدس اوڑھے ہوئے محو استراحت تھے ابوبکر نے اس پر ان دونوں کنیزوں کو ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ زیبا کھول کر فرمایا: ''دعهمایاأبابكر فإنهاأيام عيد''اے ابوبکر! انہیں گانے دو کیوں کہ یہ عید کے دن ہیں''۔

اور یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ مجھے اپنی چادر اطہر میں چھپائے ہوئے ہیں، میں ابھی کمسن بچی تھی اہل حبشہ کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تو آپ لوگ بھی نو عمر عرب بچیوں کی قدر و عزت کریں۔

اور عروہ سے یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے میرے پاس دو بچیاں بغاث کے گیت گا رہی تھیں سرکار دوسری طرف رخ زیبا فرما کر محو استراحت ہو گئے اتنے میں ابوبکر آئے، اور مجھے ڈانٹا اور کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس شیطان کے گیت؟ تو رسول اللہ ﷺ نے میرے

والد کی طرف رخ اقدس فرما کر ارشاد فرمایا انہیں گانے دیں۔ جب آپ غافل ہوئے تو میں نے ان دونوں بچیوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ اور عید کے دن سوڈان کے لوگ ڈھالوں اور چھوٹے نیزوں سے کھیل رہے تھے، تو یا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا آپ نے خود از راہ کرم وشفقت ومحبت فرمایا: دیکھنا چاہتی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضور، آپ نے مجھے اپنے پیچھے فرما لیا میرا رخسار آپ کے رخسار پر انوار کے پاس تھا اور آپ فرما رہے تھے اے بنی ارفدہ! لو یہاں تک کہ جب میں اکتا گئی تو آپ نے فرمایا: بس ہو گیا، میں نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جائیں۔

سید الخلق ﷺ کے کلام کا معنی خوب واضح ہے کہ عید سے مراد یہی عید اور اس میں ہونے والے کھیل وکود اور اس دن کے خورد ونوش مراد ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں اس ذات پاک کی بارگاہ میں صحیح و درست نہیں جو رفیق اعلی کے قرب خاص میں جلوہ آرا ہیں، اور جن کے سر اقدس پر مقام محمود کا تاج رفعت ہے۔

بعض صالحین نے حضور کے ارشاد: ''**لاتجعلوا قبري عيدا**'' (میری قبر کو عید نہ بناؤ) کے بارے میں فرمایا: کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سال میں عید دو بار آتی ہے، تو اس سے زیادہ کرنے سے بچو۔

یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ عید کا کیا معنی ہے اور عید میں کیا ہوتا ہے۔

اس مقام پر کوئی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''**اللهم لاتجعل قبري وثنا يعبد**''. اے اللہ! تو میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت و پوجا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقائق سے صرف نظر کرنا ہے کیوں کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام کی دعا مستجاب ومقبول ہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی نص جلی ہے یہاں تک کہ ابن تیمیہ کو بھی اس سے مفر اور انکار نہیں کہ انبیا کی دعا مقبول ومستجاب ہے تو بہر حال روضۂ اقدس کی زیارت میں یہ خوف وخدشہ نہ رہا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۱۶۶/۴) جابر سے روایت کیا آپ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''**إن الشيطان قد يئس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم**''. ''بے شک شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں، لیکن ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے

میں لگا رہے گا''۔

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کا حکم آیا ہوا ہے جیسا کہ احوال آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لیے اس کا حکم دیا گیا اسی طرح مردوں کی محبت اوران کے ساتھ نیکی وبھلائی اور کار خیر وغیرہ کا حکم ہے اور نبی پاک ﷺ نیکی وبھلائی اور امر خیر کے زیادہ لائق ہیں آپ کی شان رفیع میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [الاحزاب-۳۳:۶]

ترجمہ:۔''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

ابن تیمیہ کے کفش بردار ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک رہیں،اس لیے انہیں اسی کو موضوع بحث بنانا چاہئے جو ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا مالک ہو،اور جس کی اطاعت کرنے پر دنیاو آخرت کی سعادتوں کے مالک کی بارگاہ میں نقصانات سے دوچار ہونا پڑے۔

۲۔ نبی پاک ﷺ کی زیارت کے باب میں خاص صفت کے ساتھ حدیثیں وارد ہیں:

دارقطنی نے اپنی سنن (۲/۲۷۸)،اوربیہقی نے شعب الایمان (۳/۴۹۰) میں اوران کے علاوہ دوسرے محدثین نے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**من زار قبري وجبت له شفاعتي**'' (ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی'')

حافظ ابن حجر نے **تلخيص الجبير** (۲/۲۶۷) میں فرمایا: **فائدہ**:اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں لیکن ابوعلی بن مؤطا نے ابن عمر کی مروی حدیث کو صحیح قرار دیا انھوں نے اپنی سنن صحاح میں اس کو ذکر کیا، اور عبدالحق نے **الأحكام في سكوته** میں،اورتقی الدین سبکی نے مجموع طرق کے اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

اور اس باب کی صحیح ترین حدیث وہ ہے جسے امام احمد اور ابوداود نے بطریق صخر بن حمید بن زیاد، یزید بن عبداللہ بن قسیط سے روایت کیا کہ ابوہریرہ نے مرفوعا روایت کیا''**مامن أحديسلم علي إلا ردالله علي روحي حتى أرد عليه السلام**''. ''جوشخص مجھ سے سلام کرتا ہے اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس

کے سلام کا جواب دوں''۔امام بیہقی نے اس حدیث سے باب شروع کیا۔اور عجلونی نے کشف الخفاء (۳۲۸/۲، ۳۲۹) میں کہا:

''ابوالشیخ اور ابن ابوالدنیا وغیرہما نے ابن عمر سے اس حدیث کو روایت کیا، اور یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے، انھوں نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا، اور ابوالشیخ ، اور طبرانی، اور ابن عدی، اور دارقطنی ، اور بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا:

''فكأنما من زار قبري بعد موتي زارني في حياتي''

ترجمہ:۔''جس نے میری رحلت کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا۔ذہبی نے اس حدیث کے طرق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اس کے تمام طرق لیّن ہیں لیکن بعض روایتوں کو بعض روایات سے قوت حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس کے راویوں میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں۔

ذہبی نے کہا: سب سے عمدہ اسناد حاطب کی حدیث ہے جسے ابن عساکر وغیرہ نے اس طرح تخریج کیا:

''من زارني بعدموتي فكأنما زارني في حياتي''

ترجمہ:۔''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

اور طیالسی نے عمر سے مرفوعا روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من زارقبري كنت له شفيعا''.

ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع ہوں گا''۔

اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''من زارني أومن زارقبري إلى المدينة كنت له شفيعاو شهيدا''

ترجمہ:۔”جس نے مدینہ منورہ آ کر میری یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع اور شاہد رہوں گا“۔

اور بیہقی نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا:

”من زارني في المدينة محتسبا كنت له كلاهما وشفيعا يوم القيامة“.

ترجمہ:۔جس نے اجر وثواب کی نیت سے مدینہ منورہ میں میری زیارت کی میں اس کے لیے دونوں، (شفیع وشہید) اور قیامت میں شفیع ہوں گا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ زیارت کی صحیح یا حسن حدیثیں جو تقریبا دس طرق سے مروی ہیں علامہ ابن حجر کے قول کے مطابق ابن موطا نے ان تمام طرق کے لحاظ سے انہیں صحیح کہا اور اپنے سنن صحاح میں انہیں جگہ دی اور عبدالحق نے ”الأحکام في سکوته“ میں اور تقی الدین سبکی نے بھی ان طرق کے لحاظ سے انہیں صحیح کہا۔

جب یہ روشن ہو گیا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں تو حضور اور آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والا کس قدر خوش نصیب ہے، اور آپ کی زیارت کی سعادت سے محروم انسان کس قدر محروم ونامراد ہے، اور اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوں تو شہدائے احد اور بقیع کی زیارت کی حدیث کتب احادیث میں وارد ہے جو درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے اور ہم یہ ذکر کر چکے کہ نبی پاک ﷺ سب سے زیادہ زیارت کے لائق ہیں۔

اس لیے آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت اس لیے نہ کرنا کہ بعض علما نے احادیث زیارت کو ضعیف کہا یہ محض بعض شیطانوں کا مکر وفریب ہے اس لیے کہ زیارت کا حکم احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور عنقریب مزید ذکر کریں گے۔

(۳) نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زیارت کی حدیثیں:

حضور اقدس سید عالم ﷺ انبیائے کرام کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے، اور اپنی امت کو اس کی ترغیب بھی فرماتے کہ انبیائے کرام کی قبریں پہچانیں اس نقطہ پر تنبیہہ کرنے والا مجھے کوئی نہ ملا۔

(۱) نبی پاک ﷺ اور جبریل امین نے اللہ عزوجل کے حکم سے سفر معراج فرمایا یہاں تک کہ نبی پاک نے

اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی۔

صحیح مسلم (۱۸۴۵/۴) میں ثابت بنانی اور سلیمان تیمی نے انس بن مالک سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے سرخ تودۂ ریگ کے پاس سیر کرائی گئی میں موسی علیہ السلام کے پاس آیا (اور ہداب کی روایت میں ہے کہ ''گزرا'') آپ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز ادا فرمارہے تھے۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے دو چیزیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

۱۔ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ[1] ہیں، اور اپنی قبروں میں ذکر و نماز و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی، آپ کو کھڑے ہوکر نماز پڑھتے پایا، ورنہ (اگر آپ نے زیارت نہ فرمائی) کیوں موسی علیہ السلام کے پاس سے آپ گزرے؟

اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جسے امام بخاری (۴۴۹) اور مسلم (۱۸۴۲/۴) وغیرہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ عز وجل نے ملک الموت کو موسی علیہما السلام کے پاس (قبض روح کے لیے) بھیجا، جب ملک الموت آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں ایسا طمانچہ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی وہ اپنے رب کی بارگاہ میں واپس گئے اور عرض کیا: تو نے ایسے بندے کے پاس بھیجا تھا جو موت نہیں چاہتے اب اللہ تعالی نے پھر ان کی آنکھ درست فرمادی اور فرمایا پھر جا کر عرض کرو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھیں ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر بال کے عوض ایک سال زندگی ملے گی حضرت موسی نے عرض کیا اے رب

(۱) فقیہ اسلام مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

حیات انبیا کے متعلق علمائے محدثین نے کامل تحقیق فرمائی گزشتہ سطور میں اس کی تحقیق گزر چکی۔ (مترجم)

اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت، تو عرض کیا ایسا ہے تو ابھی، اور اللہ سے سوال کیا ایک پتھر پھینکنے بھر ارض مقدس سے انہیں قریب فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”**فلو كنت عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عند الكثيب الأحمر**“. ”اگر میں وہاں ہوتا تو ان کا مزار راستے کے کنارے سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس تم کو دکھاتا“۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اگر موسی علیہ السلام کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے: ”اگر میں وہاں ہوتا تو ان کا مزار راستے کے کنارے سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس تم کو دکھاتا“ نبی پاک ﷺ اپنی امت کو صرف وہی چیز بتاتے ہیں جس میں اس کی بھلائی اور اس کا رشد و صلاح مضمر ہو۔

نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد: ”میں ضرور تم کو ان کا مزار دکھاتا“ میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اس کا سبب زیارت ہی ہے، اور آپ کے ارشاد کا معنی مراد یہ ہے کہ میں ضرور تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا اور ضرور تم ان کے مزار کی زیارت کا شرف حاصل کرتے۔ ورنہ اس ارشاد مذکور کا کیا معنی ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) ابویعلی اور ابن عساکر نے باسناد صحیح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کیا آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے عیسیٰ ابن مریم امام مقسط، اور حاکم عادل بن کر اتریں گے، صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور اصلاح ذات البین فرمائیں گے اور بغض و کینہ و عداوت کا خاتمہ فرمائیں گے، مال پیش کیا جائے گا تو اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، پھر اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھے ”یا محمد“ کہہ کر پکارتے، میں انہیں ضرور جواب دیتا، اور ایک روایت میں ہے، میں انہیں ضرور ضرور جواب دوں گا۔[1]

---

(۱) حدیث (لینزلن عیسیٰ بن مریم) ابویعلی (۱۱/۴۶۲) نے باسناد صحیح تخریج کی اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۷/۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۶) میں تخریج کیا اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۱۱) میں اس کو صحیح کہا اور کہا: میں کہتا ہوں: ”یہ حدیث صحیح میں اختصار کے ساتھ مروی ہے ابویعلی نے اسے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ الخ

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ: اگر وہ مجھ سے سلام کرتے تو میں ضرور ان کے سلام کا جواب دیتا، حضور اقدس کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نبی پاک سے سوال کریں گے، اور آپ اپنی قبر میں جلوہ نشیں ہوکر آپ کے سوال کا جواب دیں گے۔

ابن منظور نے **لسان العرب** (۲۸۳/۱) میں کہا:

''**الإجابة**'' کا معنی کلام کا جواب دینا ہے یوں کہا جاتا ہے: **أجابه عن سؤاله وقد أجابه إجابة وإجابا وجوابا وجابة، واستجوبه واستجابه واستجاب له** ۔ان سب کا معنی یہی ہے کہ کسی سوال کا جواب دینا، اوراس کی دعوت پر لبیک کہنا، اور دعوت قبول کرنا۔

اور **مختار الصحاح** (۴۹/۱) میں ہے: **ج و ب**

اور **المصباح المنیر** (۱۱۳/۱) میں ہے: جواب، طلب کے بعد ہی ہوتا ہے اور ''**أجابه**، اور **أجاب قوله** اور **استجاب لهٗ**'' اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اوراس کی دعوت قبول کرے، اور **أجاب اللّٰه دعاءه** کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور **استجاب له** کا بھی یہی معنی ہے۔

اور **التوقیف علی مهمات التعریف** (۳۴/۱) میں ہے:

الإجابة موافقة الدعوة فیماطلب بها لوقوعهاعلی تلک الصفة ۔کہ ''**الإجابة**'' کا معنی دعوت سے جو چیز مطلوب ومقصود ہے اس میں (دعوت کی) موافقت کرنا اس لیے کہ دعوت کی موافقت اسی طریقہ پر ہوگی۔

بعض لوگوں نے علما سے سوال کیا کہ عیسیٰ بن مریم آخری زمانہ میں اترنے کے بعد کتاب وسنت کے موافق فیصلہ کریں گے لوگ آپ سے قرآن کے احکام پوچھیں گے تو آپ ان احکام کے بارے میں کیا کریں گے جو نبی پاک ﷺ کی خاص سنت ہیں؟

اس سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا: آپ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے سوال کریں گے اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہ اور مالک وشافعی واحمد میں سے کسی امام کے قول پر عمل نہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ حدیث سے بھی یہی انکشاف ہوتا ہے۔

یہ ذہن نشیں کر لینے کے بعد ابن تیمیہ کے اس قول کا رد آشکارا ہو جاتا ہے جو اس نے اپنے فتاوی کبری (۶/۲) میں کہا: ''جب مقصد سفر نبی کی قبر کی زیارت ہو، نہ کہ آپ کی مسجد میں نماز ادا کرنا تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ائمہ اور اکثر علما اس پر ہیں کہ یہ نہ مشروع ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کے کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ وہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہ یا مالک، یا شافعی، یا احمد میں سے کسی امام سے ایسی نص لائیں جس میں ان حضرات میں سے کسی نے وہ کہا جو ابن تیمیہ کی زبان سے نکل رہا ہے۔

(۲) سیدالخلق ﷺ نے کلیم اللہ موسی علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت فرمائی اور وہاں نماز ادا نہ فرمائی۔

(۳) کیا آپ کے اعتقاد میں کوئی ایسا فقہی مسئلہ ہے جس میں یہ تصریح ہو کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرے پھر اذان سنے تو وہ نماز نہ پڑھے، اور یہ کہے کہ میں صرف زیارت کی غرض سے آیا ہوں؟ یہ ائمہ اور اکثر علما کون ہیں جن کا ابن تیمیہ حوالہ دے رہا ہے؟

ثالثاً: اجماع

قاضی عیاض نے شفاء (۶۸/۲، ۶۹) میں فرمایا:

''حضوراقدس سید عالم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت تمام مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ان سب کا اجماع ہے، اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب وارد ہے''۔

اور ابن ھبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) نے اپنی کتاب اتفاق الائمہ میں فرمایا:

الفقه على مذاهب الأئمة الأربعة کے نام سے ایک کتاب مطبع دارالحرمین سے طبع ہوئی یہ کتاب ''**الإفصاح عن معاني الصحاح**'' کا ایک جز ہے اس کتاب میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کے اقوال ذکر کیے جائیں، اوران کے اصحاب یا ان سے نسبت رکھنے والوں کے اقوال ذکر نہ کیے جائیں۔ ہاں اشارۃ ذکر آ سکتا ہے۔

اس کتاب (۳۳۷/۱-۳۳۸) میں یہ ہے کہ: اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ منورہ) میں سے کون افضل ہے؟ امام مالک اور امام احمد نے اپنی ایک روایت میں فرمایا: مدینہ منورہ افضل ہے، اور امام ابوحنیفہ وشافعی اور احمد نے (دوسری روایت میں) فرمایا کہ: مکہ افضل ہے، لیکن آپ کے جسد اقدس سے متصل حصۂ زمین بلا کسی اختلاف ساری زمین سے اشرف وافضل ہے۔

پھر اسی کتاب (۳۳۹/۱) میں یہ بھی ہے:

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جوار اقدس میں آرام فرما آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت مستحب اور مندوب ومرغوب ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار (۱۸۱/۵) میں کہا:

حضوراقدس ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت سنن واجبہ سے ہے ایسا ہی عبدالحق نے کہا۔ جو لوگ اس زیارت کو مشروع کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دور دراز مقامات سے مختلف مذاہب کے لوگ

حج کے ارادہ سے آتے ہیں ان حجاج کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا کہ مدینہ مشرفہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ارادہ سے حاضر ہوتے ہیں، اور ایسا ہمیشہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔ یہ لوگ اسے افضل عمل شمار کرتے ہیں اور کہیں یہ منقول نہیں کہ کسی نے ان حجاج وزائرین کی اس زیارت پر نکیر فرمائی جس سے صاف واضح ہے کہ اس کے جواز واستحباب پر تمام حضرات کا اجماع ہے۔

زیارت روضۂ اقدس سے متعلق علماء وائمہ کے چند اقوال

قتادہ سے صحیحا مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے کعب سے فرمایا: مدینہ منورہ کیوں نہیں جاتے وہاں رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت، اور آپ کا روضۂ اطہر ہے۔ کعب نے فرمایا: میں نے اللہ کی نازل فرمودہ کتاب میں پایا کہ شام اللہ عزوجل کی زمین کا خزانہ ہے، اور وہاں اس کی خلق (بندوں) کا خزانہ ہے(۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر بن خطاب اور قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے سفر کرنا مشروع ہے۔

ہم آئندہ سطور میں ابن تیمیہ کے رد میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے واضح ہوگا کہ کم ازکم آٹھ صحابہ کرام نے رسول پاک کے روضۂ اقدس کی زیارت کی۔

---

(۱) معمر بن راشد نے اپنی جامع (۱۱/۲۵۱) میں کعب سے حضرت عمر کے اس ارشاد کی تخریج کی انھوں نے کہا ہم کو عبدالرزاق نے معمر سے خبر دی کہ قتادہ نے فرمایا، اور بغوی نے تفسیر (۳/۲۵۱) میں بطریق عبدالرزاق تخریج کیا، اور حافظ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق (۱/۱۲۱) میں بطریق عبدالرزاق تخریج کیا اس اسناد کے تمام رجال ثقہ ہیں، مگر قتادہ کا عمر بن خطاب سے لقا ثابت نہیں جب کہ مدار روایت وہی ہیں لیکن اس واقعہ کے شواہد ہیں جو موصولا دو طریقوں سے مروی ہیں۔

۱۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱/۱۲۱) میں بسند حسن علقمہ بن وقاص لیثی کے طریق کی تخریج کی۔

۲۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱/۱۲۱) میں موسی بن طریف کے طریق کی تخریج کی لیکن موسی بن طریف ضعیف ہیں اور ان کا عمر سے لقا ثابت نہیں۔

بہر حال ان طرق کے سبب یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے واللہ تعالی اعلم۔

طبری نے اپنی تفسیر (۷/۴۶) میں کہا: ابوقلابہ نے کہا: اور ہم سے یہ ذکر کیا گیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے کعب! کیوں مدینہ منورہ نہیں جاتے کیونکہ وہاں رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت، اور آپ کا روضۂ اقدس ہے۔ تو کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب میں یہ پاتا ہوں کہ شام اللہ کی زمین کا خزانہ ہے اور وہاں اس کے بندوں کا خزانہ ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے متعلق ارباب علم کے ارشادات:

شیخ الاسلام سبکی نے اپنی کتاب شفاء السقام في زيارة خير الأنام (۶۸، ۶۹، ۷۰) میں فرمایا:

''علما نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''حضور اقدس سید عالم ﷺ کے تربت اطہر کی زیارت مسلمانوں کی ایسی سنت جاریہ ہے جس پر ان کا اجماع ہے، اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے''۔

قاضی ابوالطیب نے فرمایا: ''ويستحب أن يزور (يعني الحاج) النبي ﷺ بعد أن يحج ويعتمر'' (ترجمہ: ''حج وعمرہ کے بعد حجاج کے لیے مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کریں'')۔

محاملی نے ''تجرید'' میں کہا: حاجی کے لیے مکہ سے فارغ ہونے کے بعد مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کرے۔

ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمی نے اپنی کتاب ''المنهاج في شعب الإيمان'' میں نبی پاک کی تعظیم سے متعلق امور ذکر کر کے کہا:

''یہ تعظیم ان حضرات کے لیے ہے جنہیں حضور اقدس کی زیارت وصحبت کا شرف حاصل ہے، آج حضور کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کی زیارت کی جائے''۔

میں کہتا ہوں: بیہقی کی شعب الإيمان (۲/۲۰۳) مطالعہ فرمائیں۔

ماوردی نے حاوی میں کہا: نبی پاک کے روضۂ اطہر کی زیارت مامور ومندوب ہے۔

اور ماوردی نے ''الأحكام السلطانيه'' میں حاجیوں کی ولایت کے سلسلے میں ایک باب قائم کیا اور یہ کہا ولایت حج کی دو قسمیں ہیں (۱) حاجیوں کو لے کر چلنا (۲) حج کرانا (حج ادا کرنا)

پہلی قسم میں یہ شرط ہے کہ: متولی مطاع، صاحب رائے اور دلیر و بہادر اور باہمت ہو، اس طرح سے اس ولایت میں دس چیزیں داخل ہیں۔ آپ نے انہیں ذکر کر کے فرمایا: جب لوگوں کا حج مکمل ہو جائے تو انہیں اتنے دن مہلت دی جائے جتنے دن کی عادت قائم ہے، جب یہ لوگ واپس ہونے کا ارادہ کریں تو انہیں مدینۃ الرسول ﷺ کی راہ کا سفر کرایا جائے تا کہ یہ لوگ آپ کی عزت و حرمت کی رعایت، اور آپ کی اطاعت کے حقوق قائم رکھ کر حج بیت اللہ کی سعادت کے ساتھ رسول پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت سے سرشار ہوں، اگر چہ یہ امور حج کے فرائض سے نہیں، مگر شریعت مطہرہ کے مندوبات، اور حاجیوں کی مستحسن عبادات سے ہیں۔

اور صاحب المہذب نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مستحسن ہے۔ اور قاضی حسین نے کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت مسنون یہ ہے کہ ملتزم کے پاس ٹھہر کر دعا کرے پھر زمزم شریف پئے، پھر مدینہ منورہ طیبہ آ کر نبی ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کرے۔

اور رویانی نے کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مستحب ہے۔

جب یہ واضح ہو چکا کہ زیارت کے مندوب و مستحب ہونے پر تمام مسلمانان عالم اور علمائے امت کا اجماع ہے تو پھر اس بارے میں اصحاب کے کلام کے تفحص کی چنداں ضرورت نہیں۔

اور حنفیہ نے کہا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت افضل مندوبات و مستحبات سے ہے بلکہ واجبات کے درجہ سے قریب ہے۔ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی نے اپنے مناسک، اور عبد اللہ بن محمود بن بلدحی نے ''المختار'' کی شرح میں اس کی تصریح فرمائی۔

فتاوی ابو اللیث سمرقندی میں ''باب أداء الحج'' میں ہے کہ حسن بن زیاد نے کہا: امام ابو حنیفہ نے فرمایا: حاجی کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ جائے، مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جائے، اور اگر پہلے مدینہ منورہ گیا تو یہ بھی جائز ہے، روضۂ اطہر کے قریب آ کر آپ کے روضۂ اقدس اور قبلہ کے درمیان کھڑا ہو، پھر قبلہ رو ہو کر نبی پاک ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر درود بھیجے اور آپ کے ان صاحبین پر سلام و رحمت بھیجے۔

اور ابوالعباس سروجی نے ''الــغـــاية'' میں کہا: حج وعمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوکر ''طیبہ'' مدینۃ الرسول ﷺ آئیں، وہاں آپ کی قبر اقدس کی زیارت کریں کیوں کہ یہ سب سے کامیاب ترین کوشش ہے۔

حنابلہ نے بھی یہی تصریح کی: ابوالخطاب محفوظ بن احمد بن حسن کلوذانی حنبلی نے ''الہدایۃ'' میں طریقۂ حج کے آخری باب میں کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت حاجی کے لیے مستحب یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کرے۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حسین بن احمد بن قاسم بن ادریس سامری نے ''المستوعب'' میں کہا: ''رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کا باب: جب مدینۃ الرسول ﷺ آنے کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ طیبہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرے، پھر رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی مسجد میں داخل ہو، اور سب سے پہلے داہنا قدم رکھے، پھر روضۂ اطہر کی دیوار اقدس کے ایک گوشہ میں اس طرح کھڑا ہو کہ چہرہ روضۂ اقدس کی طرف، اور پیٹھ قبلہ کی طرف، اور منبر بائیں طرف رہے، اس کے بعد زائر در اقدس یوں عرض کرے اے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کی شان میں یہ فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں''۔

آپ نے سلام ودعا کا مکمل طریقہ ذکر کر کے فرمایا کہ یوں عرض کرے:

اور میں بخشش کا طالب ہو کر آیا ہوں تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ میری بخش واجب فرما جیسا کہ آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے پاس حاضر ہونے والوں کی بخشش تو نے واجب فرمائی اللهم إني أتوجه إليك بـــــنبيّك ﷺ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ لاتا ہوں، آپ نے طویل دعا ذکر کر کے فرمایا: جب مدینہ منورہ طیبہ سے نکلنے کا ارادہ کرے تو آپ کے روضۂ اطہر پر واپس آ کر اسے الوداع کہے۔

ابن تیمیہ جو حنابلہ کا ہم مذہب بنتا ہے شدید جھگڑالو اور معاند ہے وہ ان حنبلی مصنفین کی روشن تصریحات چشم انصاف اور قلب بینا سے دیکھے کہ یہ حضرات نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضری اور اس کے آداب کی کیسی

صاف اور واضح تصریحیں فرمارہے ہیں۔ابومنصور کرمانی حنفی نے فرمایا: اگر کوئی شخص تمہیں بارگاہ رسالت میں عرض سلام کی وصیت کرے تو یوں سلام پیش کرنا: ''یارسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کی بارگاہ میں مودبانہ سلام پیش ہے، وہ آپ کو آپ کے رب کے حضور رحمت ومغفرت کا شفیع ٹھہراتا ہے، آپ اس کی شفاعت فرمائیں۔

ہم ان شاءاللہ تعالی اس کتاب میں اس عنوان کا ایک مستقل باب قائم کریں گے۔

نجم الدین بن حمدان حنبلی نے ''الرعایۃ الکبری''میں کہا: ''حج کے مناسک سے فارغ ہونے کے لیے مسنون یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ تعالی عنہما کی قبراقدس کی زیارت کرے حج سے فارغ ہونے کے بعد زیارت کرے، اور اگر چاہے تو حج سے پہلے زیارت کرے''۔

پھر شیخ الاسلام سبکی نے (ص:۸۷) کہا: ''ابن بطال نے شرح بخاری میں کہا: حضور نے ارشادفرمایا: ''مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة'' میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے'' آپ نے اس مقام پر دومشہور قول بیان کرنے کے بعد کہا: اور دوسرے قول کے قائل نے اس طرح استدلال کیا کہ حضوراقدس ﷺ نے ارشادفرمایا: ''ارتعوا في ریاض الجنة'' جنت کی کیاریوں میں آسودہ زندگی بسر کرو یعنی ذکر وعلم کے حلقہ میں مشغول رہو، اور کہا: اس کا معنی نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت، اور آپ کی مسجد میں نماز کی ادائیگی پر آمادہ کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں: قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ائمہ مذاہب میں سے بعض ان جلیل الشان اور بلند پایہ علمائے کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں جو ابن تیمیہ سے پہلے اور بعد کے بھی ہیں:

اولا: حنفیہ

امام اجل حافظ طحاوی (۳۲۱ھ) نے مختصر اختلاف العلماء (۱۴۱/۲-۱۴۲) میں فرمایا:

طواف حج کو کیا کہا جائے؟ ہمارے اصحاب حنفیہ اور سفیان ثوری اور امام اوزاعی طواف زیارت کہتے تھے، اور امام مالک اسے عظیم مکروہ جانتے کہ کوئی یہ کہے کہ: ہم نے نبی ﷺ کے

روضۂ اقدس کی زیارت کی۔ سفیان ثوری نے روایت کیا مجھ سے محمد بن طارق نے ابن طاؤس اورابوالزبیر سے بیان کیا، ان دونوں نے ابن عباس اور عائشہ سے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رات تک طواف زیارت کو موخر رکھا تو یہ دوسری چیزوں کی بہ نسبت اولی ہے، اور امام مالک کے بارے میں جو یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے کہ:''ہم نے نبی ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کی'' تو اس کا کوئی معنی نہیں اس لیے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها''.

(ترجمہ:۔''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا تو اب ان کی زیارت کرو'')

علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار (۶۲۶/۲) میں فرمایا:

مکہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، یہی راجح ہے مگر نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے اعضائے شریفہ سے پیوستہ حصہ زمین مطلقاً افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ وعرش وکرسی [1] سے بھی افضل ہے، اورآپ کے روضۂ اقدس کی زیارت مندوب بلکہ ایک قول کے مطابق صاحب استطاعت پر واجب ہے۔

کمال ابن ہمام نے فتح القدیر (۱۷۹/۳، ۱۸۰، ۱۸۱) میں فرمایا:

تیسرا مقصد: نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کے بیان میں: ہمارے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا: آپ کے روضۂ پاک کی زیارت افضل مندوبات سے ہے۔ اور شرح المختار میں ہے کہ صاحب استطاعت پر

---

(۱) فقیہ فقید المثال امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

(مترجم)

یہ زیارت اقدس واجب ہے۔ دارقطنی ،اور بزار کی روایت میں ہے کہ نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''.

ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

ملاعلی قاری حنفی نے اپنی شرح شفا میں فرمایا:

''ابن تیمیہ حنبلی نے حد درجہ تفریط وکوتاہی سے کام لیا اس لیے کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کے سفر کو حرام کہا جیسا کہ دوسروں نے افراط کر کے یہ کہا کہ: زیارت دین کی قربت معلومہ بدیہیہ ہے، اور اس کے منکر پر کفر کا حکم ہے، مجھے امید ہے کہ یہ دوسرا قول درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ جس امر کے استحباب پر علما نے اجماع فرمایا اسے حرام ٹھہرانا کفر ہے، اس لیے کہ (اس باب میں) اس کا حکم متفق علیہ مباح کی تحریم سے بڑھکر ہے''۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے فرمایا:

''مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے شرح شفاء میں نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد پاک:

''لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد''

ترجمہ:۔''اللہ ان لوگوں پر لعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنا ڈالا''۔

کے بعد فرمایا:

''یہی وہ حدیث ہے جس کے سبب ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار ابن قیم نے اپنے شنیع مقالہ کی طرف قوم کو دعوت دی، اور علما نے ان کے اس شنیع قول کے سبب ان کی تکفیر کی۔ اور علامہ سبکی نے تو اس باب میں مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ ابن تیمیہ کا قول شنیع یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ کی زیارت، اور آپ کی بارگاہ کا سفر ممنوع ہے حالاں کہ آپ کی شان اقدس اس کا عظیم مصداق اور حسین پیکر ہے جو کسی عاشق صادق نے کہا:

لمهبط الوحی حقاً ترحل النجب وعند ذلک المرجی ینتهي الطلب

ترجمہ:۔مہبط وحی خاک پاک طیبہ کی طرف خوش رفتار اونٹنیاں رواں دواں ہیں۔
اور اسی امید گاہ کے پاس طالب کی امید وطلب کو کمال حاصل ہوتا ہے۔
ابن تیمیہ اس وہم میں ہے کہ اس نے بے جا اور بیہودہ خرافات کے ذریعہ جانب توحید کی حمایت وحفاظت کی ہے۔اس نے تو ایسی شنیع بات کہی جو کوئی عاقل نہ کہے گا چہ جائے کہ فاضل کہے۔''

منقول از **شواهد الحق في الاستغاثة بسيد الخلق للنبهاني**. (ص۱۸۵)

علامہ طحطاوی نے اپنے حاشیہ **مراقی الفلاح** (۴۸۶/۱) میں کہا:

''یہ فصل نبی پاک ﷺ کی زیارت کے بیان میں ہے: علما نے فرمایا: اگر حج فرض ہے تو زیارت سے پہلے حج کرے، ورنہ اختیار ہے۔اور زیارت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ محض[1] حضور اقدس سید عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ: مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے، اس لیے کہ یہ مسجد پاک ان تین مسجدوں میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کا حکم دیا گیا، مصنف کے قول ''حَرَّضَ'' کا معنی ہے: کسی چیز پر آمدہ کرنا قاموس میں ہے: ''**حرضه تحريضا حثه**'' یعنی کسی کو کسی چیز پر آمادہ کرنا، جب ''حرض'' کا یہ معنی ہے تو ماتن کے قول ''**وبالغ**'' (مبالغہ کرے) کا عطف ایک امر مغایر کا عطف ہے مصنف نے فرمایا ''**وبالغ في الندب إليها أي في طلبها**'' کہ قصد زیارت میں مبالغہ کرے، وہ اس طرح کہ یہ یاد رکھے کہ ترک زیارت پر وعید، اور زیارت کرنے پر وعدۂ اجر ہے۔

ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں (۶۲۷/۲) میں فرمایا:

قوله: ولينو معه الخ، ابن ہمام نے فرمایا بندۂ ناتواں کے نزدیک اولی یہ ہے کہ محض حضور علیہ الصلاۃ

---

(۱) فقیہ فقید المثال، مجدد اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین، سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا   اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے   (مترجم)

والسلام کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت کرے، پھر زائر کو روضۂ اقدس کی یہ اولی زیارت اس وقت حاصل ہوگی جب کہ پہلے مسجد شریف کی زیارت کرے، یا دوسری بار اللہ تعالی کا فضل طلب کرے۔اور اس دوسری مرتبہ زیارت روضہ اقدس کی نیت کرے اس لیے کہ اس میں حضور اقدس کی زائد تکریم و تعظیم ہے اور حضور اقدس کے ارشاد "من جاء ني زائرا". "جو شخص میری زیارت کے لیے آئے" الحدیث کے بہ ظاہر موافق بھی ہے۔

ثانیا: مالکیہ

ابن مواز (۱۸۰-۲۶۹ھ) نے (اپنی کتاب کے "کتاب الحج" کے اس باب میں جو خانہ کعبہ کے الوداع کے باب میں ہے "شفاء السقام في زيارة خير الأنام" (ص۸۱) سے نقل کر کے) ذکر کیا: اشہب نے کہا: امام مالک نے خانہ کعبہ کے الوداع و رخصت کے باب میں کہا: اللہ کی کتاب، اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت شریفہ میں خانہ کعبہ کے رخصت والوداع کا حکم معروف نہیں۔صرف طواف خانۂ کعبہ کا حکم معروف ہے، میں نے امام مالک سے کہا: جس طواف کے ذریعہ خانہ کعبہ کو الوداع اور رخصت کیا جاتا ہے کیا آپ کی رائے میں یہ التزام ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ طواف ہے، صرف عمر نے اس بارے میں یہ فرمایا: "سب سے آخری عبادت طواف کعبہ ہے" امام مالک سے کہا گیا: جو شخص التزام کرنا چاہے، تو کیا آپ کی رائے میں بوقت رخصت اس کے لیے التزام جائز ہے، فرمایا: نہیں، ہاں لیکن وہاں کھڑے ہوکر دعا کرے۔آپ سے پوچھا گیا: اور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس بھی ایسا ہی حکم ہے، فرمایا: ہاں۔

قاضی عیاض یحصبی نے اپنی کتاب: الشفاء (۶۸/۲-۶۹) میں فرمایا:

حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت تمام مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ان سب کا اجماع ہے اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب فرمائی گئی ہے۔

امام مالک نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے کہ: "ہم نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کی" آپ کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے اس میں اختلاف ہے: **ایک قول یہ ہے**: کہ اس کا زیارت نام رکھنا مکروہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "لعن الله زوارات القبور" "قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ کی

لعنت ہے'' مگر اس قول کا رد یوں ہو جاتا ہے کہ حضور اقدس نے یہ بھی تو ارشاد فرمایا: ''نهيتم عن زيارة القبور فزوروها'' ''تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا گیا تھا، اب قبروں کی زیارت کرو'' اور آپ نے خاص روضۂ اقدس کی زیارت کے متعلق یہ بھی فرمایا: ''من زار قبري'' (ترجمہ: ''جو میری قبر کی زیارت کرنے آئے'') تو خود حضور اقدس نے اس پر اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ: ایسا کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ ''زیارت کرنے والا اس سے افضل ہوتا ہے جس کی زیارت کی جائے'' مگر یہ بھی معقول وجہ نہیں اس لیے کہ ہر زائر کا حال ایسا نہیں۔ اس لیے یہ ہر زائر کو عام بھی نہیں۔ علاوہ ازیں حدیث میں اہل جنت کے متعلق وارد ہے کہ وہ اپنے رب کا دیدار اور اس کی زیارت کریں گے'' اور اللہ تعالی کے حق میں ایسا کہنا ممنوع نہیں۔

اور ابو عمران رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: امام مالک نے طواف زیارت، اور زیارت روضۂ اقدس ﷺ کہنا اس لیے مکروہ فرمایا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے لیے یہ کلمہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور آپ کو یہ پسند نہیں کہ حضور اقدس کی زیارت کے لیے وہی کلمہ زیارت استعمال کیا جائے جو عام انسانوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ آپ کی شان اقدس میں مخصوص کلمہ استعمال کیا جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ: ہم نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا، اور زیارت تو لوگوں کے درمیان مباح ہے، اور حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کا سفر کرنا واجب ہے، اس مقام پر وجوب سے آپ کی مراد وجوب بمعنی فرض نہیں، بلکہ اس کا معنی وجوب ندب اور ترغیب و تاکید ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۰/۱۹۸) میں فرمایا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

''واتيناه في الدنيا حسنة'' (النحل ۱۲۲، پ۱۴)

ترجمہ: ''''ہم نے دنیا میں اسے بھلائی بخشی''۔

ایک قول یہ ہے کہ: ''حسنۃ'' سے مراد پاکیزہ اولاد ہے۔ اور **ایک قول** یہ ہے کہ: عمدہ تعریف

اور ذکر خیر مراد ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت مراد ہے۔اور ایک قول ہے کہ ''صلاۃ''(درود) مراد ہے جب کہ تشہد میں محمد علیہ الصلاۃ والسلام پر درود بھیجا جائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ ہر دین دار آپ کو محبوب ودوست رکھتا ہے ۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ کی ضیافت، اور آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت کا باقی رہنا مراد ہے۔اور اللہ عزوجل نے حضور اقدس ﷺ کو یہ تمام فضائل وکمالات بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے''۔

ابوالولید محمد بن رشد مالکی نے شرح عینیہ مسمی بہ کتاب ''**البیان والتحصیل**''**في كتاب الجامع**، میں **شفاء السقام في زيارة خير الأنام**(ص:۷۲-۷۳) سے نقل کر کے فرمایا:

''نبی ﷺ کے روضۂ اطہر سے گذرنے والے شخص کے سلام کا بیان: نبی پاک کے روضۂ اقدس سے گذرنے والے کے متعلق امام مالک سے پوچھا گیا کیا آپ کے نزدیک جب جب گذرے سلام پیش کرے؟ فرمایا: ہاں، میری رائے یہ ہے کہ آپ کے روضۂ کے پاس سے جب بھی گذرے سلام پیش کرنا لازم ہے۔اور لوگ اس سے بھی زیادہ کرتے ہیں، ہاں جب آپ کے پاس سے نہ گذرے تو میری رائے یہ نہیں۔

محمد بن احمد بن جری کلبی، غرناطی (۶۹۳-۷۴۱ھ) کی القوانین الفقہیۃ (۹۵/۱) میں ہے: دسواں باب نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت، اور حرم پاک، اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بیان میں:

> حاجی کے لیے مناسب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا قصد وارادہ کر کے نبی پاک ﷺ کی مسجد میں داخل ہو۔اور اس مسجد پاک میں نماز ادا کرے، اور نبی پاک ﷺ اور آپ کے پہلو میں آرام فرما ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بارگاہ میں سلام پیش کرے، اور قبر ومنبر کے درمیان حضور اقدس کو اپنا شفیع بنائے، اور مدینہ منورہ واپس ہونے پر آپ کو الوداع کہے، اور مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ تعالی اس قول کے خلاف ہیں جب کہ مکہ ومدینہ منورہ دونوں حرم ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن مغربی (۹۰۲-۹۵۴ھ) نے مواہب الجلیل (۴۰۰/۳) میں فرمایا:

ابن ابوفدیک نے بعض ملاقات کرنے والوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: ہمیں یہ خبر ملی کہ

جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الاحزاب-۵۶۳۳]

ترجمہ: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اے محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) آپ پر اللہ درود نازل فرمائے ستر مرتبہ یہ کہے، ایک فرشتہ اسے پکار کر یہ کہے گا: اے فلاں! اللہ نے تجھ پر رحم فرمایا، آج تیری حاجت نامراد نہ ہوئی۔

نیز فرمایا: (مرجع سابق (۳۴۴/۳) فرع: شیخ زروق نے شرح ارشاد میں فرمایا: شیخ عیسی غبرینی نے اس شخص کے متعلق توقف فرمایا جس نے حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نذر مانی، اس لیے کہ اس باب میں نص وارد نہیں، اور دوسرے حضرات نے تصریح فرمائی کہ یہ نذر لازم ہے۔ اس لیے کہ یہ قربت ثابتہ ہے۔ اور ابن عربی نے اکتساب برکت کی خاطر کسی دوسرے شخص کی قبر کی زیارت کا انکار فرمایا، اور امام غزالی نے اس کو مندوبات میں شمار فرمایا۔ اور آداب السفر میں اس زیارت کی خاطر سفر کو جائز قرار دیا۔ علامہ ابن الحاج نے امام غزالی کا کلام آپ کی اصل عبارت و حروف کے ساتھ نقل فرمایا اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اور سید سمہودی نے تاریخ مدینہ منورہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے نذر کے باب میں شافعیہ کا کلام ذکر فرمایا اور اس کے بعد یہ فرمایا:

> مالکیہ میں سے عبدی نے شرح الرسالۃ میں فرمایا: مسجد حرام اور مکہ کے سفر کی نذر سے متعلق ایک اصل موجود ہے، وہ اصل نبی پاک ﷺ کے روضۂ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جا کر عمرہ اور حج کرنا ہے۔ اور مدینہ منورہ کعبہ اور بیت المقدس سے بھی افضل ہے اور اس (نذر ماننے والے) کا ارادہ نہ تو حج کا ہے نہ عمرہ کا اس لیے کوئی شخص ان تینوں مقامات مقدسہ کے سفر کی نذر مانے تو اس کی یہ نذر لازم ہے، کعبہ کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے ہاں دوسری

دو مسجدوں کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے۔

علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کی کتاب "المواھب اللدنیہ" کی شرح (۳۱۴/۸-۳۱۵) میں قسطلانی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی طرف اس کی کتاب منسک میں جو منسوب کیا گیا میں نے اسے دیکھا اس میں ہے کہ: "مالک عظیم ترین امام تھے آپ نے اسے (قبر شریف کی زیارت) مکروہ کہا"، اس (ابن تیمیہ) سے کہا جاتا کہ امام مالک نے اپنی کس کتاب میں کراہت کی تصریح فرمائی؟ ابن وہب جو امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں انھوں نے امام مالک کی جو روایت ذکر فرمائی اس میں امام مالک سے یہ نص صریح ہے کہ کھڑے ہو کر دعا کرے، اور طلب کا ادنی درجہ مستحب ہے۔ حافظ ابوالحسن قابسی، اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہما جو امام مالک کے ائمہ مذاہب ہیں انھوں نے ابن وہب کی اس روایت مذکور پر جزم فرمایا، اور علامہ خلیل بن اسحٰق نے اپنے مناسک میں اس پر جزم فرمایا۔ تو کیا اس شخص (ابن تیمیہ) کو اس بات سے شرم وحیا نہیں آتی کہ ایسی جھوٹی باتیں کہہ رہا ہے جو اس کے علم میں نہیں۔

مبسوط میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا "لاأری أن یقف عندالقبر للدعاء" (میری رائے یہ نہیں کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرے) آپ کے اس قول میں کراہت کی تصریح نہیں اس لیے کہ ممکن ہے آپ نے اس سے خلاف اولی مراد لیا ہو، علاوہ ازیں محدثین کے طریقہ پر اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں تو ابن وہب کی گزشتہ روایت ہی راجح اور مقدم ہے، اس لیے کہ اس روایت کا اتصال اسماعیل کی روایت پر ہے، اور مالک سے اسماعیل کا لقا ثابت نہیں تو ان کی روایت منقطع ہو گئی۔ (اور امام مالک کے بارے میں جو یہ حکایت منقول ہے کہ آپ نے منصور کو یہ حکم فرمایا کہ: روضۂ اطہر کے سامنے دعا کریں۔ یہ امام مالک پر کذب و دروغ ہے ایسا ہی کہا واللہ اعلم) امام کا دامن اس سے پاک ہے کہ یہ حکایت جھوٹی ہو، اس لیے کہ ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب "فضائل مالک" میں یہ حکایت ذکر کیا اور شفا میں بطریق حافظ ابوالفضل عیاض ایسی سند سے مروی ہے جس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایک قول کے مطابق صحیح ہے، پھر کس طرح یہ روایت جھوٹی ہے حالانکہ اس کے راویوں میں نہ کوئی کذاب ہے نہ وضاع، ہاں اگر کوئی مبتدع اپنا نیا مذہب اختراع کرے اور یہ کہے: "کہ قبروں کی

تعظیم نہ کرنی چاہئے کہ یہ صرف طلب عبرت اور ترحم کے لیے ہوا کرتی ہے، اور اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس زیارت کے لیے سفر نہ کیا جائے''اور اپنی عقل فاسد کے ذریعہ نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے اور روشن حقیقت کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ اس حملہ آور انسان کی طرح ہے جسے اس کی پرواہ نہیں کہ کیسے دفع کرے، جب اس مبتدع کو کوئی کمزور شبہ بھی نہیں ملتا جس کے ذریعہ اپنے زعم کے اعتبار سے دفاع کرے تو وہ مبہوت و حیران ہو کر اس دعوی کی طرف پلٹتا ہے کہ''امام مالک کی طرف منسوب حکایت سراسر جھوٹ ہے''۔

جس شخص نے ابن تیمیہ کے بارے میں یہ کہا:''اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے''اس نے عدل وانصاف کیا۔

ثالثا: شافعیہ:

شیخ ابو اسحاق شیرازی نے المھذب (۲۳۳/۱) میں کہا:

فصل:''ویستحب زیارة قبر رسول الله ﷺ''رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے۔

علامہ نووی نے المجموع (۱۹۹/۸-۲۰۰) میں فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے اس لیے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے روایت فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي'' (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی)

رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز ادا کرنا مستحب ہے اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''صلاة في مسجدي هذا تعدل ألف صلاة فيماسواه من المساجد''

ترجمہ:۔''میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے''۔

اور علامہ نووی نے المجموع (۲۰۱/۸) میں یہ بھی فرمایا:

''یہ جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت اہم قربت وعبادت ہے، اور کامیاب ترین کوشش ہے اس لیے جب حج وعمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوں تو ان کے لیے غایت درجہ مستحب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ طیبہ جائیں، اور زیارت کرنے والا آپ کے قرب، اور آپ کی بارگاہ کے سفر، اور آپ کی مسجد شریف میں ادائے نماز کی نیت کرے، اور یہ اعتقاد رکھے کہ ہر فضیلت وشرف خیر الخلق ﷺ ہی کے سبب ہے۔ اور مدینہ منورہ طیبہ جانے اور وہاں سے واپس آنے تک زائر کا دل تعظیم رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مالامال رہے۔ اور اس بارگاہ کی ہیبت اس طرح قائم رہے گویا سرکار اپنی چشم اقدس سے اس زائر در اقدس کو مشاہدہ فرما رہے ہیں''۔

علامہ نووی نے اسی کتاب مذکور (۲۰۹/۸) میں یہ بھی فرمایا:

''جو شخص واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا حاجیوں کے والی کی ولایت اس پر قائم نہ رہے گی، اور جو واپسی کا ارادہ رکھتا ہے وہ ابھی والی حج کے زیر ولایت ہے وہ اس کے احکام اطاعت کا پابند ہے، جب لوگ حج سے فارغ ہو جائیں تو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے عادت کے مطابق انہیں کچھ دن مہلت دی جائے، اور واپسی میں عجلت نہ کی جائے جب حاجیوں کا قافلہ واپس ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے اسے مدینہ منورہ طیبہ کا سفر کرایا جائے، یہ اگرچہ فرائض حج سے نہیں تاہم شرع کے مستحبات ومندوبات اور حاجیوں کی مستحسن عادات سے ہے''۔

علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۷۷/۲) میں فرمایا:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''وهو يأرز إلى المدينة'' (ترجمہ:۔''ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر چلا جائے گا'')

آپ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ ابتدا اور انتہا میں ایمان اسی حال پر رہے گا اس لیے کہ ابتدائے اسلام

میں مومن مخلص اور سچے مسلمان مدینہ منورہ طیبہ آئے یا تو ہجرت کر کے انھوں نے وہاں اپنا وطن بنالیا، یا رسول اللہ ﷺ کے شوق دیدار، اور آپ سے اخذ علم اور آپ کا قرب وفیض حاصل کرنے کی غرض سے آئے، پھر اس کے بعد خلفا کے عہد میں یہی حال رہا کہ لوگ اس بارگاہ اعظم کے قرب سے سرشار ہونے، اور خلفا کی سیرت عدل کی تحصیل، اور وہاں پر جلوہ بار جمہور صحابہ کی اقتدا اور اتباع کے لیے آتے، پھر ان کے بعد ان علما سے سنتوں کی تحصیل کا سلسلہ قائم ہوا جو اپنے زمانے میں علم وفضل کے روشن چراغ، اور ہدایت کے عظیم امام تھے انھوں نے مدینہ منورہ طیبہ میں سنتوں کی نشر واشاعت کی۔تو جس شخص کا ایمان درخشاں، اور سینہ نور ایمان سے فروزاں ہوتا وہ مدینہ منورہ طیبہ کی آبلہ پائی کرتا، پھر اس کے بعد ہر وقت اور ہر دور میں نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت، اور آپ کے مشاہد وآثار، اور آپ کے اصحاب کے آثار سے اکتساب برکت کا سلسلہ قائم رہا، ان برکات سے مالا مال ہونے کے لیے صرف مومن ہی مدینہ منورہ طیبہ کی آبلہ پائی کرتا۔

سلطان العلما، عزبن عبدالسلام نے **قواعد الأحكام في مصالح الأنام** (۳۹/۱) میں فرمایا:

محض مدینہ منورہ طیبہ کا قصد وارادہ واجب نہیں بلکہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کی خاطر اس خاک مقدس کا قصد واجب ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶۶/۳) میں فرمایا:

حاصل یہ کہ ابن تیمیہ پر لوگوں کا یہ الزام ہے کہ: اس نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سفر زیارت کو حرام کہا، اس کی ظاہری صورت ہمیں تسلیم نہیں، اس کی تشریح میں جانبین نے لمبی گفتگو کی اور وہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے بدترین مسائل منقول ہیں، جو لوگ نبی پاک کے روضۂ اطہر کی زیارت کو مشروع کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ زیارت مشروع ہے۔ابن تیمیہ نے اس دعوی کے استدلال کا رد کیا اس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے: ''میں نے نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کی'' امام مالک کے محققین اصحاب نے ابن تیمیہ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ نے ازارہ ادب اس لفظ کا اطلاق مکروہ قرار دیا ہے نہ یہ کہ اصل زیارت کو مکروہ فرمایا ہے۔اس لیے کہ زیارت شریفہ تو ان

افضل اعمال اوراعلی عبادات سے ہے جن کے سبب خدائے ذوالجلال کی بارگاہ کی رسائی حاصل ہوتی ہے، اوراس بات پراجماع ہے کہ زیارت مشروع ہے۔ جس میں کسی کا کوئی نزاع نہیں اوراللہ ہی درستگی کی راہ دکھاتا، اوراس تک پہنچاتا ہے۔اورزیارت یاطلب علم کا سفرمحض مکان کی خاطرنہیں ہوتا، بلکہ مکین کی خاطرہوتا ہے۔**و الله تعالى أعلم**

اورحافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۰۷/۳) میں یہ بھی کہا:

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ کوئی شخص ارض مقدسہ یااس کے مثل زمین پر دفن کیا جانا پسند کرے: زین بن منیر نے کہا:"**أو نحوها**"(یااس کے مثل زمین) سے حرمین کے وہ باقی مقامات مراد ہیں جہاں کا سفر کیا جاتا ہے۔اوراسی طرح انبیا کے مدفن، اورشہدااوراولیا کی وہ قبریں مراد ہیں جہاں کا سفرممکن ہے۔ان حضرات کے قرب وجوارکی برکت، اوران پرنازل ہونے والی رحمت حاصل کی جائے۔یہ درحقیقت موسی علیہ السلام کی اقتدا ہے۔

شیخ الاسلام زکریاانصاری (۸۲۳-۹۲۶ھ) نے فتح الوہاب (۲۵۷/۱) میں فرمایا:

"قبلہ روہوکرآب زمزم خوب خوب پیئے، اورنبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرے اگر چہ یہ شخص حج کرنے والا نہ ہو۔"

ملیباری نے **فتح المعین** میں فرمایا:

فائدہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت سنت مؤکدہ ہے اگرچہ حج وعمرہ کرنے والا نہ ہو،اس زیارت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

رملی انصاری نے شرح زید بن رسلان (۱۱۸/۱) میں کہا:

مسافرکوصرف سفرمباح یعنی سفرجائزہی میں رخصت حاصل ہے اگرچہ وہ اس سفرمیں کسی امرواجب مثلا حج اسلام اورجہاد، یاکسی امرمندوب کی مثلا حضوراقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت یاکسی امرمباح مثلا تجارت یاکسی مکروہ امرکی نافرمانی کرے مثلا وہ شخص سفرکرے جس پرشب جمعہ میں جمعہ لازم ہو۔

محمد خطیب شربینی نے مغنی المحتاج (۵۱۲/۱) میں کہا:

''رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مسنون ہے، اس لیے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''

ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی''۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت افضل عبادت و قربت ہے اگر چہ زیارت کرنے والا حج و عمرہ کرنے والا نہ ہو۔

اور نیز (۲۷۸/۱) میں فرمایا:

یہ حکم اس وقت ہے جب سفر مباح ہو مثلا سفر تجارت ہو، اور یہ حکم مکروہ کو بھی شامل ہے جیسا کہ اسونی نے کہا: مکروہ کی مثال تنہا سفر کرنا، اور اگر وہ طاعت واجب ہو جیسا کہ سفر حج، یا مندوب ہو جیسا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت تو قطعا جائز ہے۔

رابعا: حنابلہ:

ابن قدامہ نے المغنی (۲۹۷/۳-۲۹۹) میں فرمایا:

نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا مستحب ہے حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي''

ترجمہ:۔''جو شخص حج کرنے آیا تو میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

اور ایک روایت میں ہے:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''

ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی''۔

ابن ہبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) (یحیٰ بن محمد بن ہبیرہ ہیں)، آپ کی کتاب اتفاق الائمہ ہے مطبع

دارالحرمین سے ایک کتاب: **الفقہ علی مذاہب الائمہ الاربعۃ** کے نام سے طبع ہوئی جو "**الإفصاح عن معانی الصحاح**" کا ایک جز ہے، اس میں اس بات کا التزام ہے کہ ائمہ اربعہ: ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کے اقوال ذکر کیے جائیں گے، اوران کے اصحاب یا ان سے نسبت رکھنے والے حضرات کے اقوال نہ لائے جائیں گے ہاں اشارۃ ذکر آ سکتا ہے۔

ابن ھبیرہ حنبلی نے اپنی اس کتاب مذکور (۱/۳۴۷-۳۴۸) میں ذکر فرمایا:

"علما کا اختلاف ہے کہ: حرمین شریفین میں کون افضل ہے، امام مالک اورامام احمد نے اپنی دوروایتوں میں سے ایک روایت میں فرمایا: مدینہ منورہ افضل ہے۔ اورامام ابوحنیفہ اورشافعی اوراحمد نے دوسری روایت میں فرمایا: مکہ افضل ہے۔ لیکن نبی پاک ﷺ کے جسد اطہر سے پیوستہ حصہ بلا کسی اختلاف کے ساری زمین سے اشرف وافضل ہے"۔

پھر آپ نے (۱/۳۴۹) میں فرمایا:

"اوراس پر سب کا اتفاق ہے کہ مصطفیٰ ﷺ اورآپ کے پاس مدفون آپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر شریف کی زیارت مستحب ومندوب ہے"۔

ابن قدامہ نے **عمدۃ الفقہ** (۱/۴۵) میں کہا:

"حاجی کے لیے نبی پاک ﷺ اورآپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے روضۂ پاک کی زیارت کرنا مستحب ہے"۔

مقدسی نے **الکافی فی فقہ ابن حنبل** (۱/۴۵۷) میں فرمایا:

"نبی پاک ﷺ اورآپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر انور کی زیارت کرنا مستحب ہے اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"من زارني أوزارقبري كنت له شفيعا أو كلاهما".

ترجمہ: "جس نے میری، یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع ہوں گا، یا دونوں (شفیع

وشہید) ہوں گا''۔

ابوداود نے اس حدیث کو روایت کیا۔''

ابن مفلح نے **المبدع** (۱۹۲/۱،۱۹۳) میں کہا:

''اوراحرام کے لیے غسل کرنا، اور امام احمد نے نص فرمایا: اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے غسل کرنا، اور ایک قول یہ ہے: اور ہر اجتماع کے لیے غسل کرنا مستحب ہے''۔

اور ابن مفلح نے **المبدع** (۲۵۸/۳) میں فرمایا:

''حاجی کے لیے حج سے فارغ ہونے کے وقت مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرے، اور زیارت کے بعد واپس ہو۔اس کو منصور نے مجاہد سے روایت کیا۔''

مرعی حنبلی نے **دلیل المطالب** (۹۴/۱) میں کہا: (اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابن تیمیہ کی تعریف میں کتابیں تالیف کیں)

''نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضوان اللہ تعالی علیہما کی قبر کی زیارت کرنا مسنون ہے۔اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے''۔

مرداوی نے **الإنصاف** (۵۳/۴-۵۴) میں کہا:

''حج سے فارغ ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین کے روضۂ مقدس کی زیارت مستحب ہے، تمام اصحاب متقدمین ومتاخرین اسی مذہب پر قائم ہیں''۔

ابن ضوبان نے **منار السبیل** (۲۵٦/۱) میں کہا:

نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین رضوان اللہ وسلامہ علیہما کی قبر کی زیارت مسنون ہے اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''من زارني أو زار قبري كنت له شافعا أو كلاهما''.

ترجمہ:۔جس نے میری، یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شافع ہوں گا یا دونوں۔
ابوداود طیالسی نے اس حد
یث کو روایت کیا۔
اور ابن عمر سے مرفوعا مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:
''من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي ''.
ترجمہ:۔''جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔
اور ایک روایت میں ہے:
''من زار قبري وجبت له شفاعتي''
ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔
دارقطنی نے بسند ضعیف اس حدیث کو روایت کیا۔
زادالمستنقع (۱/۹۴) میں ہے:
''نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے''۔
ابن بلبان نے **أخصر المختصرات** (۱/۱۵۷) میں کہا:
''نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین کی قبر کی زیارت مسنون ہے''۔
بہوتی نے کشف القناع (۲/۵۱۵) میں کہا:
تنبیہ:ابن نصر اللہ نے کہا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کا استحباب تینوں مسجدوں کی طرف استحباب سفر کو مستلزم ہے اس لیے کہ حج کے بعد حاجی کے لیے مسجد کی طرف شدرحال کے بغیر روضۂ اقدس کی زیارت ناممکن ہے۔تو گویا ان تینوں مسجدوں کی طرف شدرحال کے استحباب کی تصریح حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے استحباب کی تصریح ہے۔

بہوتی نے کشف القناع (۲/۵۱۵) میں کہا:

اور اگر حج نفل ہے تو سب سے پہلے مدینہ منورہ طیبہ حاضر ہو، ابن نصر اللہ نے اس بارے میں کہا کہ: زیارت حج نفل سے افضل ہے، اور حج فرض زیارت سے افضل ہے۔انتھی۔ میں کہتا ہوں: کبھی اس مسئلہ میں توقف کیا جاتا ہے اور امام کی مراد یہ ہے کہ حج کے ساتھ زیارت کا بھی ارادہ رکھے تاکہ دونوں کا ثواب ملے بخلاف حج فرض کہ اس صورت میں خالص حج فرض کی نیت کرے پھر حج فرض سے فارغ ہوکر روضۂ اقدس پر اس طرح حاضر ہو کہ قبلہ کی طرف پیٹھ، اور حضور اقدس ﷺ کے رخ اقدس کی طرف چہرہ ہو۔

ابن مفلح نے فروع (۳/۳۸۵) میں کہا:

''نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا، اور آپ، اور آپ کے صاحب (ابوبکر) رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے، آپ کے مواجہہ اقدس میں کھڑے ہوکر سلام پیش کرے۔اور سلام پیش کرنے کے وقت قبلہ رو نہ رہے، اس کے بعد اس طرح قبلہ رو ہوکر دعا کرے کہ حجرہ اقدس اس کے بائیں جانب رہے۔امام احمد نے اسے ذکر کیا۔آپ کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ حجرۂ اقدس سے قریب یا دور رہے۔

اور نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے بعد حنابلہ کی دعا بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں:

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ میں فرمایا:''**اللھم لاتجعل اٰخر العھد مني بزیارۃ قبر نبیک**'' (ترجمہ:۔''اے اللہ! اپنے نبی کے روضہ کی زیارت میری آخری زیارت نہ بنا'')

اور ابن قدامہ نے المغنی (۳/۲۹۹،۳۰۰)، ابن مفلح نے المبدع (۳/۲۶۰) اور بہوتی نے کشف القناع (۲/۵۱۷) میں بعینہ یہی دعا ذکر کی۔

خامسا: ظاهريه:

ابن حزم ظاہری [وہابیہ کا پرانا امام غیر مقلد ظاہری المذہب (سبحان السبوح)] نے المحلی (۲/۸) میں کہا:

کتاب النذ ور: اللہ عزوجل کی ایسی طاعت جس کا بجالا نا بندہ پر فرض لازم ہے۔ جب بندہ نے ایسی طاعت کی نذر اس لیے مانی تا کہ محض اللہ عزوجل کا تقرب، یا اللہ کی کسی نعمت پر اس کا شکر ادا کرے، یا کسی امید پر اللہ کا شکر بجالائے، اس میں کسی مسلمان پر ظلم ومعصیت نہ ہو مثلا اس طرح نذر مانے: اللہ ہی کے لیے اتنا صدقہ وخیرات، یا اتنے یا اس سے زیادہ روزے، یا حج، یا جہاد، یا اللہ تعالی کا ذکر مجھ پر لازم ہے، یا فقرا کے لیے مکان موقوف، یا کسی بیمار کی مزاج پرسی، یا کسی جنازہ میں شرکت، یا کسی نبی، یا کسی مرد صالح کی قبر کی زیارت، یا مکہ، یا مدینہ منورہ کے آثار ومشاعر میں سے کسی خاص مشعر (علامت رسوم، حج ادا کرنے کی جگہ)، یا بیت المقدس کی طرف پا پیادہ یا سوار ہو کر جانے، یا وہاں قیام کی نذر مانے، یا کسی خاص آزادی یا اور کسی طاعت کی نذر مانے تو یہ ساری نذریں خالص تقرب ہیں۔

سادسا: زیدیہ:

شوکانی نے نیل الأوطار (۱۷۸/۵) میں کہا:

''زیارت کے سلسلے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مندوب ہے، اور بعض مالکیہ، اور بعض ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور حنفیہ نے کہا کہ: قریب بہ واجب ہے۔''

پھر شوکانی نے اسی کتاب (۱۸۰/۵) میں کہا:

''زیارت روضۂ اقدس ﷺ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت بلال ہیں جیسا کہ ابن عساکر نے بسند جید ذکر کیا، اور عبداللہ ابن عمر ہیں جیسا کہ امام مالک نے ذکر فرمایا، اور سیدنا ابوایوب ہیں جیسا کہ امام احمد نے ذکر فرمایا، اور حضرت انس ہیں جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا میں ذکر کیا، اور بزار نے حضرت عمر اور دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم کو ذکر کیا۔ ان حضرات صحابہ کے علاوہ بہت سے حضرات سے روضۂ شریفہ کی زیارت مروی ہے لیکن حضرت بلال کے علاوہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے اس زیارت کے

لیے سفر فرمایا بلال کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے "داریا" جا کر نبی ﷺ کی زیارت کی حضور نے حضرت بلال کے اس شدر حال پر فرمایا:

"ماهذه الجفوة يابلال أما ان لک أن تزورني".

ترجمہ:۔"اے بلال! یہ کیا جفا ہے کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو"۔

ابن عساکر نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تنبیہ:

(۱) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۲۶/۲۷) میں کہا:

"میرے علم میں کتابوں میں جن علما کا نام آتا ہے ان میں سے کسی معروف عالم نے یہ نہ کہا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔ اگر اس مسئلہ میں تیسرا قول انہیں معلوم ہوتا تو ضرور نقل کرتے۔"

ہم کہتے ہیں:

سلطان العلماعز بن عبدالسلام نے **قواعدالأحكام في مصالح الأنام** (۳۹/۱) میں کہا:

"مدینہ منورہ کا قصد واجب نہیں بلکہ رسول پاک علیہ السلام کے وصال فرمانے کے بعد آپ کی زیارت کے سبب مدینہ منورہ کا قصد واجب ہے۔ اور عبدالحق اشبیلی کا قول ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے"۔

شوکانی نے **نيل الأوطار** (۱۷۸/۵) میں کہا:

"اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زیارت مندوب ہے اور بعض مالکیہ اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اور حنفیہ نے کہا: قریب بہ واجب ہے۔"

(۲) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۴۴۶/۲۷) میں کہا:

''یہاں تک کہ علما کی ایک جماعت نے کہا جن میں عبدالعزیز کتانی ہیں: نبی کی قبر کے علاوہ جتنی قبریں انبیا کی طرف منسوب ہیں ان میں سے کوئی قبر صحیح نہیں۔ اور نبی کی قبر کے علاوہ خلیل علیہ السلام کی قبر کو بھی صحیح و ثابت قرار دیا گیا ہے۔''

یہ ابن تیمیہ کا کلام ہے، اور اب ہم عبدالعزیز کتانی کے اعمال وافعال قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ عبدالعزیز کتانی وہ ہیں جن کا کلام ابن تیمیہ نے اپنے مذہب کے موافق ظاہر کیا ہے۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۴۱۸/۲-۴۱۹) میں ہے:

ہم کو ابو محمد بن اکفانی نے خبر دیا، کہ ہم سے عبدالعزیز کتانی نے بیان کیا، ہم کو ابو محمد بن ابو نصر نے خبر دی ہم سے ابو میمون بن راشد نے بیان کیا کہ ابو زرعہ دمشقی نے کہا: میں نے اپنے شہر میں اہل علم کو یہ ذکر کرتے دیکھا کہ دمشق کے مقبرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ابوبکر کے آزاد کردہ بلال، اور سہل بن حنظلیہ، اور ابو درداء کی مبارک قبریں ہیں۔

میں نے ابو محمد بن اکفانی کی تحریر پڑھی اور آپ نے بالمشافہ بھی مجھے بتایا کہ شیخ حافظ ثقہ ابو محمد عبدالعزیز بن احمد کتانی رضی اللہ تعالی عنہ نے ہم سے بیان فرمایا: ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی قبر کے علاوہ کسی نبی اور صحابی کی عین قبر کی معرفت پر دو شہر والے متفق نہیں۔

ابن الاکفانی نے کہا: شیخ ابو محمد عبدالعزیز بن احمد کتانی نے ظاہر دمشق میں باب صغیر کے پاس بہت سی قبریں مجھے دکھائیں جن میں ان حضرات کی قبریں تھیں امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان، فضالہ بن عبید، اور واثلہ بن اسقع، اور سہل بن حنظلیہ اور اوس بن اوس (اور ان تمام حضرات کی قبریں احاطہ قبر کے اندر قبلہ کے قریب ہیں) اور ابو درداء کی قبر احاطہ کے باہر ہے، اور ام درداء کی قبر اس احاطہ کے پیچھے ہے، اور عبداللہ بن حرام جو عبادہ بن صامت کی بیوی کے مشہور فرزند ہیں ان کی قبر جادہ کے محاذی راستہ میں واقع ہے۔ اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ ابی بن کعب کی قبر ہے۔ اور یہ صحیح نہیں، اور ام حبیبہ بنت

ابوسفیان جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ طاہرہ ہیں آپ کی قبر صحابہ کرام کے مقدس حظیرہ کے بغل میں ہے آپ کی قبر پر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے اور ان کی بہن کی قبر پر بھی ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر ان کا نام لکھا ہے، اور بلال ابن رباح رسول اللہ ﷺ کے موذن کی قبر پر بھی ان کے نام کا پتھر آویزاں ہے۔

ابن اکفانی نے کہا: اور شیخ ابومحمد کتانی نے اس حظیرۂ مقدس کے پیچھے ولید بن عبدالملک امیر المومنین، اور آپ کے بھائی مسلمہ کی قبر مجھے دکھائی جہاں صحابہ کی قبریں ہیں یہ جادہ کے قریب راستہ میں امیر الجیوش کے مقبرہ کے بالمقابل واقع ہے۔

اور بریہہ بنت حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر ایک قبہ کے اندر مجھے دکھائی، اور ایک دوسرے قبہ میں سکینہ بنت حسین بن علی بن ابوطالب کی قبر کی زیارت کرائی ابوعلی نے کہا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" أيما أهل مقبرة أقبر بين أظهرهم رجل من أصحابي جاء وا فدهم يوم القيامة".

ترجمہ:۔"ان لوگوں کے درمیان میرے اصحاب مدفون ہیں ان کا وفد قیامت کے دن آئے گا"۔

میں کہتا ہوں: یہ شخص محبت کرنے والوں میں سے تھے، انھوں نے اہل بیت، اور صحابہ اور تابعین کی ان قبروں کی زیارت کرائی جنہیں خود بچشم سر دیکھا، لوگ ان قبروں کو جانتے ہیں، تو جو شخص انھیں نہ جانے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(۳) ابن تیمیہ کا استدلال یہ ہے کہ علی بن حسین نے ایک شخص کو دیکھا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر کے قریب سوراخ میں اپنا سر داخل کر کے دعا کر رہا ہے آپ نے (اس کی یہ بے ادبی دیکھ کر) اس شخص کو ایسا کرنے سے منع کیا، اور کہا کس چیز نے تمہیں اس پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا:

نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام بھیجنا مجھے پسند ہے، تو علی بن حسین نے اس سے فرمایا: کیا میں آپ کو اپنے والد کی ایک حدیث سناؤں؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو علی بن حسین نے بیان فرمایا کہ: میرے والد نے مجھ سے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لاتجعلوا قبري عيدا ولاتجعلوا بيوتكم قبورا وصلوا علي وسلموا حيثما كنتم فتبلغني صلاتكم وسلامكم".

ترجمہ:۔"میری قبر کو عید، اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور جہاں بھی رہو مجھ پر درودوسلام پیش کرو کہ تمہارا درودوسلام میرے پاس پہنچتا ہے"۔

میں کہتا ہوں:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۵۱۶/۳) میں اس اثر کے متعلق یہ کلام کیا کہ: اس کی سند میں ایک مبہم نامعلوم شخص ہے۔

میں کہتا ہوں:

علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس شخص کو اس لیے منع فرمایا کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ پروقار میں بے ادبی کی کیوں کہ یہ شخص آپ کے روضۂ اقدس کے قریب سوراخ میں اپنا سر ڈال کر دعا کر رہا تھا۔

ابن تیمیہ کا استدلال یہ بھی ہے کہ عبدالرزاق نے مصنف میں ثوری سے مرسلا روایت کیا کہ ابوعجلان نے سہیل نامی ایک شخص سے روایت کیا کہ حسن بن حسن بن علی نے فرمایا کہ روضۂ اطہر کے پاس آپ کو کچھ لوگ نظر آئے آپ نے انہیں منع فرمایا اور کہا کہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"میری قبر کو عید، اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور جہاں بھی رہو مجھ پر درودوسلام پیش کرو کیوں کہ تمہارا درودوسلام مجھ تک پہنچتا ہے"۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو روضہ اطہر پر پیاپے آتے دیکھا تو فرمایا: اے شخص! تم اور اندلس کے لوگ برابر اور ایک جیسے ہو، یعنی سب کے سب قیامت تک آپ پر درودوسلام بھیجتے رہیں گے۔

ابن کثیر نے کہا: شاید آپ نے ان کی بے ادبی ملاحظہ فرمائی اس لیے کہ وہ لوگ ضرورت سے زیادہ آوازیں بلند کررہے تھے یہ دیکھ کر آپ نے انہیں منع فرمایا، ابن کثیر نے اس بات پر تنبیہ نہ کی کہ حسن بن حسن کی حدیث ضعیف ہے، اور اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو اس کا معنی وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے۔

ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے حسن بن حسن کے اثر کو ذکر کیا مگر صحیح بخاری شریف (۱/۴۴۶) میں مذکور روایت ذکر نہ کی جس میں یہ ہے:

''جب حضرت حسن بن حسن حضرت علی کے پوتے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصال ہو گیا تو ان کی اہلیہ نے ان کی قبر پر قبہ تانا جو ایک سال تک رہا پھر اٹھالیا گیا، تو لوگوں نے سنا کوئی بلند آواز سے کہتا ہے جو چیز انھوں نے گم کی تھی اسے پایا تو دوسرے نے جواب دیا، نہیں بلکہ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔

(۴۵) ابن تیمیہ کا دعوی ہے کہ انبیا کی قبروں کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں

ابن تیمیہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ انبیا کی قبروں کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں، اس کا کام ہی ہے امت کی مخالفت کرنا اور ایسی بات کہنا جس کا کوئی قائل نہ ہو۔

اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۴۴۴) میں کہا:

''انبیا کی مخصوص ومعین قبروں کی معرفت کا کوئی شرعی فائدہ نہیں، اس کی حفاظت امر دین سے بھی نہیں، اگر اس کی حفاظت امر دین سے ہوتی تو ضرور اللہ اس کی حفاظت کرتا جیسا کہ باقی دین کی حفاظت فرمائی''۔

میں کہتا ہوں:

سنت کی اتباع واقتدا ابن تیمیہ کی رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے، اور جمہور کا اگر چہ اجماع نہیں مگر ان حضرات کا فہم ابن تیمیہ اور اس کے حامیوں کے فہم سے بہتر ہے۔

ابن تیمیہ کے فہم کے برخلاف روشن دلائل اور بعض ائمہ کا علمی فہم پیش کر رہے ہیں تاکہ ابن تیمیہ کے فہم کی حقیقت واضح ہوجائے:

ابوموسی[1] نے فرمایا: نبی پاک ﷺ ایک اعرابی کے پاس تشریف لائے اس نے آپ کی تعظیم وتکریم کی

---

(۱) فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس مضمون کی حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اس طرح روایت فرمایا: طبرانی معجم اوسط اور خرائطی مکارم الاخلاق میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا اگر حضور کو منظور ہوتا ''نعم'' فرماتے یعنی اچھا اور نہ منظور ہوتا تو خاموش رہتے کسی چیز کو ''لا'' یعنی نہ نہ فرماتے، ایک روز ایک اعرابی نے حاضر ہوکر سوال کیا، حضور خاموش رہے پھر سوال کیا سکوت فرمایا پھر سوال کیا، اس پر حضور ﷺ نے جھڑکنے کے انداز سے فرمایا: ''سل ماشئت یاأعرابي'' اے اعرابی جو تیرا جی چاہے مانگ، مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں'' فَغَبَطْنَاهُ فَقُلْنَا الان يَسْأل الجَنَّةَ'' یہ حال دیکھ کر (کہ حضور خلیفۃ اللہ اعظم ﷺ نے فرمادیا ہے جو دل میں آئے مانگ لے) ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا ہم نے اپنے جی میں کہا اب یہ

حضور نے ان سے فرمایا''تم ہمارے پاس آنا'' وہ اعرابی آپ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سل حاجتک'' ''اپنی حاجت کا سوال کیجئے'' اعرابی نے عرض کیا: ایک اونٹنی عطا فرمائیں جس پر ہم سوار ہوں، اور بکریاں جن کا دودھ ہمارے گھر والوں کے کام آئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''أعجزتم أن تكونوا مثل عجوز بني اسرائيل'' ''کیا تم اس سے عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی پیرزن کی طرح ہو'' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور بنی اسرائیل کی پیرزن کا کیا واقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا:''کہ موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تو بنی اسرائیل راستہ بھٹک گئے تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، تو ان کے علما نے کہا: کہ

حضور سے جنت مانگے گا، اعرابی نے کہا تو کیا کہا کہ میں حضور سے سواری کا ایک اونٹ مانگتا ہوں فرمایا عطا ہوا، عرض کی حضور سے زادراہ مانگتا ہوں، فرمایا عطا ہوا، ہمیں اس کے ان سوالوں پر تعجب آیا، سید عالم ﷺ نے فرمایا کتنا فرق ہے اس اعرابی کی مانگ اور بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کے سوال میں پھر حضور نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا اترنے کا حکم ہوا، کنار دریا تک پہنچے سواری کے جانوروں کے منھ اللہ تعالیٰ نے پھیر دیے کہ خود بخود واپس پلٹ آئے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی، الٰہی یہ کیا حال ہے ارشاد ہوا تم قبر یوسف کے پاس ہو، ان کا جسم مبارک اپنے ساتھ لے لو، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا، فرمایا اگر تم میں کوئی جانتا ہو تو شاید بنی اسرائیل کی پیرزن کو معلوم ہو اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر معلوم ہے؟ کہا ہاں! فرمایا تو مجھے بتادے، عرض کی:''لا والله حتى تعطيني ماأسئلك'' خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا:''ذلك ذلك'' تیری عرض قبول ہے ''قالت فإني أسئلك أن أكون معك في الدرجة التي تكون فيها في الجنة'' پیرزن نے عرض کی تو میں حضور سے یہ مانگتی ہوں کہ جنت میں میں آپ کے ساتھ ہوں اُس درجے میں جس میں آپ ہوں گے''قال سلي الجنة'' موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جنت مانگ لے یعنی تجھے یہی کافی ہے اتنا بڑا سوال نہ کر''قالت لا والله إلاأن أكون معك'' پیرزن نے کہا خدا کی قسم نہ مانوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں ''فجعل موسى يرددها فأوحى الله أن أعطها ذلك فإنه لن ينقصك شيئا فأعطاها'' (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اس سے یہی ردو بدل کرتے رہے اللہ عزوجل نے وحی بھیجی موسیٰ وہ جو مانگ رہی ہے تم اسے وہی عطا کر دو کہ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نعش مبارک کو ساتھ لے کر دریا سے عبور فرما گئے۔ (الامن والعلی) (مترجم)

جب یوسف علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہم لوگوں سے اللہ کا ایک پختہ پیمان لیا کہ ہم مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ ہمیں منتقل نہ کیا جائے آپ نے فرمایا: آپ کی قبر کسے معلوم ہے کہا: بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کو معلوم ہے، اس کے بعد اس پیرزن کو بلانے کے لیے بھیجا گیا تو وہ پیرزن آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی قبر کا پتہ بتادیں تو پیرزن نے کہا: میں اس وقت بتاؤں گی جب آپ میری حاجت قبول فرمالیں آپ نے فرمایا: تیری حاجت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں تو آپ نے اسے قبول کرنا پسند نہ فرمایا تو اللہ عزوجل نے وحی نازل فرمائی کہ اس پیرزن کی حاجت قبول کرلیں۔(۱)

میں کہتا ہوں:

ہمارا استدلال یہ ہے کہ ایک نبی کی قبر کی معرفت کے سبب اللہ عزوجل نے اس پیرزن کو جنت میں بلند مقام سے سرفراز فرمایا، جب ایک نبی کی قبر کی معرفت نے اس بوڑھی عورت کو جنت میں اعلی مقام بخشا تو کیا ابن تیمیہ کے بقول یہ کوئی فائدہ نہیں؟

بلکہ نبی پاک ﷺ نے اسے بطور مثل بیان فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ کسی نبی کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں، سبحان اللہ!! جو سنت پر چلے گا فلاح پائے گا، اور جو اس سے جدال کرے گا جادہ راہ سے دور اور منحرف گمراہ اور گمراہ گر رہے گا۔

(۱) ابن حبان (۲/۵۰۰، ۵۰۱)، حاکم (۲/۴۳۹، ۲/۶۲۴)، ابویعلی (۱۳/۲۳۶) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۹/۳۶۲) میں ابوموسی اشعری سے روایت کیا، اور طبرانی نے اوسط میں (۷/۳۷۴، ۳۷۵) حضرت علی سے روایت کیا۔
اور سیوطی نے درمنثور (۴/۵۹۱، ۵۹۲) میں، اور ابن ابوحاتم نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان، حاکم اور ھیثمی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷۰، ۱۷۱) میں کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔